كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ...

[آل عمران:۱۱۰]

سیرتِ صحابیاتؓ اور مُسلِم خواتین کی کردار سازی

از قلم

عبداللہ صغیر آسی

ایم فل علوم اسلامیہ

از قلم

عبداللہ صغیر آسی

ایم فل علوم اسلامیہ

اشاعت اول :

صفر المظفر ١٤٤٦ھ/ اگست 2024ء

ملنے کے پتے

☆......اکبر پبلک لائبریری، بالمقابل گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج، نانگی، میرپور آزاد کشمیر
☆......شاہین بک ڈپو، بنڈالہ، تحصیل سماہنی، ضلع بھمبر آزاد کشمیر
☆......البدر بک ڈپو، سیری، ضلع کوٹلی، آزاد کشمیر

برائے رابطہ

0300-5469876
0355-6121656

النفیس پبلشرز
بالمقابل حبیب بینک شجاع آباد
0307-2603021

انتساب

میں اپنی اس ادنیٰ سی کاوش کو

اُم المومنین، سیدہ، طیبہ، طاہرہ اور ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک

حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما

کے نام کرتا ہوں،

کہ جن کی عفت و عظمت کا خود قرآن گواہ ہے......

اور جن کی پاکیزہ سیرت نے

اس کتاب کے لکھنے میں مشعلِ راہ کا کردار ادا کیا!!

عبداللہ صغیر آسیؔ

الاحزاب: ۳۵

فہرست مضامین

تاثراتِ گرامی

فضیلۃ الشیخ حضرت مفتی محمد رویس خان ایوبی حفظہ اللہ
[مفتی اعظم آزاد کشمیر]

عزیزی عبداللہ صغیر آسی بن پروفیسر صغیر آسی صاحب ہمارے پچیس تیس سال سے برخوردار ہیں، یہ دینی تحریکی ذہن کے مالک ہیں۔ ماشاءاللہ جناب صغیر آسی صاحب خود صاحبِ علم وفن ہیں، تو ان کے فرزند جناب عبداللہ اصحابِ رسولؐ کے دیوانے ہیں۔

آپ نے حال ہی میں اس نوجوانی کے عالم میں کالج سے تعلیم حاصل کر کے وہ کام کیا، جو اہلِ مدارسِ دینیہ کو کرنا چاہیے تھا۔

آپ نے انتہائی اہم موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور وہ ہے ''سیرتِ صحابیاتؓ اور مسلم خواتین کی کردار سازی''...... یہ کتاب ان قارئین اور اہلِ دانش کے لیے ایک تاریخی دستاویز ہے جو دورِ حاضر کے الحاد میں اسلام میں خواتین کی تعلیمی دوڑ کے حوالے سے اسلامک لائبریری کے خلا کو پُر کرنا چاہتے ہیں۔

کیونکہ آج کل پروپیگنڈا یہ کیا جا رہا ہے کہ اسلام خواتین کی تعلیم کے خلاف ہے، جبکہ یہ سارا پروپیگنڈا اسلام دشمنوں نے پھیلایا ہوا ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں نہایت عرق ریزی سے:

☆...... بابِ اول میں صحابیاتِ رسولؐ کی تعریف بیان کی ہے اور صحابیت کسے کہتے ہیں اور اسلام میں دعوت وتبلیغ میں دینی تعلیم کی کیا اہمیت ہے، نیز اصحابِ رسولؐ اور صحابیات کے مناقب اور فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ اس باب کے فصل دوم میں دعوت کا مفہوم قرآن اور حدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

☆...... جبکہ باب دوم کی پہلی فصل ہمہ گیر خدماتِ صحابیات پر مشتمل ہے......نیز صحابیات جن میں ازواجِ مطہرات سرِ فہرست ہیں، ان کا اجمالی تعارف اور ان کی خدمات تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔

فصل دوم میں ان کی جہادی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

فصل سوم میں ان کی اخلاقی خدمات پر قلم فرمائی کی گئی ہے۔

کتاب میں پاکستانی مسلم خواتین کا موازنہ کیا گیا ہے اور مثبت تجاویز دی گئی ہیں۔ کہ ہم کس طرح پاکستانی مسلم خواتین کو صحابیات کے کردار کی روشنی میں زیورِ تعلیم سے آراستہ کر کے ایک کامیاب وکامران معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں۔

مصنف نے حوالہ جات کا بھرپور اہتمام کیا ہے۔ اللہ کرے طباعت معیاری ہو۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیزم عبداللہ کی اس علمی کاوش کو اپنے دربار میں قبول فرمائے۔ اور اس کتاب کو مسلم مکتباب میں ایک گراں قدر اضافہ کے طور پر شرفِ قبولیتِ عام سے نوازے۔

مفتی محمد رویس خان ایوبی
28-07-2024

............☆............

کلماتِ تبریک

مفکر اسلام علامہ زاہد الراشدی دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خواتین کی علمی وتبلیغی سرگرمیاں اسلام کی شاندار تاریخ کا اہم ترین باب ہیں۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اُمہات المومنین رضوان اللہ علیہن کو اُمت کی علمی راہ نمائی میں مرکزی مقام حاصل تھا اور نہ صرف قرآن وحدیث کی تشریح وتعبیر میں وہ مراجع کی حیثیت رکھتی تھیں بلکہ فقہ وافتاء کے دائرہ میں بھی ان کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے جس سے اُمت نے ہر دور میں استفادہ کیا ہے اور یہ فیض قیامت تک جاری رہے گا، ایک عام تاثر دنیا میں ایک عرصہ سے پھیلایا جا رہا ہے کہ اسلام نے عورت کو علم اور رائے کا حق نہیں دیا جو سراسر غلط اور بے بنیاد ہے اور بہت سے اہلِ علم نے ہر دور میں اس کے ازالہ کے لیے اُمت کی اہلِ علم وفضل خواتین کے علمی کارناموں اور خدمات سے اُمت کو آگاہ رکھنے کی محنت کی ہے۔

ہمارے فاضل دوست عبداللہ صغیر آسی صاحب کا زیر نظر مقالہ بھی اسی تسلسل کا حصہ ہے جوان کے ذوق کی علامت اور ایک اہم دینی خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبولیت سے نوازیں اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لیے نفع بخش بنائیں۔ آمین یارب العالمین

(مولانا) ابوعمار زاہد الراشدی

شیخ الحدیث والتفسیر جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

تاثراتِ گرامی

معروف سیرت نگار، محقق اہل سنت، حضرت مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی حفظہ اللہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

زمانۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مومنین جن کو صحابہ کرام کے مقدس لقب سے پہچانا جاتا ہے وہ اس قدر اہمیت کے حامل ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کو باقی دنیا کے لوگوں کے لیے مقیاس ومعیار اور نمونۂ عمل قرار دیتے ہوئے فرمایا

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۔۔۔ [البقرہ:۱۳۷]

’’پس اگر دیگر لوگ بھی اسی طرح ایمان لائیں جس طرح آپ لوگ ایمان لائے ہیں تو یقیناً وہ ہدایت پا جائیں گے۔‘‘

یہ بات قابل غور ہے کہ اس آیت میں جہاں صحابہ کرام کو مردوں کے لیے معیار قرار دیا گیا اسی طرح ان کی خواتین کو دنیا کی دیگر خواتین کے لیے معیار ایمان وعمل قرار دیا گیا ہے، یہ وہ خواتین ہیں جنہیں ’’صحابیات‘‘ کہا جاتا ہے، یہ اپنی سابقہ معاشرت کے اعتبار سے بلاشبہ اپنے مردوں کی طرح ’’اُمیین‘‘ میں سے تھیں مگر اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے درسگاہِ نبوت سے فیض پایا تو آنے والی امت کی خواتین کے لیے رہنما و مقتدا بن گئیں۔ قبولِ اسلام سے بعد کی زندگی میں وہ تعلیم وتعلم کے سلسلے سے بھی جڑی ہوئی تھیں، معاشرتی زندگی میں بھی انہوں نے خوب کردار ادا کیا، وہ دعوتِ دین کے سلسلے میں بھی سرگرم عمل رہیں، یہاں تک کہ جہاد کے میدانوں میں بھی ان کی خدمات کتبِ تاریخ و

سیَر کے ریکارڈ پر موجود ہیں، چنانچہ ان کی علمی، دعوتی، معاشرتی، جہادی اور دیگر شعبہ ہائے زندگی میں سرانجام دی جانے والی خدمات کو قیامت تک آنے والی خواتین تک پہنچانا اسی طرح اہم ہیں جس طرح صحابہ کرام کے احوال وواقعات آنے والی نسلوں تک پہنچانا اہم ہیں۔

ہمارے فاضل دوست عبداللہ صغیر حفظہ اللہ قابل صد مبارک باد ہیں کہ انہوں نے خصوصیت کے ساتھ صحابیات رضی اللہ عنہن کی سیرت کے دعوتی پہلو کو اپنا موضوعِ سخن بنایا اور اس پر ایم فل کیلئے شاندار مقالہ لکھا۔ موصوف کا چشم کشا، روح افزاء اور دلربا علمی مقالہ ''سیرتِ صحابیاتؓ اور مسلم خواتین کی کردار سازی'' بحمداللہ اب کتابی صورت میں جلوہ گر ہونے جا رہا ہے، یہ یقیناً علم وتحقیق کی دنیا میں ایک خوبصورت اضافہ ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے دعوت دین کے سلسلہ میں صحابیات کے جذبۂ صادق، ان کے اخلاصِ عمل، ان کی دعوتی خدمات نیز اسلوبِ دعوت کی خصوصیات اور اس کی اہمیت وافادیت اور اثرات ونتائج کا شاندار تجزیہ پیش کیا اور معلم کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض یافتہ خواتین کے مقدس طرزِ عمل کی پیروی میں خواتینِ پاکستان کو دینی دنیاوی، تعلیمی اخلاقی اور معاشرتی کردار کے روشن لائحۂ عمل سے روشناس کرنے کی کوشش کی ہے، یقیناً یہ علم وفن کی ایک شاندار خدمت ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمارے فاضل دوست کو دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین

والسلام

احقر العباد ثناء اللہ سعد شجاع آبادی عفی عنہ

02-08-2024

..........☆..........

دعائیہ کلمات

پروفیسر محمد صغیر آسیؔ

[ریٹائرڈ پرنسپل گورنمنٹ انٹر کالج کلیال، میرپور آزاد کشمیر]

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا کرم وشکر ہے کہ جس نے یہ خوبصورت زندگی عطا فرمائی اور اس پر مزید کہ خالق کائنات نے اپنی کمال مہربانی فرماتے ہوئے اپنے پیارے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام بنایا۔ انہی غلاموں میں ایک نام میرے فرزند ارجمند انجینئر عبداللہ صغیر آسیؔ کا ہے جس نے ''سیرت صحابیات اور مسلم خواتین کی کردار سازی'' کے عنوان سے یہ تحقیقی مقالہ مکمل کیا جو معتبر ومستند کام ہے۔

رب کریم سے دعا ہے کہ یہ اسی طرح اسلام میں گہری دلچسپی لیتا رہے جس سے نہ صرف یونیورسٹی، کالجز کے طلباء وطالبات بلکہ مضافات کے لوگ بھی استفادہ کریں۔

پروفیسر محمد صغیر آسیؔ

..........☆..........

تقریظ وتاثرات

محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر عبدالعلیم حفظہ اللہ
ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز
[یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، سیالکوٹ]

نحمدہٗ ونصلّی ونسلم علی رسولہ الکریم، اما بعد!

صحابیات رضی اللہ عنہن کی خدمات سے متعلق اس کتاب میں عبداللہ صغیر آسی صاحب نے دورِ جدید کی خواتین کے لیے جذبہ عمل کو روشنی دی ہے اور عصر حاضر کی عورت کو دلائل کے ساتھ خوبصورت انداز سے بتا دیا کہ دنیا کی کامیاب ترین صحابیاتؓ نے نامساعد اور مشقت زدہ حالات میں بھی ایسے کارہائے نمایاں انجام دیے کہ ان کا امتیاز اور بلند مقام ومرتبہ رہتی دنیا تک مثالی رہے گا اور تمام خواتین کے لیے بہترین مشعل راہ ہوگا۔

صاحبِ کتاب نے صحابیاتؓ کی ہمہ جہت خدمات کو بیان کرکے آج کی پڑھی لکھی خواتین کو سمجھا دیا ہے کہ اصل کامیابی اور اعلیٰ مقام ومرتبہ کس میدان میں کیسے حاصل ہوسکتا ہے۔ صحابیاتؓ کی خدمات میں جو باتیں نمایاں ہیں انہیں اختصار اور جامعیت سے ایسے پیرائے میں تحریر کیا ہے کہ قاری کی دلچسپی میں کہیں کمی نہ رہتی ہے۔ دینی، دعوتی اور جہادی خدمات کو اگر آج خواتین اپنی ترجیحات میں شامل کرلیں تو مسلمانوں کو یقینا غلبہ حاصل ہوجائے اور انسانیت کو وہی عزت واحترام اور سکون واطمینان مل جائے جو دورِ صحابہؓ وصحابیاتؓ میں تھا۔

صحابیات کی جن نمایاں خوبیوں کا کتاب میں تذکرہ کیا گیا ہے وہ معاشرتی رہنمائی کے لیے مفید ومعاون ہیں جیسے صحابیاتؓ حوصلہ دینے والی خیرخواہی، ایثار وقربانی، خدمت اور علمی رہنمائی دینے والی تھیں یہ سب خوبیاں دورِ حاضر میں بھی دعوت وتربیت کے لیے شاندار ہیں۔

یہ کتاب اس بات کی مصداق ہے کہ اچھی مائیں حسنِ معاشرت کے لیے ضمانت ہیں۔ اللہ تعالیٰ مصنف کی زندگی میں خیر وبرکت دے کہ انہوں نے معاشرے میں عورت کی مسلمہ حیثیت کو پھر سے زندہ اور اس کے مؤثر ترین ہونے کو اُجاگر کیا ہے۔

ڈاکٹر عبدالعلیم عفی عنہ

............☆............

تقریظ وتاثرات

محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر اسجد علی حفظہ اللہ

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامی فکر وتہذیب،
[یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، سیالکوٹ]

اللہ تعالیٰ جو اس کل کائنات کا خالق و مالک ہے اس نے ہر انسان کو بامقصد پیدا کیا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اسے ایک ایسے راستے کا انتخاب کرنا ہوتا ہے جو اسے اپنے خالق سے ملا دے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں اس مقصد کے حصول کے لیے اچھائی اور برائی میں تمیز رکھی ہے لیکن پھر بھی اس کی رہنمائی کے لیے انبیاء ورُسل کا انتظام فرمایا، جنہوں نے انذار وتبشیر کی بنیاد پر لوگوں کو صراطِ مستقیم پر لانے کی کوشش کی۔ اب چونکہ نبوت ورسالت کا یہ سلسلہ ہمارے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر ختم ہو چکا ہے اس لیے ”کنتم خیر امة“ کے تحت اس امت کے تمام اہلِ علم ودانش کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ انسانی رہنمائی کے اس عمل کو جاری رکھیں جس کا آغاز عہدِ رسالتِ مآب ﷺ سے ہی ہو چکا تھا، خود حضور ﷺ نے صحابہ وصحابیاتؓ کی تعلیم وتربیت کے بعد یہ کہہ کر ”ألا لیبلغ الشاهد منکم الغائب“ حکم دیا کہ وہ امت کی اصلاح وبہود کے لیے دعوت وتبلیغ کا بیڑہ اٹھائیں۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کے بعد صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ نے بھی دعوت وتبلیغ کے میدان میں اہم کردار ادا کیا۔

صحابیاتؓ کی اس دعوتی وتربیتی خدمات پر بہت سے علم ودانش نے قلم اٹھایا مگر محترم عبداللہ صغیر آسی جنہوں نے تحقیقی میدان میں ایک نئے انداز سے صحابیاتؓ کے اسلوبِ دعوت وتربیت کی روشنی میں پاکستانی خواتین کی کردار سازی پر میری زیر نگرانی اپنا ایم۔فل کا تحقیقی مقالہ مرتب کیا جو کہ ایک اپنی نوعیت کا منفرد کام ہے۔

اس مقالہ میں صحابیاتؓ کے اخلاق وکردار اور مقام ومرتبہ کو پیش کرنے کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام میں کسی بھی عورت کو اس لیے نظر انداز نہیں کیا جاتا کہ وہ ایک عورت ہے بلکہ ہر وہ عورت جو اسلام کے بتائے ہوئے راستے پر چلتی ہے اس کی عزت وتوقیر کی جاتی ہے اور اس کی سیرت وکردار کو بعد والی خواتین کے لیے مشعلِ راہ سمجھا جاتا ہے۔

لہٰذا ضرورت اس امر کی تھی کہ اس تحقیقی کام کو کتابی شکل میں ڈھال کر امتِ مسلمہ کے تمام لوگوں کے لیے مفید بنایا جائے۔ اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو قبول فرما کر ذریعہ نجات بنائے۔ آمین

ڈاکٹر اسجد علی عفی عنہ

............☆............

اظہارِ تشکر

سب سے پہلے اپنے رحیم وکریم اللہ کا شکر گزار ہوں کہ جس نے مجھے اشرف المخلوقات بنایا، پھر اس مخلوق میں سے اپنے محبوب ترین پیغمبر ﷺ کا اُمتی بنایا، پھر علمِ دین جیسی عظیم دولت سے نوازکر مشنِ رسالت ﷺ کا وارث بنایا اور اپنے فضل سے مجھے اس کتاب کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

اس کے بعد اتنا درود وسلام خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی ذات اقدس پر، جتنی کہ ان کی شان بلند ہے، جنہوں نے کفر وشرک میں بھٹکے ہوئے لوگوں کو قیامت تک کے لئے سیدھے راستے کی طرف راہ نمائی فرمائی۔

اس کے بعد اپنے والدین (پروفیسر محمد صغیر آسی اور پروفیسر صغریٰ صغیر آسی) کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے زندگی کے ہر موڑ پر ہر لحاظ سے میرا ساتھ بھی دیا، میرے لیے دعائیں بھی کیں۔ اسی طرح اپنے استادِ محترم ڈاکٹر اسجد علی صاحب کا عمیقِ قلب سے ممنون ومشکور ہوں جن کی کمال شفقت کی بدولت اس سفر کے تمام کٹھن راستے آسان ہو گئے۔ دیگر اساتذہ کرام اور شیوخ جن میں بالخصوص مفتی اعظم آزاد کشمیر مفتی رویس خان ایوبی صاحب اور ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب (ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز، یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، سیالکوٹ) کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے جزائے خیر کا طالب ہوں، جنہوں نے اس تحقیقی کام میں قدم بقدم شفقت وہمدردی اور خندہ پیشانی سے میری معاونت کی۔

دوست احباب اور خاندان کے وہ لوگ جو اس سارے سفر میں میرے شانہ بشانہ رہے اور جن کی حوصلہ افزائی کے بغیر شاید میں اس کٹھن سفر کا آغاز ہی نہ کرتا، ان میں بالخصوص میرے تایا جان مقصود حسین آسی، حافظ شرجیل حسن، سید ریحان طارق، ندیم احمد راجہ، مدثر احمد بٹ، وسیم اکرم، اہلیہ محترمہ مریم مقصود، ہمشیرہ فاطمہ صغیر آسی اور آمنہ صغیر آسی کی محبتوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے بھی دنیا اور آخرت کی بھلائی کا طالب ہوں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس تحقیقی کام کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، مجھے، میرے والدین، اساتذہ کرام اور میرے دوست واحباب جنہوں نے تحقیقی کام میں میرا ساتھ دیا، سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ آمین!

عبداللہ صغیر آسی

مُقَدِّمَہ

إن الحمد لله تعالى، أحمده وأستعينه وأستغفره، وأعوذ بالله من شرور نفسي، وسيئات أعمالي، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله، أما بعد:

دین اسلام کا اصل مقصد تمام دنیا کو ایک نہج پر لانا تھا، اسی لئے اس نے اپنی تعلیمات، احکام اور قوانین کے ذریعہ سے تمام دنیا کو مساوات کا پیغام سنایا، جس سے مذہب، اخلاق، تمدن اور سیاست کا رخ بدل گیا اور اس میں وہ نئی روح حرکت کرنے لگی جس کے پیدا کرنے کو اسلام اپنا فرض اولین خیال کرتا ہے۔ اسلام سے پہلے دنیا نے جس قدر ترقی کی تھی صرف ایک صنف (مرد) کی اخلاقی اور دماغی قوتوں کا کرشمہ تھا۔ مصر، بابل، ایران، یونان اور ہندوستان مختلف عظیم الشان تمدن کے چمن آراء تھے لیکن ان میں صنف نازک (عورت) کی آبیاری کا کچھ دخل نہ تھا، اسلام آیا تو اس نے دونوں صنفوں (مردوعورت) کی جدوجہد کو وسائل ترقی میں شامل کرلیا، معاشرے کی تکمیل کے لئے دونوں کو لازمی جزو قرار دیا، اس لئے جب اس کے باغ تمدن کی بہار آئی تو ایک نیا رنگ و بو پیدا ہوگیا۔

عورت کی حیثیت مختلف ادیان میں مختلف رہی ہے۔ قبل از اسلام مکہ کے لوگ

عورت کو باعثِ عار سمجھتے تھے، جس گھر میں بیٹی پیدا ہوتی تھی وہ اس کو اپنے لئے شرمندگی تصور کرتا تھا، بچیوں کو زندہ درگور کردیا جاتا تھا، مغربی معاشرے میں آج بھی عورت مرد کے لئے ایک ٹیشو پیپر سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتی، لیکن اسلام کا نقطہ نظر ان سب سے جدا ہے، یہاں عورت کو اسلام جب ایک ماں کے روپ میں پیش کرتا ہے تو اس کے قدموں میں جنت رکھ کر اس کا مقام بلند کردیتا ہے، جب ایک بیوی کے روپ میں اس کی حیثیت متعین کرتا ہے تو اس کی عفت کی حفاظت اور نان ونفقہ کا بہترین بندوبست کرتا ہے، ایک بیٹی کے روپ میں اس کو اللہ کی رحمت قرار دیتا ہے اور اس کی مناسب پرورش اور شادی بیاہ کے لئے والد کو پابند کرتا ہے، ایک بہن کے روپ میں دوسرے تمام باطل نظریات کے برعکس اسلام عورت کو وراثت میں حصہ دار قرار دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام ایک مثالی معاشرے کی تشکیل میں مرد اور عورت دونوں کو برابر کا ذمہ دار قرار دیتا ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔ [آل عمران:۱۱۰]

(مسلمانو) تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لیے بھیجی گئی ہو، تم نیکی کی تلقین کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

قرآن مجید کا خطاب چونکہ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں سے بھی ہے، لہٰذا اس اعتبار سے امت کا ہر فرد داعی الی اللہ ہے، چاہے وہ مرد ہے یا عورت۔ امتِ مسلمہ پر جو ذمہ داری ڈالی گئی ہے اس میں امت کی خواتین اور مرد دونوں شریک ہیں۔ اس لیے یہ سوچنا صحیح نہ ہوگا کہ اس کا بار صرف مردوں کو اٹھانا ہے اور عورتیں اس سے آزاد ہیں۔ اس سے پہلوتہی کرنا اور غفلت برتنا جس طرح مردوں کے لیے درست نہیں اسی طرح خواتین کے لیے بھی صحیح نہیں ہے اور خواتین بھی تبلیغِ احکامِ الٰہی کی ذمہ داری میں مردوں کے ساتھ

برابر کی شریک ہیں۔

جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد مبارک ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔

[التوبہ:۷۱]

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ نیکی کی تلقین کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ اپنی رحمت سے نوازے گا۔ یقیناً اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔

یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلامی جہاں اسلامی شہسواروں کے کارناموں سے بھری پڑی ہے وہیں ایسی پاکیزہ صفت خواتین کے شاندار تذکرے بھی کثرت سے ملتے ہیں۔ اسلام میں عورت کی جو عظمت و منزلت قائم ہوئی وہ دیگر اقوام و مذاہب سے بالکل مختلف ہے، تمام دنیا اپنی قومی تاریخ پر ناز کرتی ہے لیکن اگر اس سے یہ سوال کیا جائے کہ اس کی اس ترقی میں صنفِ نازک کی سعی کا کس قدر حصہ شامل ہے تو اس کے پاس اس سوال کا جواب موجود نہیں ہے۔ بخلاف اس کے اسلام نے جن پردہ نشینوں کو اپنے کنارِ عاطفت میں جگہ دی، انہوں نے دنیا میں بڑے بڑے عظیم الشان کام انجام دیے ہیں، جو تاریخ کے صفحات میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو جو ساتھی (صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ) اور ازواجِ مطہراتؓ (امہات المومنینؓ) عطا فرمائیں، ان پر تاریخِ اسلام آج بھی فخر کرتی ہے۔ ازواجِ مطہراتؓ نے اپنی علمی قابلیت اور فہم و حکمت کے ذریعے

دین اسلام کی جو آبیاری کی، وہ آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ گھریلو اور ازدواجی زندگی کے زیادہ تر مسائل انہی مقدس ہستیوں کے ذریعے ہی امت تک پہنچے۔ دین کے دیگر شعبہ جات میں باقی صحابیاتؓ کی بھی یہی صورتحال تھی، غرض یہ کہ دینِ اسلام کو امت تک من وعن پہنچانے کا سہرا جہاں رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ کے سر ہے، وہیں صحابیاتؓ بھی اس معاملے میں برابر کی شریک ہیں۔

زیرِ نظر کتاب میں انہی مقدس شخصیات کا تعارف، ان کے فضائل و مناقب اور ان کے اسلوبِ دعوت و تربیت کو بیان کیا گیا ہے تاکہ عصرِ حاضر اور بالخصوص پاکستان کی خواتین ان سے استفادہ کر سکیں اور ان اسالیب کی روشنی میں اپنی شخصیت و کردار کی تعمیر کے ساتھ ساتھ بحیثیت داعیہ ایک اسلامی، مثالی اور فلاحی معاشرہ بھی تشکیل دے سکیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ اس کتاب کے نیک ثمرات کو عام فرمائیں اور اس کی برکت سے ہم سب کی بخشش فرمائیں۔ آمین یارب العالمین!

عبداللہ صغیر آسی

صحابیاتؓ کا مختصر تعارف اور فضائل و مناقب

سب سے پہلے ہم لفظ صحابی کی لغوی اور اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہیں:

صحابی کی لغوی تعریف:

صحابی لفظ واحد ہے، اس کی جمع صحابہ ہے۔ مذکر کے لیے صحابی کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے جبکہ مؤنث واحد کے لیے صحابیہ اور جمع کے لیے صحابیات کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

ابن منظور افریقی نے لسان العرب میں صحابی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

صَحِبَہ یَصحَبُہ صُحبۃ۔ بالضم و صحابۃ بالفتح و صاحَبَہ: عاشَرَہُ، والصحب: جمع الصاحب مثل راکبٍ و رکبٍ۔[1]

صحابی عربی زبان کا لفظ ہے، جو صحب-یصحب-صحبۃ-صحابۃ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی "ایک ساتھ زندگی گزارنا" کے آتا ہے۔ اسی طرح "ہم نشینی" اور "ہم مجلسی" کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

ایک اور جگہ ابن منظور صحابی کا معنی "ایک ساتھ زندگی گزارنے والا" بھی بیان کرتے ہیں۔[2]

1۔ ابن منظور الافریقی، ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم، المصری، لسان العرب، دار صادر، بیروت، 01:519

2۔ ابن منظور الافریقی، لسان العرب، 01:429

ایک جگہ پر مولانا وحید الزماںؒ نے اس کی تعریف "ساتھ ہونے یا ساتھ رہنے" کی ہے۔[1]

اسی طرح کسی کو اللہ تعالیٰ کی رفاقت کی دعا دینے کے موقع پر کہا جاتا ہے:

صَحِبک اللہ[2] یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی رفاقت عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا دوست اور رفیق ہو۔

صحابی کی اصطلاحی تعریف

صحابی کے اصل معنی ساتھی، ہم نشین اور رفیق کے ہیں، لیکن یہ اسلام کی ایک مستقل اور اہم اصطلاح ہے، اصطلاحی طور پر صحابی کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جنھوں نے بحالتِ ایمان حضور ﷺ سے ملاقات کی ہو اور ایمان ہی کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے ہوں۔[3]

اسی طرح مولانا خالد سیف اللہ رحمانی "صحابی" کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
"جس نے بحالتِ ایمان آپ ﷺ کو دیکھا ہو اور ایمان ہی پر ان کی موت واقع ہوئی ہو۔"[4]

جمہور علماء کی رائے کے موافق ہر اس مسلمان کو صحابی کہا جائے گا جو ایک گھڑی کیلئے بھی نبی کریم ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہوا ہو، قرآن و حدیث میں جہاں جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ آیا ہے اور اس جماعت کے فضائل بیان کیے گئے ہیں، وہاں تمام صحابہ بالعموم مراد ہیں، یعنی امت کے جمہور علماء کی رائے اور متفقہ فیصلے کی روشنی

1۔ کیرانوی، وحید الزماں قاسمی، مولانا، القاموس الجدید، عربی اردو لغت، باب حرف الصاد، ادارہ اسلامیات، لاہور، ص:384

2۔ ابراہیم مصطفی، احمد حسن زیات، المعجم الوسیط، عربی اردو، مترجم: محمد اویس، عبدالنصیر علوی، مادہ: ص-ح-ب، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور، ص:627

3۔ سعدی ابو حبیب، ڈاکٹر، القاموس الفقہی، باب حرف الصاد، 01:208

4۔ رحمانی، خالد سیف اللہ، مولانا، قاموس الفقہ، باب حرف الصاد، زم زم پبلشرز، اردو بازار، کراچی، 01:285

میں جو کوئی بھی صحابی کی تعریف میں داخل ہوتا ہے، وہ سب مراد ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد کسی بھی شخص کو حالتِ نوم یا بیداری کی حالت میں آپ ﷺ کے جسمِ حقیقی کی زیارت نہیں ہوئی بلکہ جس کو بھی خواب یا بیداری میں زیارت ہوئی ہے اس نے آپ ﷺ کا جسمِ مثالی دیکھا ہے، جسمِ حقیقی نہیں۔ اس لیے صحابیت کا شرف صرف ان خوش نصیبوں کو ہی حاصل ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ ﷺ کی زیارت اور آپ ﷺ سے ملاقات کی ہے یا جن کو آپ ﷺ نے (ان کی حالت ایمان میں) دیکھا ہے۔ یہ مبارک زمانہ بعثت نبوی ﷺ سے شروع ہوتا ہے اور پہلی صدی کے آخر تک ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی وہ مبارک پیشن گوئی بھی پوری ہو جاتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو لوگ آج موجود ہیں، سو سال بعد روئے زمین پر ان میں سے کوئی بھی موجود نہیں ہوگا۔

حدثنا ابو اليمان، قال: اخبرنا شعيب، عن الزهري، قال: حدثني سالم بن عبد الله بن عمر، وابو بكر ابن ابي حثمة، ان عبد الله بن عمر قال: صلى النبي صلى الله عليه وسلم صلاة العشاء في آخر حياته، فلما سلم قام النبي صلى الله عليه وسلم فقال: "ارأيتكم ليلتكم هذه فإن راس مائة لا يبقى ممن هو اليوم على ظهر الارض احد، فوهل الناس في مقالة رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى ما يتحدثون من هذه الاحاديث عن مائة سنة، وإنما قال النبي صلى الله عليه وسلم: لا يبقى ممن هو اليوم على ظهر الارض، يريد بذلك انها تخرم ذلك القرن۔"

"ہم سے ابوالیمان حکم بن نافع نے بیان کیا انہوں نے کہا کہ ہمیں شعیب بن ابی حمزہ نے زہری سے خبر دی، کہا کہ مجھ سے سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ابوبکر بن ابی حثمہ نے حدیث بیان کی کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی اپنی زندگی کے آخری زمانے میں۔ سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اس رات کے متعلق تمہیں کچھ معلوم ہے؟ آج اس روئے زمین پر جتنے انسان زندہ ہیں سو سال بعد ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔ لوگوں نے نبی کریم ﷺ کا کلام سمجھنے میں غلطی کی اور مختلف باتیں کرنے لگے۔ (ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ سو برس بعد قیامت آئے گی)، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد صرف یہ تھا کہ جو لوگ آج اس گفتگو کے وقت زمین پر بستے ہیں ان میں سے کوئی بھی آج سے ایک صدی بعد باقی نہیں رہے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ سو برس میں یہ قرن گزر جائے گا۔

اصحاب رسول ﷺ (صحابہؓ اور صحابیاتؓ) کے مناقب وفضائل

جس طرح انبیاء علیہم السلام کے درجات اور مراتب میں فرق ہے اور مسلمانوں میں اعمال اور صفات کے لحاظ سے فرق ہے، اسی طرح صحابہؓ میں درجات کے لحاظ سے فرق ہے، چنانچہ چار خلفاء راشدینؓ کا رتبہ دیگر صحابہؓ سے بلند ہے۔ عشرہ مبشرہ (وہ دس صحابہ جن کو اللہ کے نبی کریم ﷺ نے ایک نشست میں جنت کی خوشخبری دی ہے) کا مرتبہ ان کے علاوہ سے بڑھا ہوا ہے، جن صحابہؓ نے حبشہ اور مدینہ منورہ دونوں ہجرتیں کی تھیں، ان کو قرآن کریم میں سابقین اولین کہا گیا ہے، اور شعبیؒ کی رائے کے مطابق: سابقین اولین وہ صحابہؓ ہیں جو بیعتِ رضوان میں شریک تھے۔ اسی طرح جو صحابہؓ جنگِ بدر میں شریک تھے، ان کے خصوصی فضائل احادیث میں وارد ہیں کہ اہلِ بدر کیلئے جنت واجب ہو چکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کی مغفرت فرما دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابیات کی فضیلت کو بھی جگہ جگہ بیان فرمایا ہے بلکہ قرآن کریم نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو اُمہاتُ المومنین کا لقب دیا ہے۔ جیسا کہ سورہ احزاب میں فرمایا:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ۔[1]

"ایمان والوں کے لیے یہ نبی ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب تر ہیں، اوران کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔"

صلح حدیبیہ میں شریک ہونے والے صحابہ کرام کو نبی کریم ﷺ نے جہنم سے خلاصی کی بشارت سنائی، جن کی تعداد چودہ سو تھی، ان سب کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: آج تم لوگ ساری زمین والوں میں سب سے بہتر ہو۔ اور جن صحابہؓ نے فتحِ مکہ سے پہلے اللہ کے راستے میں خرچ کیا اور آپ ﷺ کی طرف سے قتال کیا، ان کا درجہ ان صحابہؓ سے بہت برتر وبالا ہے جو فتحِ مکہ کے بعد اسلام لائے۔

قرآن کریم کی روشنی میں مقام صحابہؓ وصحابیاتؓ

صحابہ کرامؓ (مردوخواتین) کے مقام اوران کی حیثیت کو خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ صحابہ کرامؓ اللہ کی منتخب کردہ ایک جماعت ہیں، ان کی صفات کا تذکرہ گزشتہ نبیوں کی کتابوں میں بھی بیان کیا گیا ہے، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں، اللہ نے صحابہ کرامؓ کو جنت کی خوشخبری بھی سنادی۔ انہی صحابہ کرامؓ میں سے جن لوگوں نے ہجرت کی، ان میں مرد اور خواتین دونوں شامل تھیں، قرآن کریم نے ان کو اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ دیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔[2]

"اور وہ مہاجرین اور انصار جنہوں نے سب سے پہلے ایمان کی دعوت کو قبول کرنے میں سبقت کی اور وہ جنہوں نے اخلاص کے ساتھ مہاجرین اور انصار

1۔ الاحزاب، 33:06

2۔ التوبہ، 09:100

کا اتباع کیا اللہ تعالیٰ ان سب (صحابہؓ اور صحابیاتؓ) سے راضی ہوا اور وہ سب (صحابہؓ اور صحابیاتؓ) اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے اور خدا نے ان (صحابہؓ اور صحابیاتؓ) کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان انعامات کا حصول بڑی کامیابی ہے"۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور ہجرت میں پہل کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہو چکے ہیں اور ان سے جنت اور بڑی کامیابی کا وعدہ کر لیا ہے۔ اس حوالے سے امام ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ:

"ہم کو اس میں شک نہیں ہے کہ صحابہ کرامؓ کی بیویوں میں مہاجرات اولات فضیلت میں صحابہؓ کی شریک ہیں۔ ان میں کسی عورت کو کسی عورت پر اور کسی مرد کو کسی مرد پر فضیلت حاصل ہے۔ عورتوں میں بعض عورتیں بہت سے مردوں پر فضیلت رکھتی ہیں اور اسی طرح مردوں میں بعض مرد بہت سی عورتوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فضیلت کا کوئی درجہ ایسا نہیں بیان کیا جس میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو نہ شامل کیا ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ: (بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں الخ......الاحزاب:۳۵)"[1]

اسی طرح یہی وہ جماعت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے لئے چن لیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی مدد ونصرت کے لئے ان کو منتخب کر لیا ہے۔ جیسا کہ سورہ نمل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۔[2]

"(اے پیغمبر) کہو: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور سلام ہو اس کے ان

1۔ ابن حزم ظاہری، الملل والنحل، 04:126

2۔ النمل، 27:59

بندوں پر جن کو اس نے منتخب فرمایا ہے، بتاؤ کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جن کو ان لوگوں نے اللہ کی خدائی میں شریک بنا رکھا ہے؟''

جمہور مفسرین کا قول ہے کہ اس آیت میں منتخب بندوں سے مراد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب (صحابہؓ اور صحابیاتؓ) ہیں۔

پھر سورۃ فاطر میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ یہی چنے ہوئے لوگ ہی دراصل کتاب اللہ کے وارث ہیں۔ ارشاد فرمایا:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۔[1]

''پھر ہم نے اس کتاب کا وارث اپنے بندوں میں سے ان کو بنایا جنہیں ہم نے چن لیا تھا۔''

بلاشبہ وہ پاکیزہ جماعت حضرات صحابہ کرام (صحابہؓ اور صحابیاتؓ) کی ہی تھی جس کو اللہ نے سب سے پہلے اس کتاب کے وارثین کے طور پر چنا، کیونکہ صحابیاتؓ نے بھی صحابہ کرامؓ کے شانہ بشانہ دعوت دین میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔

اسی طرح سورہ فتح میں ان لوگوں کی تعریف بھی کی اور ان کی نشانیاں بھی بیان کیں، ارشاد مبارک ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۔[2]

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ

1۔ الفاطر،35:32

2۔ الفتح،48:29

کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں (اور) آپس میں ایک دوسرے کے لئے رحم دل ہیں۔ تم انہیں (صحابہؓ اور صحابیاتؓ) دیکھو گے کہ کبھی رکوع میں ہیں کبھی سجدے میں (غرض) اللہ کے فضل اور خوشنودی کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ ان (صحابہؓ اور صحابیاتؓ) کی علامتیں سجدے کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ یہ ہیں ان (صحابہؓ اور صحابیاتؓ) کے اوصاف جو تورات میں مذکور ہیں۔ اور انجیل میں ان (صحابہؓ اور صحابیاتؓ) کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک کھیتی ہو جس نے اپنی کونپل نکالی پھر اس کو مضبوط کیا پھر وہ موٹی ہوگئی پھر اپنے تنے پر اس طرح سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کاشتکار اس سے خوش ہوتے ہیں، تاکہ اللہ ان (کی اس ترقی) سے کافروں کے دل جلائے۔ یہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں اللہ نے ان سے مغفرت اور زبردست ثواب کا وعدہ کر لیا ہے۔

یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے چہروں سے ان کے ایمان کی گواہی مل رہی ہے اور یہی اہل بہشت ہیں۔ نا صرف یہ کہ ان کا ذکر قرآن میں ہے بلکہ گزشتہ کتب میں بھی ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ ملتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیات سے واضح ہوتا ہے۔

پھر سورۃ حجرات میں صحابہ کرامؓ کی شان اس انداز میں بیان کی گئی کہ ان کی دلی کیفیت تک کو بیان کر دیا گیا کہ اللہ نے ان کے دل میں کفر، فسق اور نافرمانی سے نفرت پیدا کر دی ہے اور ایمان کو ان کے لئے محبوب بنا دیا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۔[1]

''اور یہ بات خوب جان رکھو کہ تم میں اللہ کا رسول موجود ہے بہت سی باتیں

1۔ الحجرات،49:07

ہوتی ہیں کہ اگر وہ رسول ان میں تمہاری رائے پر عمل کرنے لگے تو تم بڑی مشقت میں پڑ جاؤ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے (صحابہؓ اور صحابیاتؓ) لیے ایمان کو محبوب بنا دیا اور ایمان کو تمہارے دلوں میں خوش نما اور مستحسن کر دیا اور کفر اور فسق سے اور نافرمانی سے تم کو نفرت دے دی، یہی لوگ سیدھی راہ پر چلنے والے ہیں۔''

سورہ مجادلہ میں صحابہ کرامؓ (صحابہؓ اور صحابیاتؓ) کے اوصافِ حمیدہ ان الفاظ میں بیان ہوئے ہیں کہ یہ لوگ اس قدر اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں کہ ان کے دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں کی ذرہ برابر بھی محبت نہیں آسکتی، خواہ وہ دشمنانِ دین ان کے اپنے قریبی اور خونی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، ایسی بیشمار روایات اور واقعات ہمیں ملتے ہیں کہ صحابہؓ نے اپنے سگے اور خونی رشتہ داروں کو صرف اس لئے قتل کر دیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے گستاخ تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ [1]

''اے پیغمبر! آپ ان لوگوں (صحابہؓ اور صحابیاتؓ) کو جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں سے محبت کرتے ہوئے نہ دیکھیں گے جو اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف ہیں خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے عزیز و اقارب ہوں، یہ لوگ وہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو ثبت کر دیا ہے اور اپنے غیبی فیضان سے

1۔ المجادلہ، 58:22

ان کی مدد فرمائی ہے اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے یہ جماعت اللہ کا گروہ ہے، خوب سن لو اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔''

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیت مبارکہ کے یہ الفاظ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ) اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ ان سب (صحابہؓ اور صحابیاتؓ) سے راضی ہو گیا اور وہ (صحابہؓ اور صحابیاتؓ) اللہ سے راضی ہو گئے۔ یہ عظیم انعام اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کے جانثار صحابہؓ اور صحابیاتؓ پر فرمایا ہے۔ بلاشبہ وہ جماعت اسی انعام کی مستحق تھی کہ جس نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اپنے تن من دھن کی بازی لگا دی اور صحابیاتؓ نے کمال صبر و ہمت کا پیکر بن کر نا صرف یہ کہ اپنے بیٹے، خاوند، شوہر اور باپ کو میدان میں اتار دیا بلکہ تاریخ بذاتِ خود ان صحابیات کی قربانیوں سے بھی بھری پڑی ہے۔ یہاں جس جس مقام پر صحابی کی تعریف بیان کی گئی ہے وہاں مراد مرد اور خواتین ہیں یعنی دونوں اس تعریف میں داخل ہیں۔ یہ درست ہے کہ بعض مقامات پر تخصیص صرف مردوں سے ساتھ ہے اور بعض مقامات پر بالخصوص خواتین مراد ہیں لیکن عمومی طور پر جب بھی قرآن میں ایمان والوں کو مخاطب کیا جاتا ہے تو مراد مرد اور خواتین دونوں ہیں، جن کے سب سے پہلے مصداق صحابہؓ اور صحابیاتؓ ہیں۔

احادیث مبارکہ میں مقامِ صحابہؓ

احادیثِ مبارکہ میں صحابہ کرامؓ کی شان کچھ اس طرح سے بیان ہوئی ہے کہ کہیں تو بالخصوص آپ ﷺ نے نام لے لے کر صحابہ کرامؓ کو جنتی قرار دیا تو کہیں عمومی طور پر تمام صحابہ کرامؓ (مرد اور خواتین) کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث مبارکہ میں فرمایا:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ: "أَبُو بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ، وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ، وَعُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ، وَعَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ، وَطَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ وَالزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ، وَسَعْدٌ فِي الْجَنَّةِ، وَسَعِيدٌ فِي الْجَنَّةِ، وَأَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ"۔[1]

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر جنتی ہیں، عمر جنتی ہیں، عثمان جنتی ہیں، علی جنتی ہیں، طلحہ جنتی ہیں، زبیر جنتی ہیں، عبدالرحمن بن عوف جنتی ہیں، سعد بن ابی وقاص جنتی ہیں، سعید بن زید جنتی ہیں، اور ابوعبیدہ بن الجراح جنتی ہیں۔

مندرجہ بالا روایت میں نام لے کر عشرہ مبشرہ کو جنت کی بشارت سنائی گئی۔اسی جیسی ایک اور حدیث مبارکہ میں فرمایا:

أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي أَبُو بَكْرٍ وَأَشَدُّهُمْ فِي أَمْرِ اللَّهِ عُمَرُ وَأَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ وَأَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَأَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَأَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينًا وَإِنَّ أَمِينَ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ۔[2]

"حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے زیادہ میری امت پر رحم کرنے والے ابوبکر ہیں اور اللہ کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخت عمر ہیں اور سب سے زیادہ سچی حیا والے عثمان ہیں اور اللہ کی کتاب کے سب سے بڑے قاری ابی بن کعب ہیں اور فرائض (میراث) کے سب سے بڑے جانکار زید بن ثابت ہیں اور حلال

1۔ ترمذی، سنن، ابواب المناقب عن رسول اللہ ﷺ، باب مناقب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث: 3747

2۔ ترمذی، بَابُ مَنَاقِبِ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، وَأُبَيٍّ، وَأَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث: 3791

وحرام کے سب سے بڑے عالم معاذ بن جبل ہیں اور سنو ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح ہیں (رضی اللہ عنہم اجمعین)۔

اسی طرح بعض مقامات پر رسول اللہ ﷺ نے انصار کی اہمیت کو ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "آيَةُ الْإِيمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ، وَآيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ"۔[1]

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ایمان کی نشانی انصار سے محبت کرنا اور منافقت کی نشانی انصار سے بغض رکھنا ہے۔"

اسی طرح بعض روایات میں موضوعِ رسالت ﷺ بالخصوص خواتین رہیں۔ جیسا کہ قریش کی خواتین کے بارے میں فرمایا:

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَعَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الْإِبِلَ- قَالَ أَحَدُهُمَا: صَالِحُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ، وَقَالَ الْآخَرُ: نِسَاءُ قُرَيْشٍ- أَحْنَاهُ عَلَى يَتِيمٍ فِي صِغَرِهِ، وَأَرْعَاهُ عَلَى زَوْجٍ فِي ذَاتِ يَدِهِ"۔[2]

"ابن ابوعمر نے کہا: ہمیں سفیان بن عیینہ نے ابوزناد سے حدیث بیان کی، انھوں نے اعرج سے، انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی اور ابن

1۔ بخاری، جامع الصحیح، کتاب المناقب الانصار، باب حب الانصار، رقم الحدیث: 3784

2۔ مسلم، جامع الصحیح، باب من فضائل نساء قریش، رقم الحدیث: 6456

طاؤس نے اپنے والد سے اور انھوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی، کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان عورتوں میں سے بہترین جو اونٹوں پر سوار ہوتی ہیں۔ ان دونوں (اعرج اور طاؤس) میں سے ایک نے کہا: قریش کی نیک عورتیں ہیں اور دوسرے نے کہا: قریش کی عورتیں ہیں۔ جو یتیم بچے کی کم عمری میں اس پر سب سے زیادہ مہربان ہوتی ہیں اور اپنے شوہر کے مال کی سب سے زیادہ حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔''

کہیں پر آپ ﷺ نے بالعموم صحابہ کرامؓ کی شان بیان کرتے ہوئے اُن کو امت کے لئے امان قرار دیا اور فرمایا کہ جب تک صحابہ کرامؓ کا وجود باقی رہے گا، امت مامون رہے گی، جیسا کہ فرمایا:

عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: صَلَّيْنَا الْمَغْرِبَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قُلْنَا: لَوْ جَلَسْنَا حَتَّى نُصَلِّيَ مَعَهُ الْعِشَاءَ قَالَ فَجَلَسْنَا، فَخَرَجَ عَلَيْنَا، فَقَالَ: "مَا زِلْتُمْ هَاهُنَا؟" قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّيْنَا مَعَكَ الْمَغْرِبَ، ثُمَّ قُلْنَا: نَجْلِسُ حَتَّى نُصَلِّيَ مَعَكَ الْعِشَاءَ، قَالَ "أَحْسَنْتُمْ أَوْ أَصَبْتُمْ" قَالَ فَرَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ، وَكَانَ كَثِيرًا مِمَّا يَرْفَعُ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ، فَقَالَ: "النُّجُومُ أَمَنَةٌ لِلسَّمَاءِ، فَإِذَا ذَهَبَتِ النُّجُومُ أَتَى السَّمَاءَ مَا تُوعَدُ، وَأَنَا أَمَنَةٌ لِأَصْحَابِي، فَإِذَا ذَهَبْتُ أَتَى أَصْحَابِي مَا يُوعَدُونَ، وَأَصْحَابِي أَمَنَةٌ لِأُمَّتِي، فَإِذَا ذَهَبَ أَصْحَابِي أَتَى أُمَّتِي مَا يُوعَدُونَ". [1]

حضرت ابو بردہؓ نے اپنے والد (ابو موسیٰ اشعریؓ) سے روایت کی، کہا: ہم نے مغرب کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی، پھر ہم نے کہا کہ اگر ہم بیٹھے

1۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب فضائل الصحابہ، باب بیان ان بقاء النبی ﷺ امان لاصحابہ و بقاء اصحابہ امان للامۃ، رقم الحدیث: 2531

رہیں یہاں تک کہ عشاء آپ ﷺ کے ساتھ پڑھیں تو بہتر ہوگا۔ پھر ہم بیٹھے رہے اور آپ ﷺ باہر تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم یہیں بیٹھے رہے ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! ہم نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز مغرب پڑھی، پھر ہم نے کہا کہ اگر ہم بیٹھے رہیں یہاں تک کہ عشاء کی نماز بھی آپ ﷺ کے ساتھ پڑھیں تو بہتر ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اچھا کیا (یا فرمایا:) تم نے صحیح کیا۔ پھر آپ ﷺ نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور آپ ﷺ اکثر اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا کرتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ستارے آسمان کے لئے امان (اور سلامتی کی امانت) ہیں اور جب ستارے ختم ہو جائیں گے تو آسمان پر (پھٹنے اور ٹکڑے ہونے کا) وہ مرحلہ آ جائے گا جس کی اسے خبر دی گئی ہے۔ اور میں اپنے صحابہؓ کے لئے امان ہوں۔ جب میں چلا جاؤں گا تو میرے اصحاب پر وہ (فتنے) آ جائیں گے جن سے ان کو ڈرایا گیا ہے اور میرے صحابہ میری امت کے لئے امان ہیں۔ جب وہ چلیں جائیں گے تو میری امت پر وہ (فتنے) آ جائیں گے جن سے اس کو ڈرایا گیا ہے''۔

آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ اس قدر بلند کیا یہاں تک کہ صحابہ کرامؓ کو برا بھلا کہنے سے بھی منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ کوئی بھی شخص تا قیامت صحابہ کرامؓ کے عمل سے زیادہ عمل نہیں کر سکتا۔ ارشاد فرمایا کہ:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ، ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ، وَلَا نَصِيفَهُ". [1]

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میرے اصحاب کو برا نہ کہو تم میں سے اگر کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا

1۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب فضائل الصحابہ، باب قول النبی ﷺ ''لو کنت متخذا خلیلاً''، رقم الحدیث: 3673

اللہ کے راستے میں خرچ کر ڈالے تو ان کے ایک مُد غلہ کی برابری بھی نہیں کر سکتا اور نہ ان کے آدھے مد کی''۔

یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرامؓ خود بھی ایک دوسرے کے ساتھ بے انتہا محبت کرتے تھے اور اس محبت کو اپنی نجات کا ذریعہ بھی سمجھتے تھے، اگر کبھی بشرطِ انسان صحابہ کرامؓ آپس میں کسی بات پر باہم اختلاف کر بھی لیتے تو بھی ایک دوسرے کا احترام ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھتے، جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث مبارکہ میں بیان ہوا:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ السَّاعَةِ، فَقَالَ: مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ: "وَمَا ذَا أَعْدَدْتَ لَهَا؟" قَالَ: لَا شَيْءَ، إِلَّا أَنِّي أُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ" قَالَ أَنَسٌ: فَمَا فَرِحْنَا بِشَيْءٍ، فَرَحَنَا بِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ" قَالَ أَنَسٌ: "فَأَنَا أُحِبُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ مَعَهُمْ بِحُبِّي إِيَّاهُمْ، وَإِنْ لَمْ أَعْمَلْ بِمِثْلِ أَعْمَالِهِمْ"[1].

''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے نبی ﷺ سے قیامت کے متعلق پوچھا کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا اور تم نے قیامت کے لئے تیاری کیا کی ہے؟ انہوں نے عرض کی کچھ بھی نہیں سوا اس کے کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تمہارا حشر بھی انہی کے ساتھ ہوگا جن سے تمہیں محبت ہے۔ حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ ہمیں کبھی اتنی خوشی کسی بات سے بھی نہیں ہوئی ہو گی جتنی آپ ﷺ کے اس ارشاد سے ہوئی کہ ''تمہارا حشر انہی کے ساتھ ہوگا جن سے تمہیں محبت ہے''۔ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ میں بھی رسول اللہ ﷺ

1۔ بخاری، باب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث: 3688

اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت رکھتا ہوں اور ان سے اپنی محبت کی وجہ سے امید رکھتا ہوں کہ میرا حشر انہی حضرات کے ساتھ ہوگا۔ اگرچہ میرے عمل ان کے جیسے نہیں ہیں''۔

صحابہ کرامؓ کے ساتھ ساتھ صحابیاتؓ بھی حُبِّ رسول ﷺ سے سرشار تھیں اور اس وصف کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کا خاص قرب بعض صحابیاتؓ کو بھی حاصل ہوا، جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ازواج مطہراتؓ کے سوا بجز اُمِ سلیم (حضرت انسؓ کی والدہ) کے کسی عورت کے پاس تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ آپ ﷺ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''مجھے ان پر رحم آتا ہے کیونکہ ان کے بھائی میرے ساتھ شہید ہوئے تھے''۔[1] آپ ﷺ جب انؓ کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ آپ ﷺ کی بہت خدمت کیا کرتی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء راشدینؓ نے بھی صحابیاتؓ کی خدمت گزاری کا سلسلہ قائم رکھا۔ چنانچہ مسلم شریف کی ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت اُمِ ایمنؓ کی ملاقات کو تشریف لے جایا کرتے تھے، آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ چلو چلیں جس طرح رسول اللہ ﷺ ان کی ملاقات کو جایا کرتے تھے، اسی طرح ہم بھی ان کی ملاقات کر آئیں۔ چنانچہ جب ان کے پاس پہنچے تو وہ رو پڑیں۔ ان لوگوں نے پوچھا کہ کیوں روتی ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو درجہ ہے وہ بہت بہتر ہے۔ بولیں کہ میں اس لئے نہیں روتیں کہ میں اس سے ناواقف ہوں بلکہ میں اس لئے روتی ہوں کہ وحی کا آسمانی سلسلہ ٹوٹ گیا۔ یہ سن کر یہ دونوں بزرگ بھی رو پڑے۔[2]

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو عزت و احترام کی وجہ سے امہات المومنینؓ پر اپنی

1۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب فضائل الصحابہ، باب من فضائل اُم انس ابن مالک رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث: 6319
2۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب فضائل الصحابہ، باب من فضائل اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا، رقم الحدیث: 6318

جائیدادیں وقف کر دیتے تھے، جیسا کہ ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے اُن کے لئے ایک باغ کی وصیت کی تھی، جو چار ہزار پر فروخت کیا گیا۔[1] حضرت عمرؓ نے تو اپنے زمانہ خلافت میں ازواجِ مطہراتؓ کی تعداد کے اعتبار سے نو پیالے تیار کروائے تھے۔ جب بھی کبھی ان کے پاس کوئی میوہ یا کھانے کی کوئی بھی عمدہ چیز آتی تو ان پیالوں میں ڈال کر ازواجِ مطہراتؓ کی خدمت میں بھیج دیتے تھے۔[2] عام لوگ ازواجِ مطہراتؓ سے جس قدر عقیدت کرتے تھے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں لاتے تھے اور آپؓ ان بچوں کے لئے دعائے برکت فرماتی تھیں۔[3]

سلف صالحین کے نزدیک مقامِ صحابہؓ

ذیل میں سلف صالحین کے چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں جن سے ہمیں سلف کے نزدیک مقام صحابہؓ بخوبی سمجھ میں آجاتا ہے۔

- امام ابو حنیفہؒ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو خلافت راشدہ کی ترتیب کے مطابق تمام صحابہ میں افضل قرار دیتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرماتے تھے کہ کسی صحابی کا حضور ﷺ کے ساتھ ایک لمحہ گزار لینا ہماری ساری عمر کے اعمال سے افضل ہے۔[4]
- علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کے ابتدائی زمانے میں ایک دن ابو جہل نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کسی بات پر طمانچہ رسید کیا، کمسن سیدہ روتی ہوئی آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا بیٹی جاؤ

1۔ ترمذی، سنن، کتاب المناقب حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث: 3749
2۔ امام مالک، موطا، کتاب الزکوۃ، باب حرمۃ اہل الکتاب والمجوس، مؤسسہ زاید، رقم: 970
3۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، ادب المفرد، باب الطیرۃ من الجن، دار البشائر، رقم: 912
4۔ عثمانی، محمود اشرف، مفتی، ملفوظات امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، ص: 24، 25

اور ابوسفیان کو ابو جہل کی اس حرکت سے آگاہ کرو، وہ ابوسفیانؓ کے پاس گئیں اور ان سے سارا واقعہ سنایا۔ ابوسفیان نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی انگلی پکڑی اور سیدھے وہاں پہنچے جہاں ابو جہل بیٹھا ہوا تھا، انہوں نے سیدہؓ سے کہا بیٹی جس طرح اس نے تمہارے منہ پر تھپڑ مارا تھا تم بھی اس کے منہ پر تھپڑ مارو، اگر یہ کچھ بولے گا تو میں اس سے نمٹ لوں گا، چنانچہ سیدہؓ نے ابو جہل کو تھپڑ مارا اور پھر گھر جا کر آنحضرت ﷺ کو یہ واقعہ سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! ابوسفیان کے اس سلوک کو نہ بھولنا''۔[1] حضور ﷺ کی اسی دعا کا نتیجہ تھا کہ چند سال بعد ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام کے زیور سے آراستہ ہوئے اور خلعت اسلام زیب تن کیا۔

- امام مالکؒ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا جو صحابہ کرامؓ کی تنقیص کرتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا اصل مقصد رسول ﷺ کی تنقیص ہے مگر اس کی جرأت نہ ہوئی تو آپ ﷺ کے صحابہؓ کی برائی کرنے لگے تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ معاذ اللہ خود رسول ﷺ برے آدمی تھے اگر وہ اچھے ہوتے تو ان کے صحابہؓ بھی صالحین ہوتے۔[2]
- امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ تم جس شخص کو کسی صحابی کا برائی کے ساتھ ذکر کرتے دیکھو تو اس کے اسلام و ایمان کو متہم و مشکوک سمجھو۔[3]
- ابراہیم بن میسرہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو کبھی نہیں دیکھا کہ کسی کو خود مارا ہو مگر ایک شخص جس نے حضرت معاویہؓ پر سب وشتم کی، اس کو انہوں نے خود کوڑے لگائے۔[4]

1۔ علی بن برہان الدین حلبی، سیرت حلبیہ، سیرۃ فاطمۃ الزہرا، ص: 67
2۔ عثمانی، محمد شفیع، مفتی، مقام صحابہ، ص: 117
3۔ عثمانی، محمد شفیع، مفتی، مقام صحابہ، ص: 118
4۔ ایضاً، ص: 118

- شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: اہل سنت کے اصولِ عقائد میں یہ بات بھی داخل ہے کہ وہ اپنے دلوں اور زبانوں کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے معاملے میں صاف رکھتے ہیں،[1] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا:

وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔[2]

’’اور (ان کے لئے بھی) جو اُن (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما۔ اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے‘‘۔

- حضرت بشر حافیؒ فرماتے ہیں: میرے نزدیک میرا سب سے پختہ عمل محمد ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت ہے۔[3]
- امام طحاوی حنفیؒ فرماتے ہیں: ہم اصحاب رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے محبت رکھتے ہیں اور ہم ان میں سے کسی کی محبت میں غلو نہیں کرتے اور نہ ہی ان میں سے کسی سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ ہم اس سے بغض رکھتے ہیں جو صحابہ رضوان اللہ علیہم سے بغض رکھتا ہے اور خیر کے علاوہ کسی اور انداز سے ان کا تذکرہ کرتا ہے۔ ہم صحابہؓ کا تذکرہ خیر کے ساتھ ہی کرتے ہیں۔ صحابہؓ کی محبت دین، ایمان اور احسان کی علامت ہے اور ان سے بغض کفر، نفاق اور سرکشی ہے۔[4]

1۔ العثیمین، شیخ محمد بن صالح، شرح عقیدہ واسطیہ، ص:403

2۔ الحشر، 59:10

3۔ الاصفھانی، ابونعیم، حلیۃ الاولیائ، 08:338

4۔ الطحاوی، ابوجعفر، عقیدہ طحاویہ، ص:93

- حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا گیا کہ کچھ لوگ حضرت معاویہؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو برا بھلا کہتے ہیں اور ان پر لعنت کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا: ان لعنت کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہو۔[1]
- امام یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں: حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ یا نبی ﷺ کے کسی بھی صحابی کو ہدف تنقید ٹھہرانے والا دجال ہے، اس کی روایت نہیں لکھی جائے گی، اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔[2]

اسی طرح جہاں قرآن وحدیث اور اقوالِ سلف میں صحابہ کرامؓ کے قصیدے ملتے ہیں، وہیں ان صحابہ کرامؓ کے شانہ بشانہ صحابیاتؓ کے تذکرے بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔ دیکھا جائے تو عام طور پر عورتیں قدیم رسم ورواج اور قدیم عقائد کی نہایت پابند ہوتی ہیں لیکن صحابیاتؓ نے اسلام لانے کے ساتھ ہی ان عقائد کا انکار کر دیا اور نا صرف یہ کہ اسلام کو قبول کیا بلکہ اس راستے پر آنے والی مشکلات جیسا کہ ابتدائے اسلام میں اسلام قبول کرنے سے زیادہ مشکل کام اس کا اظہار کرنا تھا، لیکن باوجود اس کے کہ کفار لوگوں کو مسلمان ہونے سے روکنے کے لئے اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔

صحابہ کرامؓ کے شانہ بشانہ صحابیاتؓ نے بھی نہایت جرأت اور دلیری سے اس راستے میں آنے والی مشکلات کو خندہ پیشانی اور استقامت سے برداشت کیا، یہاں تک کہ ابتداء اسلام میں جن سات لوگوں نے اسلام کی دعوت پر لبیک کہا ان میں ایک صحابیہ سیدنا عمارؓ کی والدہ سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔[3]

خلاصۂ کلام

خلاصہ یہ کہ جمہور علماء کی رائے کے مطابق ہر اس مسلمان کو صحابی کہا جائے گا جو

1۔ ابن عساکر، علی بن ابی محمد، تاریخ دمشق، 59:206

2۔ الدوری، ابوالفضل، تاریخ یحییٰ بن معین بروایۃ العباس الدوری، 03:546

3۔ الدیار بکری، قاضی حسین، تاریخ الخمیس، ص:257

ایک گھڑی کیلئے بھی نبی کریم ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہوا ہو اور پھر اس کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوا ہو۔ امت کے جمہور علماء کی رائے اور متفقہ فیصلے کی روشنی میں صحابیت کا شرف صرف ان خوش نصیبوں کو ہی حاصل ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ ﷺ سے ملاقات کی ہے یا جن کو آپ ﷺ نے (اُن کی حالت ایمان میں) دیکھا ہو (یعنی کوئی نابینا ہو یا چھوٹی عمر کا ہو) اور پھر ان کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوا ہو۔ صحابہ کرامؓ (مرد و خواتین) کے مقام اور ان کی حیثیت کو خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ صحابہ کرامؓ اللہ کی منتخب کردہ ایک جماعت ہیں، ان کی صفات کا تذکرہ گزشتہ نبیوں کی کتابوں میں بھی بیان کیا گیا ہے، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں، اللہ نے صحابہ کرامؓ کو جنت کی خوشخبری بھی سنادی۔

انہی صحابہ کرامؓ میں سے جن لوگوں نے ہجرت کی، ان میں مرد اور خواتین دونوں شامل تھیں، قرآن کریم نے ان کو اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ دیا ہے۔ بلاشبہ وہ پاکیزہ جماعت حضرات صحابہ کرامؓ (صحابہؓ اور صحابیاتؓ) کی ہی تھی جس کو اللہ نے سب سے پہلے اس کتاب کے وارثین کے طور پر چنا۔ کیونکہ صحابیاتؓ نے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شانہ بشانہ دعوتِ دین میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا، اس لئے وہ بھی اس اجر میں صحابہؓ کے ساتھ برابر کی شریک ہیں۔

دعوت کا معنیٰ و مفہوم

اور قرآن وحدیث سے اس کی اہمیت

لفظ صحابی کی تعریف، ان کے فضائل و مناقب ہم نے بیان کر دیئے ہیں، اب ہم دعوت کا معنیٰ و مفہوم بھی بیان کر دیتے ہیں تا کہ قارئین کے لئے اس کا مفہوم اور قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کی ضرورت واہمیت بھی واضح ہو جائے۔ ایک داعی کے لئے دعوت کی کیا ضرورت واہمیت ہے اور دراصل دعوت سے مراد کیا ہے؟ ان سوالات کا جواب جاننے کے لئے اولاً دعوت کا مختصر معنیٰ و مفہوم پیش کر دیا گیا ہے تا کہ ایک داعی یا داعیہ اس کو سامنے رکھ کر اس کی اہمیت و ضرورت کو جان سکے۔

اسلام میں انسان کی کامیابی کو دو چیزوں پر منحصر رکھا ہے، ایک یہ کہ انسان خود اپنی اصلاح کرتا ہے اور دوسری یہ کہ انسان دوسروں کی اصلاح کرتا ہے۔ اسلام کا بنیادی ضابطہ یہ ہے کہ انسان خود بھی علم حاصل کرے اور پھر اس علم کے ذریعے سے دوسروں کو بھی نفع دے۔ ایک طرف اصلاحِ نفس کا تصور ہے جو کہ ذاتی عبادات اور ریاضت سے ممکن ہوتا ہے اور دوسری طرف دعوت وتبلیغ کا فلسفہ ہے جس کے ذریعے دوسروں تک حق بات کا پہنچانا ہے۔

دعوت کا لغوی معنیٰ:

کسی کو پکارنے یا اپنی طرف بلانے یا متوجہ کرنے کے لئے دعا کا لفظ بعض اوقات استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ ابن منظور افریقی لسان العرب میں لکھتے ہیں:

دعوت۔دعا۔یدعو۔باب نصر سے آتا ہے جس کے لغوی معنی ''پکارنے اور بلانے'' کے ہیں۔[1]

کسی سے کوئی چیز طلب کرنے کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ صاحب معجم مقاییس اللغۃ لکھتے ہیں:[2]

دعابالشی ئ: کسی چیز کی طرف بلانا، جیسے ''**دعابالکتاب و الدواۃ**'' یعنی کتاب اور سیاہی طلب کرنا۔اسی طرح: **دعوتُ أدعُو دعاو الدعوَۃُإلی الطعام۔** یعنی کسی کو کھانے کی دعوت دینا۔

والدعوۃ فی اللغۃ: الطلب، یقال: دعا إلی الشیء حثه علی قصده۔[3]

''لغت میں **دعوت** سے مراد کسی چیز کو طلب کرنا، یعنی کسی کام کے کرنے پر آمادہ کرنا، کسی کو اپنے قصد کی طرف راغب کرنا''۔

مولانا وحیدالزماںؒ نے دعا کی تعریف کچھ یوں بیان کی ہے:

''چیلنج کرنا، مقابلہ کی دعوت دینا، دعا مانگنا، پوچھنا، دعوت دین۔کسی سے دین میں داخل ہونے کا مطالبہ کرنا''۔[4]

دعوت کا اصطلاحی معنی

عبدالکریم زیدان دعوت کی تعریف کچھ یوں کرتے ہیں:

الدعوۃ هو الإسلام الذی أوحی اللہ تعالیٰ به إلی رسوله فی القرآن والسنة المطھرۃ۔[5]

1۔ ابن منظور، لسان العرب، 14:261

2۔ الرازی، ابوالحسین احمد، معجم مقاییس اللغۃ، 02:279

3۔ابراہیم مصطفی، احمد حسن الزیات، حامد عبدالقادر، محمد علی النجار، معجم الوسیط، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور، 01:286

4۔وحیدالزماں، مولانا، القاموس الاصطلاحی، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، 2001، ص:251

5۔عبدالکریم زیدان، أصول الدعوۃ، مؤسسۃ الرسالۃ، 2007، ص:7

دعوت سے مراد وہ اسلامی تعلیمات ہیں جو اللہ نے اپنے رسول کے ذریعے قرآن وسنت کی شکل میں بھیجی۔

اصطلاحی طور پر دعوت کا مطلب لوگوں کو دین اسلام کی طرف بلانا ہے۔قرآن مجید میں دعوت کا لفظ اللہ اور اس کے بھیجے ہوئے دین کی طرف بلانے کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔[1]

یعنی وہ پیغام جو اللہ نے اپنے انبیاء کے ذریعے انسان کو پہنچایا ہے۔

اس حوالے سے علامہ راغب اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں:

الدعاء إلی الشیی الحث علی قصده۔[2]

دعوت کسی چیز کو حاصل کرنے پر ابھارنا کہلاتا ہے۔

ابن تیمیہؒ کے نزدیک دعوت سے مراد ہے کہ: ''اللہ کے دین کو قبول کرنے کی طرف لوگوں کو بلانا اور آمادہ کرنا''۔[3]

قرآن کریم میں دعوت کا مفہوم:

قرآن مجید میں دعوت کے مختلف متفردات استعمال ہوئے ہیں، جیسا کہ:

ا: دعوت بمعنی تعلیم:

اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں ارشاد فرمایا:

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ۔[4]

''اور ہمارے پروردگار! ان میں ایک ایسا رسول بھی بھیجنا جو انہی میں سے ہو،

1۔Towards performing dawah, Abdul Salam shafai, 17, international council of Islamic dawah,UK.1997

2۔راغب اصفہانیؒ، علامہ، مفردات القرآن، مکتبہ القاسمیہ، لاہور، 1963، ص:310

3۔ ابن تیمیہ، النبوات، اضواء السلف، الریاض، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، 1990، 01:48

4۔ البقرہ، 02:129

جو ان کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کرے، انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، اور ان کو پاکیزہ بنائے۔ بیشک تیری اور صرف تیری ذات وہ ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل‘‘۔

مفتی تقی عثمانی کے ترجمہ ’’آسان ترجمہ قرآن‘‘ کے مطابق یہاں دعوت کا لفظ تعلیم کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

۲: دعوت بمعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر (نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا):

اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران میں دعوت کا معنی کچھ یوں فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ مِنْھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُھُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔[1]

’’(مسلمانو) تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لیے وجود میں لائی گئی ہے، تم نیکی کی تلقین کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو یہ ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا، ان میں سے کچھ تو مومن ہیں، مگر ان کی اکثریت نافرمان ہے‘‘۔

مفتی تقی عثمانی کے ترجمہ ’’آسان ترجمہ قرآن‘‘ کے مطابق یہاں دعوت بمعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر (نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا) کے ہیں۔

۳: دعوت بمعنی تبلیغ (بات پہنچا دینا):

اللہ تعالیٰ سورہ مائدہ میں فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ۔[2]

1۔ آل عمران، 03:110
2۔ المائدہ، 05:67

’’اے رسول! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو۔ اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو (اس کا مطلب یہ ہوگا کہ) تم نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا۔ اور اللہ تمہیں لوگوں (کی سازشوں) سے بچائے گا۔ یقین رکھو کہ اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا‘‘۔

مفتی تقی عثمانی کے ترجمہ ’’آسان ترجمہ قرآن‘‘ کے مطابق یہاں دعوت کے معنی پیغام یا بات پہنچانے کے ہیں۔

۴: دعوت بمعنی مجادلہ (دلائل کے ذریعے قائل کرنا):

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ۔[1]

’’اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو، اور (اگر بحث کی نوبت آئے تو) ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔ یقیناً تمہارا پروردگار ان لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹک گئے ہیں، اور ان سے بھی خوب واقف ہے جو راہ راست پر قائم ہیں۔

قرآن کریم کی روشنی میں دعوت وتبلیغ کی اہمیت:

جس کام کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث کیا گیا ہو اس کی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کام کتنا اہم ہے۔ جس کام کے لیے اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ترین بندوں کو تکالیف اور مصائب میں مبتلا فرمایا اس کی اہمیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ دعوت وتبلیغ کے لیے قرآن مجید نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اصطلاح

1۔ النحل، 16:125

استعمال کی ہے۔ جیسا کہ سورہ توبہ میں مذکور ہے کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا مومنین کا کام ہے۔

سورہ توبہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔[1]

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ نیکی کی تلقین کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمان برداری کرتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ اپنی رحمت سے نوازے گا۔ یقیناً اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک''۔

اس ضمن میں سید سلیمان ندوی یوں تحریر فرماتے ہیں:

''حکیمانہ تبلیغ و دعوت امر بالمعروف و نہی عن المنکر اسلام کے جسم کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اس پر اسلام کی بنیاد، اسلام کی قوت، اسلام کی وسعت اور اسلام کی کامیابی منحصر ہے اور آج سب زمانوں سے بڑھ کر ضرورت ہے اور غیر مسلموں کو مسلمان بنانے سے زیادہ اہم کام مسلمانوں کو مسلمان، نام کے مسلمانوں کو کام کا مسلمان اور قومی مسلمانوں کو دینی مسلمان بنانا ہے''۔[2]

اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔[3]

1۔ التوبہ، 09:71
2۔ سید سلیمان ندوی، خطبات مدارس، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص:160
3۔ الحج، 22:41

''یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں، اور زکوۃ ادا کریں، اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں، اور برائی سے روکیں، اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے''۔

اس حوالے سے ''دعوت و تبلیغ کے اصول و احکام'' میں تحریر ہے کہ:

''دعوت و تبلیغ کا مقصد صرف عملی ترویج کے ذریعہ مسلمانوں میں جذبہ پیدا کرنا اور کامیابی کا راستہ بتلانا ہے جو مسلمانوں کے لئے تعلق مع اللہ میں منحصر ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کے ہر چھوٹے بڑے حکم کی پوری پابندی کی جائے، تا حد امکان کوئی بات خلافِ شرع نہ ہونے پائے، یہی عبدیت کی روح اور مسلمان کی زندگی کا اصل مقصد ہے''۔[1]

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرو اور اگر اس دوران کوئی ناگواری پیش آئے تو اسے برداشت کرو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔[2]

''بیٹا! نماز قائم کرو، اور لوگوں کو نیکی کی تلقین کرو، اور برائی سے روکو، اور تمہیں جو تکلیف پیش آئے، اس پر صبر کرو۔ بیشک یہ بڑی ہمت کا کام ہے''۔

اس آیت سے دعوت کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انسان کو نہ صرف نیک عمل کرنا چاہئے بلکہ نیکی کی تلقین اور برائی سے روکنا بھی اس کی ذمہ داری ہے۔

دعوت دین کی اہمیت کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ:

اسلامی نقطہ نظر سے انسانی سعادت کا دارومدار دو چیزوں پر ہے۔ صلاح اور اصلاح یعنی خود صالح بننا اور دوسروں کو صالح بنانا یا خود کمال پیدا کر کے دوسروں کو باکمال

1۔ اشرف علی تھانویؒ، مولانا، دعوت و تبلیغ کے اصول و احکام، ادارہ افادات اشرفیہ، لکھنؤ، ص:115
2۔ لقمان، 31:17

کر دینا، جس کا حاصل یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں محض لازمی اور ذاتی نفع پر قناعت نہیں کی گئی ہے بلکہ اس کو متعدی بنایا گیا ہے کہ ایک سے دوسرے تک پہنچے۔[1]

ان آیات اور نصوص سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کے مقرب بندوں کی ذمہ داریوں میں سب سے بڑا مشن یہی تھا کہ وہ انسانیت کی اصلاح کریں اور یہی ذمہ داری امتِ محمدیہ ﷺ کو سونپی گئی ہے۔

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:

إن الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر كان واجبا فى أمم المتقدمة وهو فائدة الرساله و خلافة النبوة۔[2]

''معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا پچھلی امتوں پر واجب تھا، یہی رسالت کا فائدہ اور نبوت کی جان نشینی ہے''۔

اس ضمن میں علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

الامر بالمعروف والنهى عن المنكر الذى نزل الله به كتبه وارسل به رسله من الدين۔[3]

''امر بالمعروف والنہی عن المنکر سے مراد دین ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں میں اپنے رسولوں کے ذریعے بھیجا''۔

اسی طرح علامہ رشید رضا مصری لکھتے ہیں:

قد جرت سنة الانبياء والمرسلين والسلف على الدعوة إلى الخير والأمر بالمعروف والنهى عن المنكر وإن كان محفوظا بلمكارهو المخارف۔[4]

1۔ محمد طیبؒ، قاری، انسانیت کا امتیاز، ادارہ اسلامیات، لاہور، ص:5
2۔ احمد بن ابوبکر القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، مطبعہ دار الکتب المصریہ القاہرۃ، 04:47
3۔ ابن تیمیہ، الحسبہ فی الاسلام، 01:110
4۔ محمد رشید رضا المصری، تفسیر القرآن المنار، دار المنار، مصر، 04:32

''انبیاء کرامؑ ومرسلین عظامؑ اور سلف صالحین کی یہ سنت رہی ہے کہ انھوں نے امر بالمعروف والنہی عن المنکر کے ذریعے دعوت دی اگرچہ یہ کام مصائب اور مشقتوں سے بھرپور تھا''۔

صاحبِ احیاء علوم الدین دعوت کی اہمیت واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فإن الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر هو القطب الأعظم فى الدين وهو المهم الذى ابتعث الله له النبيين أجمعين ولو طوى بساطه وأهمل علمه وعمله لتعطلت النبوة واضمحلت الديانة وعمت الفترة وفشت الضلالة وشاعت الجهالة واستشرى الفساد والتسع الخرق وخربت البلاد وهلك العباد ولم يشعروا بالهلاك إلا يوم التناد۔[1]

''بیشک اچھی بات کا حکم کرنا اور بری بات سے منع کرنا دین کا ایک اہم ستون ہے، یہ وہ کام ہے جس کے کرنے کے لیے اللہ نے انبیاء کرامؑ کو بھیجا ہے۔ اگر اس کام کی بساط لپیٹ دی جائے، اس کا علم اور اس پر عمل چھوڑ دیا جائے تو کارِ نبوت معطل ہو جائے گا اور دین کمزور پڑ جائے گا۔ اس سے جاہلیت عام ہو جائے گی اور گمراہی پھیلے گی، جہالت اور فساد بڑھنے گا، بستیاں ویران ہوں گی، انسان ہلاک ہوں گے اور قیامت سے پہلے اپنی اپنی ہلاکت کا احساس تک نہ ہوگا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اپنے اہل خانہ کو جہنم کا ایندھن بننے سے بچاؤ۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔[2]

1۔ ابوحامد الغزالی، احیاء علوم الدین، دار المعرفہ بیروت، لبنان، 02:306
2۔ التحریم، 66:06

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ اس پر سخت کڑے مزاج کے فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے کسی حکم میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے، اور وہی کرتے ہیں جس کا انھیں حکم دیا جاتا ہے۔

یعنی کسی کی اصلاح میں کاہلی اور سستی کی کوئی گنجائش نہیں ہے حتی کہ اپنے گھر والوں کو بھی استطاعت کے مطابق عمل کرانے کی کوشش کرنا ہر شخص کی ذمہ داری ہے۔ اسی بنا پر دعوت وتبلیغ سے غافل انسان کو رسول ﷺ کا سچا پیروکار نہیں کہا جاسکتا۔

احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں دعوت وتبلیغ کی اہمیت:

دعوتِ دین کے حوالے سے قرآن مجید میں واضح احکامات موجود ہیں اسی طرح اگر نبی ﷺ کی حیاتِ مبارک پر نظر ڈالی جائے اور آپ ﷺ کے ارشادات مبارکہ کو دیکھا جائے تو انہی ہدایات کا تسلسل نظر آتا ہے جس کی تاکید اللہ نے قرآن حکیم میں کئی مقامات پر کی ہے۔ آپ ﷺ مسلمانوں کو دعوت وتبلیغ کی اہمیت سے آگاہ کرتے، اس پر عمل کرنے کی فضیلت اور اس کو ترک کرنے پر عذاب کی وعید سناتے۔ صحابیٔ رسول ﷺ حضرت نعمان بن بشیرؓ کی مشہور روایت ہے کہ:

حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ، قَالَ: سَمِعْتُ عَامِرًا، يَقُولُ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَثَلُ القَائِمِ عَلَى حُدُودِ اللَّهِ وَالوَاقِعِ فِيهَا، كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوا عَلَى سَفِينَةٍ، فَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَعْلاَهَا وَبَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا، فَكَانَ الَّذِينَ فِي أَسْفَلِهَا إِذَا اسْتَقَوْا مِنَ المَاءِ مَرُّوا عَلَى مَنْ فَوْقَهُمْ، فَقَالُوا: لَوْ أَنَّا خَرَقْنَا فِي نَصِيبِنَا خَرْقًا وَلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا، فَإِنْ يَتْرُكُوهُمْ وَمَا أَرَادُوا هَلَكُوا جَمِيعًا، وَإِنْ أَخَذُوا عَلَى أَيْدِيهِمْ

نَجَوْا، وَنَجَوْا جَمِيعًا"۔ [1]

"آپ ﷺ نے دعوت کی اہمیت واضح کرنے کے لیے کشتی کی مثال دے کر سمجھایا کہ اگر لوگوں نے غلط کام کرنے والوں کو نہ روکا تو صرف غلط کار ہی نہیں، ان سے اغماض برتنے والے لوگ بھی ہلاک ہو جائیں گے۔ یعنی اگر کشتی میں نیچے کے حصے والے یہ سوچیں کہ ہم اپنے لئے پانی کا بندوبست اس انداز میں کرتے ہیں کہ بجائے اوپر والوں سے پانی مانگنے کے، نیچے کے حصے میں ہی ایک سوراخ کر لیتے ہیں اور پھر ان کی اس بیوقوفی پر اوپر والے بھی خاموشی اختیار کر لیں تو یقیناً نتیجہ یہی ہوگا کہ پوری کشتی ہی پانی میں ڈوب جائے گی، ایسے ہی اگر غلط کام کو دیکھ کر اس کو روکا نہ جائے تو نتیجتاً اس کا خمیازہ سبھی کو بھگتنا پڑے گا۔ لہٰذا اپنے آپ کو نیکی کے راستے پر گامزن رکھنے کے ساتھ ساتھ اہلِ ایمان کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کو غلط راستے سے خبردار بھی کرتے رہیں ورنہ اللہ کا عتاب سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا"۔

اسی حوالے سے آپ ﷺ نے فرمایا:

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللَّهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ ثُمَّ تَدْعُونَهُ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ۔ [2]

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور نیکی کی طرف دعوت دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تم پر کوئی

1۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الشرکۃ، باب ہل یُقرع فی القسمۃ والاستہام فیہ، رقم الحدیث:2493

2۔ ترمذی، سنن، ابواب الفتن عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی الأمر بالمعروف والنہی عن المنکر، رقم الحدیث:2169

عذاب دے اور پھر تم اس سے دعائیں کرو لیکن وہ قبول نہ ہوں“۔

اسی وجہ سے آپ ﷺ نے پوری امت کی یہ ذمہ داری لگائی کہ خیر کی بات جب خود سن لو تو اس کو آگے پہنچاؤ۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرامؓ سے اجتماعی خطاب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے دعوت کے کام کو جاری رکھنے کی وصیت کی اور فرمایا:

فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ ۔[1]

”جو یہاں موجود ہیں میری باتوں کو ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں نہیں ہیں“۔

آپ ﷺ کا فرمان ہر مسلمان کے لیے ایک حکم کا درجہ رکھتا ہے کہ ان کو دین کے بارے میں اگر کچھ معلوم ہو تو وہ دوسروں تک پہنچائیں اور منکرات کو ختم کرنے کی کوشش پوری قوت وصلاحیت کے ساتھ کریں۔ اس حوالے سے ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ:

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ ۔[2]

”تم میں سے جو بھی کوئی برائی دیکھے، اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے اور اگر یہ نہیں کر سکتا تو اپنی زبان سے اُسے بدلے، اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو اپنے دل سے (اسے برا سمجھے) یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے“۔

اس حدیث مبارکہ کا مخاطب ہر اہل ایمان ہے کہ وہ لوگوں کی اصلاح کے لیے ہر ممکن کوشش کرے۔ آپ ﷺ کو دعوت دین کی اہمیت اور اس ذمہ داری کا احساس شدت سے تھا کیونکہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ بحیثیت نبی اور پیغمبر خود ان کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس فریضہ کو انجام دیں، جیسا کہ روایت میں آتا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

1۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب الخطبہ ایام منیٰ، رقم الحدیث: 1741

2۔ مسلم، الجامع الصحیح، کِتَابُ الْإِيمَانِ، بَابُ بَيَانِ كَوْنِ النَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ مِنَ الْإِيمَانِ، وَأَنَّ الْإِيمَانَ يَزِيدُ وَيَنْقُصُ، وَأَنَّ الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاجِبَانِ، رقم الحدیث: 49

اقْرَأْ عَلَيَّ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ آقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ قَالَ نَعَمْ فَقَرَأْتُ سُورَةَ النِّسَاءِ حَتَّى أَتَيْتُ إِلَى هَذِهِ الْآيَةِ "فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا" قَالَ حَسْبُكَ الْآنَ فَالْتَفَتُّ إِلَيْهِ فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ ۔[1]

”آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے قرآن مجید سننے کی فرمائش کی اور جب آپ ﷺ اس آیت پر پہنچے کہ: ”بھلا اس دن کیسا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے احوال بتانے والے کو بلائیں گے اور تم کو ان لوگوں کا (حال بتانے کو) گواہ طلب کریں گے“، تو آپ ﷺ سے برداشت نہ ہو سکا اور آپ ﷺ نے انہیں آگے پڑھنے سے روک لیا اور آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

یعنی آپ ﷺ اپنی ذمہ داری کے خوف سے کانپ اٹھے اور آبدیدہ ہو گئے۔

انبیاء کرامؑ کی سیرت کی روشنی میں دعوت وتبلیغ کی اہمیت

انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگی کے تمام پہلو انسانوں کے لیے بہترین نمونہ ہیں۔ قرآن مجید نے انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے انہیں واجب الاتباع قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَى لِلْعَالَمِينَ ۔[2]

”یہ لوگ (جن کا ذکر اوپر ہوا) وہ تھے جن کو اللہ نے (مخالفین کے رویے پر صبر کرنے کی) ہدایت کی تھی، لہٰذا (اے پیغمبر) تم بھی انہی کے راستے پر چلو۔ (مخالفین سے) کہہ دو کہ میں تم سے اس (دعوت) پر کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ یہ تو دنیا جہان کے سب لوگوں کے لیے ایک نصیحت ہے اور بس“۔

1۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب فَضَائِلِ القُرآنِ، بَابُ قَوْلِ المُقْرِئِ لِلْقَارِئِ حَسْبُكَ، رقم الحدیث: 5050

2۔ الانعام، 06:90

اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ آپ دینِ ابراہیمؑ کی پیروی کریں جیسا کہ قرآن میں ذکر آیا ہے:

ثُمَّ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ۔[1]

”پھر (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر بھی وحی کے ذریعے یہ حکم نازل کیا ہے کہ تم ابراہیم کے دین کی پیروی کرو جس نے اپنا رخ اللہ ہی کی طرف کیا ہوا تھا، اور وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں“۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا يَجِدُوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيۡتَ وَيُسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا۔[2]

”نہیں، (اے پیغمبر) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصل نہ بنائیں، پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اس کے آگے مکمل طور پر سر تسلیم خم کر دیں۔“

انبیاء کرامؑ نے ایک خاص طریق سے مخصوص اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے دعوت وتبلیغ کا کام جاری وساری رکھا۔ حضرت نوحؑ سے لے کر نبی ﷺ تک دعوت وتبلیغ کا کام تبشیر، اِنذار، ترغیب وترہیب کے ذریعے اپنی اپنی امتوں میں کیا اور ساتھ ساتھ انسانی نفسیات کو بھی مدنظر رکھتے ہوئے اپنی امت کے باطل نظریات وعقائد کی تردید کی۔ قرآن مجید میں انبیاء کرام کی دعوت کے منہج کا تذکرہ، خواہ وہ قولی ہوں یا فعلی، متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے اور اسی طرح انبیاء کرامؑ کی دعوت تمام لوگوں کے لیے ہوتی تھی جن میں ضعیف وقوی، فقیر وغنی، مرد وعورت تمام لوگ شامل تھے۔ انبیاء کرامؑ تمام لوگوں کو ایک

1۔ النحل، 16:123

2۔ النساء، 04:65

ہی لاٹھی سے نہیں ہانکتے تھے بلکہ ہر کسی کو اس کی نفسیاتی کیفیات کے مطابق قولِ حسن، ترغیب وترہیب اور مختلف طرق کے ذریعے دعوت دیتے۔

انبیاء کرامؑ لوگوں کے مزاج کو دیکھ کر ان سے گفتگو فرماتے اور عمدہ انداز میں دعوت کا معاملہ ان کے سامنے رکھتے، جیسا کہ بعض اوقات عمومی دعوت کا مزاج اپنایا جاتا تھا جس کا خطاب بالعموم تمام قوم سے ہوتا تھا۔ سورہ مومن میں اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ایک شخص کا معاملہ بیان فرماتے ہیں جو لوگوں کو موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کی حقیقت سمجھانا چاہتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَيٰقَوۡمِ مَا لِىۡۤ اَدۡعُوۡكُمۡ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدۡعُوۡنَنِىۡۤ اِلَى النَّارِ تَدۡعُوۡنَنِىۡ لِاَكۡفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشۡرِكَ بِهٖ مَا لَيۡسَ لِىۡ بِهٖ عِلۡمٌ وَّاَنَا اَدۡعُوۡكُمۡ اِلَى الۡعَزِيۡزِ الۡغَفَّارِ ۔ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدۡعُوۡنَنِىۡۤ اِلَيۡهِ لَيۡسَ لَهٗ دَعۡوَةٌ فِى الدُّنۡيَا وَلَا فِى الۡاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الۡمُسۡرِفِيۡنَ هُمۡ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۔[1]

”اور اے میری قوم! یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف دعوت دے رہا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف بلا رہے ہو۔ تم مجھے یہ دعوت دے رہے ہو کہ اللہ کا انکار کروں، اور اس کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک مانوں جس کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں ہے۔ اور میں تمہیں اس ذات کی طرف بلا رہا ہوں جو بڑی صاحبِ اقتدار، بہت بخشنے والی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جن چیزوں کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو، وہ دعوت کے اہل نہیں ہیں، نہ دنیا میں، نہ آخرت میں، اور حقیقت یہ ہے کہ ہم سب کو اللہ کی طرف پلٹ کر جانا ہے اور یہ کہ جو لوگ حد سے گزرنے والے ہیں وہ آگ کے باسی ہیں۔“

جاہل قیادتیں چونکہ نسلی، گروہی، لسانی اور جغرافیائی بنیاد پر اٹھتی ہیں اس لیے وہ لوگ پیغمبرانہ دعوت کو بھی انہیں پیمانوں پر ناپنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ انبیاءؑ کی دعوت کا

1۔ الغافر 40:41-43

مقصد اللہ کی بندگی اور تمام انسانوں کو ہدایت کا راستہ دکھانا ہے، سیدھے راستے کا اختیار کرنا ہے، جس کے پیش نظر انہیں اپنی دعوت وتبلیغ میں مخاطب کی عزت نفس کا خیال رکھنا پڑتا ہے تاکہ بات اس کے دل پر اثر کرے۔

* *اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی ایک اہم خصوصیت ایجاز واختصار ہے، جس کا مقصد اپنی امت کو مختصر الفاظ میں جامع اور دقیق حقائق سے آگاہ کرنا ہے۔ دعوت میں اختصار مخاطب کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ایک بہترین انداز ہے، جس میں الفاظ کا بہترین چناؤ بہت ضروری ہے۔

جیسا کہ نوحؑ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ۔ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔[1]

''کہ اللہ کی عبادت کرو، اور اس سے ڈرو، اور میرا کہنا مانو۔ اللہ تمہارے گناہوں کی مغفرت فرمائے گا، اور تمہیں ایک مقرر وقت تک باقی رکھے گا۔ بیشک جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آجاتا ہے تو پھر وہ موخر نہیں ہوتا۔ کاش کہ تم سمجھتے ہوتے۔''

اسی طرح انبیاء کرامؑ اپنی دعوت میں موقع کی مناسبت سے گفتگو فرماتے تھے، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ جب انہیں نبوت عطا کی گئی تو انہوں نے توحید اور نماز کے حکم کے ساتھ ساتھ قیامت کا ذکر بھی کیا، جیسا کہ فرمایا:

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ ۢ بِمَا تَسْعٰى فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى۔[2]

''یقین رکھو کہ قیامت کی گھڑی آنے والی ہے، میں اس (کے وقت) کو خفیہ

1۔ نوح، 71:4-3

2۔ طٰہٰ، 20: 16-15

رکھنا چاہتا ہوں، تاکہ ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ ملے۔ لہٰذا کوئی شخص تمہیں اس سے ہرگز غافل نہ کرنے پائے جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو، اور اپنی خواہشات کے پیچھے چلتا ہو، ورنہ تم ہلاکت میں پڑ جاؤ گے۔''

اسی طرح شعیبؑ نے بھی اپنی قوم کو موقع محل کی مناسبت سے دعوت دی اور ان کو برے افعال سے خبردار کیا:

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۔ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۔[1]

''اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو پیغمبر بنا کر بھیجا، انھوں نے (ان سے) کہا کہ: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور ناپ تول میں کمی مت کیا کرو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ خوشحال ہو اور مجھے تم پر ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تمہیں چاروں طرف سے گھیر لے گا۔ اور اے میری قوم کے لوگو! ناپ تول پورا پورا کیا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو۔ اور زمین میں فساد پھیلاتے مت پھرو۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کا اندازِ دعوت بھی دیکھیں، یہاں پر سورہ یوسف کی چند آیات کا ترجمہ نقل کیا جارہا ہے، جس کو مفتی تقی عثمانی صاحب نے آسان ترجمہ قرآن میں بیان فرمایا ہے:

''اور یوسف کے ساتھ دو اور نوجوان قید خانے میں داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے (ایک دن یوسف سے) کہا کہ: میں (خواب میں) اپنے آپ

1۔ ھود، 11: 85-84

کو دیکھتا ہوں کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں۔ اور دوسرے نے کہا کہ: میں (خواب میں) یوں دیکھتا ہوں کہ میں نے اپنے سر پر روٹی اٹھائی ہوئی ہے (اور) پرندے اس میں سے کھا رہے ہیں۔ ذرا ہمیں اس کی تعبیر بتاؤ، ہمیں تم نیک آدمی نظر آتے ہو۔ یوسف نے کہا: جو کھانا تمہیں (قید خانے میں) دیا جاتا ہے، وہ ابھی آنے نہیں پائے گا کہ میں تمہیں اس کی حقیقت بتا دوں گا۔ یہ اس علم کا ایک حصہ ہے جو میرے پروردگار نے مجھے عطا فرمایا ہے۔ (مگر اس سے پہلے میری ایک بات سنو) بات یہ ہے کہ میں نے ان لوگوں کا دین چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، اور جو آخرت کے منکر ہیں۔ اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے دین کی پیروی کی ہے۔ ہمیں یہ حق نہیں ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک ٹھہرائیں۔ یہ (توحید کا عقیدہ) ہم پر اور تمام لوگوں پر اللہ کے فضل کا حصہ ہے، لیکن اکثر لوگ (اس نعمت کا) شکر ادا نہیں کرتے۔ اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا بہت سے متفرق رب بہتر ہیں، یا وہ ایک اللہ جس کا اقتدار سب پر چھایا ہوا ہے؟ اس کے سوا جس جس کی تم عبادت کرتے ہو، ان کی حقیقت چند ناموں سے زیادہ نہیں ہے جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے حق میں کوئی دلیل نہیں اتاری۔ حاکمیت اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے، اسی نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اے میرے قید خانے کے ساتھیو! (اب اپنے خوابوں کی تعبیر سنو) تم میں سے ایک کا معاملہ تو یہ ہے کہ وہ (قید سے آزاد ہو کر) اپنے آقا کو شراب پلائے گا۔ رہا دوسرا تو اسے سولی دی جائے گی، جس کے نتیجے میں پرندے اس کے سر کو (نوچ کر) کھائیں گے۔ جس معاملے میں تم پوچھ رہے تھے، اس کا فیصلہ (اسی طرح) ہو چکا ہے۔"[1]

1۔ تقی عثمانی، مفتی، آسان ترجمہ قرآن، سورہ یوسف: 12/ 36-41، ادارہ معارف القرآن، کراچی

اس پورے واقعے میں داعیِ حق کے لئے جو نقطہ خصوصیت سے قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ جب وہ دونوں آدمی محسوس کرتے ہیں کہ اپنے کردار و اوصاف کی بنا پر حضرت یوسفؑ ہی ایسے شخص ہیں، جن کی طرف اپنی غرض کے لیے وہ رجوع کر سکتے ہیں تو حضرت یوسفؑ اس موقع پر یہ نہیں کرتے کہ ان پر اپنی بزرگی کا رعب جمانے کی کوشش کریں بلکہ وہ ان کے اس التفات کو غنیمت سمجھتے ہوئے ان کے سامنے فوری طور پر دعوتِ حق پیش فرماتے ہیں اور اس کے لیے انہوں نے ایسا اسلوب اختیار فرمایا کہ گویا بات سے بات چل نکلی ہے، نہ کہ ایسا محسوس ہوا کہ گویا ایک بات کہنے کے لیے موقع پیدا کیا گیا ہے۔

پیغمبرانہ منہجِ دعوت کی ایک خصوصیت زبان کی لطافت اور فصاحت ہے، تمام انبیاء علیہم السلام کی زبان اور ان کا اسلوبِ بیان انفرادیت کا نمونہ ہوتا تھا، اس طرز کلام میں پیغمبر کی شخصیت صاف جھلکتی دکھائی دیتی تھی۔ اس میں نرم روی، مخاطب کی ذہنی سطح اور نفسیات کے مطابق الفاظ کا انتخاب شامل ہے۔ حضرت شعیبؑ کے بارے میں مفسرین نے "خطیب الانبیاءؑ" کا لقب استعمال کیا ہے۔ مولانا سیوہاروی کے بقول حضرت شعیبؑ بڑے فصیح و بلیغ مقرر تھے، شیریں کلامی، حسنِ خطابت، طرزِ بیان اور طلاقتِ لسانی میں بہت نمایاں مقام رکھتے تھے۔[1]

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ:

وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ..[2]

"اور ہم نے ان کی سلطنت کو استحکام بخشا تھا، اور انھیں دانائی اور فیصلہ کن گفتگو کا سلیقہ عطا کیا تھا"۔

موسیٰ علیہ السلام کو اظہارِ بیان کے لیے مشکلات کا احساس تھا تو انھوں نے نبوت ملتے ہی اللہ کے حضور طاقتِ انسانی کی درخواست کی، قرآن کریم کے مطابق انھوں نے یہ دعا کی:

1۔ حفظ الرحمن سیوہاروی، مولانا، قصص القرآن، اسلامی کتب خانہ، لاہور، 01:348

2۔ ص، 38:20

قَالَ رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ وَیَسِّرۡ لِیۡۤ اَمۡرِیۡ وَاحۡلُلۡ عُقۡدَۃً مِّنۡ لِّسَانِیۡ یَفۡقَهُوۡا قَوۡلِیۡ۔[1]

''موسیٰ نے کہا: پروردگار! میری خاطر میرا سینہ کھول دیجیے۔ اور میرے لیے میرا کام آسان بنا دیجیے۔ اور میری زبان میں جو گرہ ہے اسے دور کر دیجیے تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔''

یہی وجہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے تکان بات کرتے اور دعوت الی اللہ کے بیان میں فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ معیار پیش کرتے۔ انبیاء کرامؑ کی زبان اپنے عہد کی معیاری اور پاکیزہ زبان ہوتی ہے۔ ان کے اسلوب میں وقار کے منافی کوئی جملہ نہیں ہوتا لیکن ان کی فصاحت و بلاغت کے علاوہ ایک اور پہلو بھی اہم ہے اور وہ ہے داعی اور مخاطب کی زبان کی ہم آہنگی۔ دعوت کا اصل مقصود پیغامِ الٰہی کا ابلاغ ہے، اگر ابلاغ نہ ہو تو ساری کاوش بے کار ہے۔ کامل ابلاغ کے لیے ضروری ہے کہ داعی کو مخاطبین کی زبان، اس کے محاورہ کے بارے میں مکمل علم ہو اور جب وہ خطاب کرے تو اس کی زبان میں اظہار پر کوئی دِقت پیش نہ آئے اور دعوت کا مقصد بھی پورا ہو جائے۔ تاریخ انبیاءؑ شاہد ہے کہ ان حضرات نے اپنے بیان کی قوت اور زبان کی سلاست سے اپنے مخاطبین کو مسحور کیا، کسی نبیؑ کے مخاطبین نے اس کی زبان اور بیان پر اعتراض نہیں کیا بلکہ زبان کی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے انھیں جادوگر و شاعر تک کہا۔

انبیاء کی زبان بلاشبہ ان کی قوم اور ان کے مخاطبین کی زبان ہوتی ہے، الفاظ و تراکیب وہی ہوتے ہیں لیکن ان کا نظم انبیاء علیہم السلام کے شایانِ شان ہوتا ہے۔ نوح علیہ السلام سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک ہر نبی کو گھٹیا اور بازاری زبان کا سامنا کرنا پڑا لیکن ان میں سے کوئی بھی اپنے رفیع مقام سے نیچے نہیں اترا اور کوئی ایسا لفظ یا محاورہ نہیں استعمال کیا جو پیغمبرانہ شان سے فروتر ہو۔ یہی دعوت الی اللہ کا تقاضا ہے۔ ایک داعی کا

1۔ طٰہٰ،20: 28-25

اپنے مخاطبین کی زبان کا ایسا ادراک ضروری ہے جس سے وہ ان کے دلوں میں دستک دے سکے اور جب ان سے مخاطب ہو تو وہ لوگ کسی قسم کی اجنبیت محسوس نہ کریں۔ یہی انبیاءؑ کی دعوت کی خوبصورتی تھی۔

حکمت دانائی کے ذریعے دعوت بھی انبیاء کرام علیہم السلام کا خاصہ رہی۔ حکمت کی تعریف عبدالرحمن المید انی نے اپنی کتاب میں کچھ یوں کی:

''کسی بھی چیز کو کم سے کم وقت میں اپنی عقل، تجربہ اور اختیار کے ذریعے حاصل کرنا اور اسے اس کے اصل مقام پر رکھنا۔''[1]

حکمت کا تذکرہ قرآن میں اس طرح آیا ہے:

یُؤۡتِی الۡحِکۡمَةَ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَمَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِکۡمَةَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا ۔ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۔[2]

''وہ جس کو چاہتا ہے دانائی عطا کر دیتا ہے، اور جسے دانائی عطا ہو گئی اسے وافر مقدار میں بھلائی مل گئی اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو سمجھ کے مالک ہیں۔''

حکمت سے مراد بعض کے نزدیک عقل و فہم، علم اور بعض کے نزدیک اصابت رائے، قرآن کے ناسخ و منسوخ کا علم و فہم، قوتِ فیصلہ اور بعض کے نزدیک صرف سنت یا کتاب و سنت کا علم و فہم ہے۔ یا سارے ہی مفہوم اس کے مصداق میں شامل ہو سکتے ہیں۔

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ:

حَدَّثَنَا الحُمَيۡدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفۡيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنِي إِسۡمَاعِيلُ بۡنُ أَبِي خَالِدٍ، عَلَى غَيۡرِ مَا حَدَّثَنَاهُ الزُّهۡرِيُّ، قَالَ: سَمِعۡتُ قَيۡسَ بۡنَ أَبِي حَازِمٍ، قَالَ: سَمِعۡتُ عَبۡدَ اللّٰهِ بۡنَ مَسۡعُودٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ: لاَ حَسَدَ إِلَّا فِي اثۡنَتَيۡنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا

1۔ عبدالرحمان حسن المید انی، فقہ الدعوۃ الی اللہ، 01:39

2۔ البقرۃ، 02:269

فَسُلِّطَ عَلٰی هَلَكَتِهٖ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا۔ [1]

"دو شخصوں پر رشک کرنا جائز ہے ایک وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا اور وہ اسے راہ حق میں خرچ کرتا ہے، دوسرا وہ جسے اللہ نے حکمت دی جس سے وہ فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔"

اسی طرح ابراہیمؑ نے کس خوبصورت انداز میں اور حکمت کے ساتھ اپنے والد کو دعوتِ حق دی، قرآن نے اس کو کچھ یوں بیان فرمایا:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۥ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۔ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۔ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۔ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۔ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۔ [2]

"اور اس کتاب میں ابراہیم کا بھی تذکرہ کرو۔ بیشک وہ سچائی کے خوگر نبی تھے۔ یاد کرو جب انھوں نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ: ابا جان! آپ ایسی چیزوں کی کیوں عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں، نہ دیکھتی ہیں، اور نہ آپ کا کوئی کام کر سکتی ہیں؟ ابا جان! میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، اس لیے میری بات مان لیجیے، میں آپ کو سیدھا راستہ بتلا دوں گا۔ ابا جان! شیطان کی عبادت نہ کیجیے۔ یقین جانیے کہ شیطان خدائے رحمن کا نافرمان ہے۔ ابا جان! مجھے اندیشہ ہے کہ خدائے رحمن کی طرف سے آپ کو کوئی عذاب نہ آ پکڑے، جس کے نتیجے میں آپ شیطان کے ساتھی بن کر رہ جائیں۔"

1۔ بخاری، الجامع الصحیح، كِتَابُ الْعِلْمِ، بَابُ الِاغْتِبَاطِ فِي الْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ، رقم الحدیث: 73
2۔ مریم، 19: 45-41

اسی طرح نوح علیہ السلام کا معاملہ دیکھیں کہ کیسے انہوں نے اپنی قوم کو ہر ممکن کوشش سے دعوتِ حق دینے کی کوشش کی اور مختلف اسلوبِ دعوت اپنائے اور آخر کار اللہ تعالیٰ کی عدالت میں اپنا معاملہ کچھ اس طرح سے پیش کیا:

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۔ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ۔ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۔ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ۔ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ۔ وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۔ ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۔ ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۔ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۔ [1]

"(چنانچہ) انھوں نے (اپنی قوم سے) کہا کہ: اے میری قوم! میں تمہارے لیے ایک صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔ کہ اللہ کی عبادت کرو، اور اس سے ڈرو، اور میرا کہنا مانو۔ اللہ تمہارے گناہوں کی مغفرت فرمائے گا، اور تمہیں ایک مقرر وقت تک باقی رکھے گا۔ بیشک جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آجاتا ہے تو پھر وہ موخر نہیں ہوتا۔ کاش کہ تم سمجھتے ہوتے۔ (پھر) نوح نے (اللہ تعالیٰ سے) کہا کہ: میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات دن (حق کی) دعوت دی ہے۔ لیکن میری دعوت کا اس کے سوا کوئی نتیجہ نہیں ہوا کہ وہ اور زیادہ بھاگنے لگے۔ اور میں نے جب بھی انھیں دعوت دی، تاکہ آپ ان کی مغفرت فرمائیں تو انھوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں، اپنے کپڑے اپنے اوپر لپیٹ لیے، اپنی بات پر اڑ رہے، اور تکبر ہی تکبر کا مظاہرہ کرتے رہے۔ پھر میں نے انھیں پکار پکار کر دعوت دی۔ پھر میں نے

1۔ نوح، 71: 10-02

ان سے علانیہ بھی بات کی، اور چپکے چپکے بھی سمجھایا۔ چنانچہ میں نے کہا کہ:

اپنے پروردگار سے مغفرت مانگو، یقین جانو وہ بہت بخشنے والا ہے"۔

ان تمام آیات سے انبیاء کرامؑ کی زندگی سے ہمیں دعوت کی اہمیت اور اس کے مختلف اسالیب کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ کیسے انبیاء کرامؑ نے اپنی اپنی قوم کو مختلف انداز سے سمجھانے کی کوشش کی اور انہیں راہِ حق پر بلانے کے لئے حکمت وبصیرت کے ساتھ کوشاں رہے۔

خلاصہ کلام:

دعوت وتبلیغ اسلام کا وہ فلسفہ ہے جس کے معنی دوسروں تک حق بات کا پہنچانا ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے جو لوگوں کو دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ اس سلسلے کی آخری کڑی خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ ہیں جو قرآن کریم کے ساتھ مبعوث کئے گئے اور جن کی بعثت کا مقصد جہالت میں گری ہوئی قوم کو اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لانا تھا۔ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ دعوت الی اللہ کی فضیلت اور اس کے مناہج کے اسالیب سے بھری پڑی ہیں۔ تمام انبیاء کرامؑ، صحابہ کرامؓ اور سلف صالحینؒ نے دعوت الی اللہ ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا اسی لئے تمام امت محمدی ﷺ کو اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ خیر کے کاموں کو خود بھی جاری کریں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں اور ساتھ ہی ساتھ ان کو یہ تنبیہ بھی کردی گئی ہے کہ اگر وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام نہیں دیں گے یا یہ کہ صرف امر بالمعروف ہی کریں گے اور لوگوں کو برائی کرنے سے نہیں روکیں گے تو پھر ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا انتظار کرنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جب پکڑ آتی ہے تو وہ ایسے تمام لوگوں کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔

صحابیاتؓ کا اسلوبِ دعوت وتربیت

"انسانی نفسیات کا لحاظ"

دعوت وتبلیغ وہ عمل ہے جس کا انسانی نفسیات اور فہم وشعور سے گہرا تعلق ہے، اگر داعی مخاطب کے دل ودماغ اور اس کے فہم وشعور کو متاثر کرنے میں کامیاب ہو جائے تو پھر باقی کام آسان ہو جاتا ہے۔ اس لیے دعوت سے پہلے داعی کے لیے اس اسلوب کا تعین کرنا ضروری ہے کہ مخاطب کے فہم وشعور میں یہ بات کس پیرائے میں پیش کر کے بٹھائی جائے، نفسیات، دعوت وتبلیغ کا ہی موضوع اور فن ہے۔ دعوت اگر نفسیاتِ انسانی کے مطابق صحیح اسلوب وانداز میں دی جائے تو اس کے بڑی حد تک اثرات انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں، اسی وجہ سے انبیاءِ کرامؑ کو اللہ تعالیٰ نے تاکید کی کہ لوگوں کے مزاج کے مطابق، ان کی نفسیات کو ملحوظ خاطر رکھ کر ان کو دین کی دعوت دی جائے۔

دعوت وتبلیغ میں انسانی نفسیات کی اہمیت:

دعوت وتبلیغ میں انسانی نفسیات کی کس قدر اہمیت ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

"جس طرح ایک بیج کے نشوونما پانے کے لیے تنہا بیج کی صلاحیتوں ہی پر نظر نہیں رکھنی پڑتی، بلکہ زمین کی آمادگی ومستعدی اور فصل وموسم کی سازگاری و موافقت کا بھی لحاظ رکھنا پڑتا ہے، اسی طرح کلمہ حق کی دعوت میں مجرد حق کی

فطری صلاحیتوں پر ہی اعتماد نہیں کر لینا چاہیے بلکہ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ جن لوگوں کے سامنے وہ حق پیش کیا جا رہا ہے دعوت کے وقت نفسیاتی نقطہ نظر سے ان کی حالت کیا ہے؟ زمینوں کی طرح روحوں اور دلوں کے بھی موسم ہوتے ہیں اور ایک داعی کا فرض ہے کہ ان موسموں سے اچھی طرح واقف ہو، جس طرح ایک دہقان زمین کی فصلوں اور موسموں کو پہچانتا ہے اور اسی وقت کوئی بیج ڈالتا ہے جب موسم سازگار ہو، جو لوگ اس اسلوب کی خلاف ورزی کرتے ہیں، خواہ اپنی سادگی یا بھولے پن کی وجہ سے یا اس خیال سے کہ حق اپنی ذاتی کشش سے خود بخود دلوں میں جگہ پیدا کر لے گا، اس کے لیے کسی اہتمام کی ضرورت نہیں ہے، وہ اپنی اس غلطی کی سزا اپنی دعوت کی ناکامی کی شکل میں پاتے ہیں اور ان کی نیک نیتی ان کی اس بے تدبیری اور غفلت کے نتائج سے ان کو بچا نہیں سکتی، جو مخاطب کی نفسیات کی رعایت کے باب میں ان سے صادر ہوتی ہے۔"[1]

اگر داعی لوگوں کی نفسیات، ذوق و مزاج اور ان کے جذبات و میلانات کی رعایت نہ کر سکے تو اس چیز کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں کہ لوگ اس کی باتوں کو سنیں اور توجہ دیں بلکہ اکثر و بیشتر تو ایسا ہوگا کہ وہ ان کے اندر کوئی دلچسپی اور شوق پیدا کیے بغیر انہیں اُکتاہٹ اور بیزاری کا شکار بنا دے گا اور لوگ اس کے قریب ہونے کی بجائے دور رہنے کو زیادہ پسند کریں گے۔

اس لیے آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو تاکید فرمائی:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا، وَبَشِّرُوا، وَلاَ تُنَفِّرُوا۔[2]

1۔ اصلاحی، امین احسن، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، فاران فاؤنڈیشن لاہور، ص:133

2۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما کان النبی ﷺ یتخولھم بالموعظة و العلم کی لا ینفروا، رقم الحدیث:69

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: "(دین میں) آسانی کرو، سختی نہ کرو اور لوگوں کو خوشخبری سناؤ، انہیں (ڈرا ڈرا کر) متنفر نہ کرو۔"

الغرض انسانی نفسیات کی رعایت کے بغیر دعوت کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں، صحابیاتؓ کی مقبولیت کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ انھوں نے ہمیشہ دعوت و تبلیغ میں انسانی نفسیات کا بھرپور خیال رکھا۔ ان کے اسلوبِ دعوت کی چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

1۔ مدعو کی تعریف و تحریک/حوصلہ افزائی:

دعوت کے ہر کارکن کی حسیات ایک مہربان استاد اور مربی کی سی ہونی چاہیے۔ داعی کا اپنے مخاطبین سے ایسا رویہ جس میں اپنائیت، محبت اور حوصلہ افزائی کا رنگ نمایاں ہو دعوت کی کامیابی میں اولین کردار ادا کر سکتا ہے۔ بسا اوقات مدعو کی تعریف و توصیف اور حوصلہ افزائی اس کو داعی کے اس قدر قریب کر دیتا ہے کہ اس کے بعد دعوت کا کام آسان ہو جاتا ہے، صحابیاتؓ نے دعوت و تبلیغ میں اس اسلوب کو بھی استعمال کیا، چنانچہ جب لوگ دور دراز سے صحابیاتؓ کی خدمت میں طلبِ علم، مسائل دینیہ کی سوجھ بوجھ حاصل کرنے کے لیے آتے تو نہایت کشادہ دلی اور خندہ پیشانی سے ان کا خیر مقدم کرتیں جن کی چیدہ چیدہ مثالیں درج ذیل ہیں:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا:

آپؓ نے پہلی وحی کے نزول کے بعد آپ ﷺ کی حوصلہ افزائی نہایت احسن انداز میں کی۔ آپ ﷺ کو جو نفسیاتی اضطراب درپیش تھا اس قلق و اضطراب میں آپؓ نے بھرپور انداز میں آپ ﷺ کو اپنے موقف پر قائم رہنے کے لیے ان کی حوصلہ افزائی کی اور خود سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ ابن سعد اپنی کتاب طبقات میں

تحریر کرتے ہیں:

أن أول من أسلم خديجه [1]

"سب سے پہلے ایمان لانے والی خاتون خدیجہؓ تھیں"۔

مصطفی سباعی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نبی ﷺ کے دل میں ایک خاص مقام تھا، کیونکہ انھوں نے ایسے وقت میں نبی ﷺ کا ساتھ دیا جب سب نے منہ موڑ لیا۔ آپؓ نے دین کی دعوت کی اشاعت میں مکمل ساتھ دیا اور ان کی حوصلہ افزائی کی تاکہ آپ ﷺ کو تقویت حاصل ہو اور آپ ﷺ دعوت خیر کا کام احسن انداز سے نبھا سکیں"۔[2]

صحیح بخاری کی روایت ہے:

فَقَالَ لِخَدِيجَةَ وَأَخْبَرَهَا الخَبَرَ: «لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي» فَقَالَتْ خَدِيجَةُ: كَلَّا وَاللَّهِ مَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الكَلَّ، وَتَكْسِبُ المَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الحَقِّ.[3]

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ سے سارا واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا ہرگز نہیں، اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا، آپ ﷺ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، ناتوانوں کا بوجھ اپنے اوپر لیتے ہیں، محتاجوں کے لئے کماتے ہیں، مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں مصیبتیں اٹھاتے ہیں۔"

محمد صادق ابراہیم اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"یہ کلمات ایمان کی روشنی سے منور ہیں جو کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کے بہتر

1۔ ابن سعد، الطبقات، 08:17

2۔ مصطفی السباعی، السیرۃ النبویہ، مکتب الاسلامی، بیروت، ص:56

3۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث:03

مستقبل کی یقین دہانی کرا رہے ہیں، جبکہ خدیجہؓ کے یہ الفاظ آپ ﷺ کو اس ذہنی اضطراب سے دور کر رہے ہیں جس نے آپ ﷺ کو شدید مشقت میں مبتلا کیا ہے۔ انسانی نفسیات اس طرح کی غیر یقینی کیفیات کو یک دم قبول کرنے سے قاصر ہوتی ہے لیکن خدیجہؓ کے یہ مبارک الفاظ آپ ﷺ کے لیے قوت یقین، صبر و استقامت اور انسانیت کو شرک کے اندھیرے سے ایمان کی روشنی کی طرف لے جانے کا ذریعہ ہے۔"[1]

اس واقعے سے واضح ہوتا ہے کہ کیسے حضرت خدیجہؓ نے کمال محبت اور حوصلہ افزائی سے اپنے مخاطب (نبی اکرم ﷺ) کو تسلی دی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ:

بعض لوگ مختلف مسائل میں ازواج مطہراتؓ بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف رجوع کرتے تھے۔ بعض مسائل کے پوچھنے میں جھجک اور شرم مانع آتی تھی تو اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سائلین کی حوصلہ افزائی فرماتیں، چنانچہ ابو موسیٰ اشعریؓ کو ایک مسئلہ کے دریافت کرنے میں حیا اور شرم مانع ہوئی تو آپؓ نے ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا:

لا تستحيي أن تسألني أما كنت سائلا عنه أمك التي ولدتك فانما أنا أمك۔[2]

تو اس بات کو پوچھنے میں شرم نہ کر جو تو اپنی سگی ماں سے پوچھ سکتا ہے جس نے تجھے جنا ہے، میں بھی تو تیری ماں ہوں۔

یعنی سیدہ عائشہؓ نے کمال شفقت فرماتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی فرمائی اور ان کو بغیر کسی شرم کے دین کے احکامات جاننے پر قائل کیا۔

1۔ محمد صادق ابراہیم، محمد رسول اللہ ﷺ - منہج و رسالہ، دار القلم، دمشق، 01:307

2۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الحیض، باب نسخ الماء من الماء و وجوب الغسل، رقم الحدیث:785

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا:

جب سیدہ خنسائیؓ اوران کے چار بیٹیوں نے جنگ قادسیہ کے لیے روانگی کا اعلان سنا تو چاروں بیٹوں نے جلدی سے ہتھیار زیب تن کر لیے۔ان کی بہادر والدہ اپنے بیٹوں کو حوصلہ دلانے لگیں اوران سے مخاطب ہو کر فرمانے لگیں:

"اے میرے پیارے بیٹو! تم نے بخوشی اسلام قبول کیا اوراپنی پسند کے مطابق ہجرت اختیار کی، اوراس اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، تم ایک آدمی کے بیٹے ہو اور تمہیں ایک ماں نے جنم دیا ہے، میں نے تمہارے باپ کے ساتھ کبھی خیانت نہیں کی اور نہ تمھارے ماموں کو کبھی رسوا کیا اور نہ تمھارے حسب نسب میں کوئی آمیزش آنے دی، تم یہ بات اچھی طرح جانتے ہو کہ مسلمانوں کے لیے کافروں کے ساتھ جنگ کرنے کا کس قدر ثواب ہے اور تم اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ باقی رہنے والا گھر فنا ہونے والے گھر سے کہیں بہتر ہے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔[1]

"اے اہل ایمان! (کفار کے مقابلوں میں) ثابت قدم رہو اور استقامت رکھو اور (مورچوں پر) جمے رہو اور خدا سے ڈرو تاکہ مراد حاصل کرو"۔

پھر مزید فرمایا:

"جب تم صحت وعافیت کے ساتھ صبح کے وقت اٹھو تو اپنے دشمن سے نبرد آزما ہونے کے لیے چاق وچوبند ہو کر میدانِ جنگ میں اُترو، جب لڑائی کی آگ بھڑک اٹھے، زور کا رَن پڑے تو پورے جوش وولولے کے ساتھ اس

1۔ آل عمران، 03:200

میں داخل ہو جاؤ، پھر یا تم غازی بن کر کامیابی حاصل کرو گے اور مالِ غنیمت حاصل کر کے لوٹو گے یا شہید ہو کر خلد بریں کے معزز مہمان بن جاؤ گے، ہر دو صورت میں کامیابی تمہاری قدم بوسی کرے گی"۔[1]

ایک مومن ماں نے اپنے مومن بیٹوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان کے دلوں میں بہادری کی رمق پیدا کر دی اور وہ اپنی والدہ کی جانب سے حوصلہ پا کر ایک اُکھڑ مزاج اور ظالم دشمن کے مقابلے کے لیے روانہ ہوئے اور اپنی والدہ کی وصیت کو میدان جنگ میں اترنے کے لیے زادِراہ بنالیا۔

حضرت فریعہ رضی اللہ عنہا:

غزوۂ اُحد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ روانگی کے لیے تیار ہوئے، آپ ﷺ نے لشکر کو ترتیب دیتے ہوئے کچھ نوعمر صحابہؓ کو، جو کہ مجاہدین کی صفوں میں تھے، ان کی چھوٹی عمر کی وجہ سے انہیں واپس کر دیا، ان میں ابوسعید خدریؓ بھی شامل تھے، وہ جہاد کا شرف حاصل کرنے سے محروم رہ جانے کی بنا پر رو رہے تھے، راستے میں سیدہ فریعہؓ انہیں ملیں، وہ ان کے آنسو صاف کرنے اور دلاسہ دینے لگیں اور فرمایا:

"تم فکر نہ کرو، آئندہ جنگوں میں تجھے شامل کر لیا جائے گا اور پھر تم مسلسل شامل رہو گے، یہاں تک کہ شرک مٹ جائے گا اور ایمان کا جھنڈا سربلند ہوگا"۔[2]

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیدہ فریعہؓ نے اپنے بھائی کی نفسیات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی کی تاکہ وہ دل برداشتہ نہ ہوں، بلکہ آئندہ کے محاذوں کے لیے وہ خود کو تیار رکھیں۔

1۔صلاح الدین عبداللہ، الصفدی، الوافی بالوفیات، داراحیاء التراث، بیروت، 03: 461-462
2۔ابن عبدالبر القرطبی، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، 02:34

2۔سوال وجواب/ باہمی گفتگو:

مخاطب کو اپنی دعوت کی طرف متوجہ کرنے اور اس کو ذہن نشین کرانے کے لیے ایک مؤثر ذریعہ اور اسلوب باہمی گفتگو اور بات چیت کا بھی ہے، مکالمہ کا انداز اور سوال و جواب کا اسلوب مخاطب کے ذہن وفکر کو متوجہ کرنے میں کافی مددگار ثابت ہوتا ہے۔ واعظانہ اسلوبِ دعوت کے مقابلہ میں یہ اسلوبِ دعوت اثر انگیزی میں اس سے کہیں بڑھ کر ہے کیونکہ اس صورت میں متکلم اور سامع کے درمیان براہِ راست گفتگو ہوتی ہے اور حقائق کو ہلکے پھلکے اور سادہ انداز میں براہِ راست مخاطب کے ذہن میں بٹھادیا جاتا ہے۔

فروغِ دعوت کے لیے سوال وجواب اور باہمی گفتگو کا اسلوب بہت مؤثر ہے، بالخصوص اگر وہ سوال اور بحث کسی پوشیدہ حقیقت کی نقاب کشائی کے لیے ہو تو اس سے نہ صرف سائل بلکہ دوسرے لوگ بھی گمراہ ہونے سے محفوظ ہوجاتے ہیں، اسلوبِ دعوت میں یہ ایک مؤثر طریقۂ دعوت ہے جس کا نا صرف مخاطب بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دیگر سامعین پر براہِ راست مثبت اثر پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابیاتؓ نے مثبت اور تعمیری سوالات کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی اور ان کو پوری دیانت داری کے ساتھ علمی اور تحقیقی انداز میں جوابات مرحمت فرمائے۔ ذیل میں اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

موطا امام مالکؒ میں حضرت عروہ بن زبیرؓ کی روایت ہے:

عن هشام بن عروة عن أبيه، أنه قال: قلت لعائشة أم المؤمنين وأنا يومئذ حديث السن، أرأيت قول الله تبارك وتعالىٰ (إن الصفا والمروة من شعائر الله فمن حج البيت أو اعتمر فلا جناح عليه أن يطوف بهما)، فما على الرجل شيء أن لا يطوف بهما۔ فقالت عائشة كلا "لو كان كما تقول، لكانت فلا جناح عليه أن

لا يطوف بهما۔ إنما أنزلت هذه الآية في الأنصار كانوا يهلون لمناة وكانت مناة حذو قديد وكانوا يتحرجون أن يطوفوا بين الصفا والمروة،فلما جاء الإسلام سألوا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك، فأنزل الله تبارك وتعالىٰ (إن الصفا والمروة من شعائر الله فمن حج البيت أو اعتمر فلا جناح عليه أن يطوف بهما) [البقرة: 158] [1]

صحابیؓ فرماتے ہیں کہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ زوجۂ نبی ﷺ سے پوچھا گیا اور میں اس وقت بچہ تھا کہ یہ جو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے نشانیاں ہیں لہٰذا کوئی شخص حج یا عمرہ کا ارادہ کرے تو ان کا طواف کر لینے میں کوئی مضائقہ یعنی گناہ نہیں ہے'' تو اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص صفا اور مروہ کا طواف نہ بھی کرے تو بھی اس پر کوئی گناہ نہیں ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا: یہ بات تو نہیں ہے، اگر یہ بات ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس طرح فرماتا کہ ''اگر کوئی ان کا طواف نہ بھی کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے'، درحقیقت یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی ہے کیونکہ وہ احرام کی حالت میں منات بت کا نام لیتے تھے جو قدید کے پاس رکھا ہوا تھا، انصار کو صفا اور مروہ کا طواف اچھا معلوم نہیں ہوتا تھا، جب اسلام آیا تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ''صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے نشانیاں ہیں تو جو کوئی حج یا عمرہ کرے تو ان کا طواف کرنے پر اس پر کوئی مضائقہ نہیں ہے''۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس مکالماتی گفتگو میں صحابیؓ کی نفسیات کا خیال رکھتے ہوئے انہیں اس قدر جامع انداز میں عقلی دلائل کے ساتھ بات سمجھادی کہ

1۔ موطا، مالک بن انس، کتاب الحج، باب جامع السعی، 01:373، رقم الحدیث: 129

کسی قسم کی غلط فہمی کا کوئی شائبہ نہ رہا اور صحیح بات بھی ان تک پہنچ گئی۔

فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا:

حضرت فاطمہؓ بنت خطاب نے اسلام قبول کیا تو حضرت عمرؓ کو جب خبر ملی تو غصہ کی حالت میں ان کے گھر گئے اور انھیں اس قدر زد و کوب کیا کہ وہ لہولہان ہوگئیں، لیکن اس کے باوجود ان کے مؤقف میں کمی نہ آئی اور جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا:

نعم، قد اسلمنا و أمنا بالله ورسوله، فاصنع ما بدا لك، ولما رأى عمر ما بأخته من الدم ندم على ما صنع ۔[1]

''ہاں میں نے اسلام قبول کرلیا ہے، اب جو کرنا ہے کرگزرو، عمرؓ نے جب اپنی بہن کو خون آلود دیکھا تو بہت شرمندہ ہوئے''، فرمایا:

قالت له أخته: إنا نخشاك عليها، قال لا تخافي، وخلف لها بآلهته ليردّنّها إذا قرأها إليها، فلما قال ذلك، طمعت في إسلامه، فقالت له: يا أخي، إنك نجس، على شركك، وإنه لا يمسها إلا الطاهر، فقام عمر فاغتسل، فأعطته الصحيفة، وفيها: طه، فقرأها، فلما قرأ منها صدرا، قال: ما أحسن هذا الكلام ۔[2]

''ان کی بہن نے اپنے بھائی سے کہا: ہم آپ کی بابت پریشان ہیں، حضرت عمر نے کہا: تم خوف نہ کھاؤ۔ انھوں نے کہا کہ وہ قرآنی آیات کے صفحات تب واپس لوٹائیں گے جب تم اس سے تلاوت کرکے مجھے سناؤ گی، فاطمہ بنت خطاب نے ان کے ایمان لانے کے لالچ میں فرمایا: اے میرے بھائی آپ اپنے مشرک ہونے کے سبب ناپاک ہیں، اور اس کلام کو پاک لوگوں کے سوا

1۔ احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ رضی اللہ عنہم، 01:279

2۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، شرکہ مکتبہ ومطبعہ مصطفی البابی الحلبی واولادہ بمصر، ط 1955ء، 1:135

کوئی نہیں چھوسکتا۔ عمر کھڑے ہوئے غسل کیا اور فاطمہ کو وہ صحیفہ لوٹا دیا، فاطمہ نے سورہ طہ کی چند آیات پڑھیں جب وہ تلاوت کررہی تھیں، حضرت عمرؓ کا سینہ کھل رہا تھا۔ آپ نے فرمایا یہ کلام کتنا بہترین ہے۔''

فاطمہ بنت خطاب کا انداز بیان اور اسلوب دعوت میں ان کے نڈر پن نے حضرت عمرؓ پر گہرے اثرات ڈالے اور انہیں حیران کردیا کہ اس دین اور کلام اللہ میں کوئی ایسی خاص بات ضرور ہے جسے ان کی بہن نے قبول کیا ہے اور اس پر دلجمعی سے قائم ہیں اور آپ کی سخت گیری کے باوجود آپ کو بھی ساتھ ساتھ دعوت دے رہی ہیں، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ مشرف بہ اسلام ہوگئے۔

اُمِ سلیم رضی اللہ عنہا:

مکالماتی گفتگو کا ایسا ہی ایک انداز اُم سلیم رضی اللہ عنہا کا ہے جنہوں نے ابوطلحہ کو عقلی دلائل دیتے ہوئے اور ان کی نفسیات کو مدنظر رکھتے ہوئے انھیں دعوت دی، جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ مشرف بہ اسلام ہوگئے۔

ابن سعدؒ طبقات میں یہ روایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عن أنس، أن أبا طلحة خطب أم سليم فقالت: يا أبا طلحة الست تعلم أن إلهك الذى تعبد خشبة تنبت من الأرض نجرها حبشي بني فلان، قال: بلى، قالت: أفلا تستحيي أن تعبد خشبة من نبات الأرض نجرها حبشي بني فلان؟ إن أنت أسلمت لم أرد منك من الصداق غيره. قال: لا حتى انظر في أمري فذهب ثم جاء فقال أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله ۔[1]

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے جب سیدہ اُم سلیم رضی اللہ عنہا سے نکاح کی

1۔ محمد ابن سعد، الطبقات ابن سعد، 8:498

خواہش ظاہر کی تو انھوں نے کہا: ''ابوطلحہ! کیا تم کو یہ خبر نہیں کہ جس بت کو تم پوجتے ہو وہ ایک درخت ہے جو زمین سے اُگا ہے اس کو فلاں حبشی نے گھڑ کر تیار کیا ہے''، بولے: ''مجھے معلوم ہے''، فرمایا: کیا تمہیں اس کی عبادت سے شرم نہیں آتی؟ انہوں نے مزید کہا: اگر آپ اسلام قبول کریں گے تو میں آپ سے شادی کے لیے تیار ہوں اور اس کے علاوہ آپ سے کسی اور چیز کو بطور حق مہر نہیں لیتی، انہوں نے کہا: مجھے مہلت دیجئے کہ میں غور کروں۔ پس وہ چلے گئے اور غور وفکر کیا، پھر واپس آکر کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں''۔

اُم سلیم رضی اللہ عنہا کا انداز بیان اور عقلی دلائل کے ذریعے نفسیاتی پہلو کو مدنظر رکھنا ان کی دعوت کی اصل کامیابی تھی، جس کی وجہ سے ابوطلحہ پر ایسا اثر ہوا کہ وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

3۔ مناسب وقت کا انتظار/ موقع کی مناسبت:

دعوتِ دین کے ہر کارکن کو اپنے گرد وپیش کا پوری ہوشیاری اور مستعدی سے جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ دعوت کی تخم ریزی کے لیے جیسے ہی کوئی مناسب موقع ہاتھ آئے، وہ بڑی ہوشیاری کے ساتھ اس سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ صحابیاتؓ کی سیرت کے تفصیلی مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انھوں نے بھی دعوت وتبلیغ کے لیے بارہا اس اسلوب کو اختیار کیا، جن کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

جاہلیت کے زمانہ میں لوگ بچوں کے بچھونوں کے نیچے استرا رکھ دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس طرح بچے آسیب سے محفوظ رہتے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی بچے کے سرہانے استرا دیکھا تو منع فرمایا اور کہا: ''رسول صلی اللہ علیہ وسلم ٹوٹکے کو سخت ناپسند

فرماتے تھے۔''[1]

انسانی نفسیات میں بعض اوقات اس طرح کے وساوس پیدا ہوتے ہیں جن کا حقیقت اور شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور خاص طور پر خواتین کی نفسیات پر ان کا غلبہ ہوتا ہے جن کی تردید حضرت عائشہؓ نے موقع کی مناسبت سے صاف الفاظ میں کی تا کہ خواتین اس طرح کے افعال سے آئندہ زندگی میں باز رہیں۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس ایک بچے کو لایا گیا، جو پھوڑے نکلنے کی وجہ سے بیماری میں مبتلا تھا، ان کے پاس لانے سے پہلے بچے کو اس کے گھر والوں نے شفاء کی نیت سے لوہے کی پازیبیں پہنا رکھی تھیں، ان کو دیکھ کر حضرت عائشہؓ نے بہت بہترین انداز میں انھیں یہ بات سمجھا دی۔ چنانچہ حدیث کی کتابوں میں یہ روایت موجود ہے، امام حاکم بکیرؒ کے حوالے سے روایت نقل کرتے ہیں:

حدثه أن أمه، حدثته أنها أرسلت إلى عائشة رضي الله عنها بأخيه مخرمة، وكانت تداوي من قرحة تكون بالصبيان. فلما داوته عائشة وفرغت منه رأت في رجليه خلخالين جديدين فقالت عائشة: أظننتم أن هذين الخلخالين يدفعان عنه شيئا كتبه الله عليه لو رأيتها ما تداوي عندي وما مس عندي لعمري لخلخالان من فضة أطهر من هذين۔[2]

''ان کے بھائی نے ان سے بیان کیا کہ انہوں نے کبیر کے بھائی مخرمہ کو عائشہؓ کے پاس بھیجا اور وہ بچوں کے لیے پھوڑوں کا علاج کیا کرتی تھیں، جب عائشہؓ ان کے علاج سے فارغ ہو چکیں تو انھوں نے بچوں کے پاؤں میں دو نئی پازیبیں دیکھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تم یہ گمان رکھتے ہو کہ یہ پازیبیں اللہ کی طرف سے لکھی ہوئی مصیبت کو ٹال سکتی ہیں؟

1۔ بخاری، ادب المفرد، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، ص:385

2۔ الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، 04:242، کتاب الطب، رقم الحدیث:7508

اگر میں ان کو پہلے دیکھ لیتی تو میرے ہاں ان کا علاج نہ کیا جاتا بلکہ اس کو چھوا بھی نہ جاتا، یقیناً چاندی کی پازیبیں ان سے زیادہ پاکیزہ ہیں''۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس آئے اور وضو کیا، لیکن وضو کرنے میں زیادہ اہتمام نہ کیا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ان کے اس عمل کی تردید کی اور انہیں دوبارہ وضو کرنے کی تلقین کی:

عن سالم، قال: دخلت على عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم يوم توفي سعد بن أبي وقاص، فدخل عبد الرحمٰن بن أبي بكر فتوضا عندها، فقالت : يا عبد الرحمٰن! اسبغ الوضوء، فاني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:ويل للأعقاب من النار۔ [1]

''سعد بن ابی وقاصؓ کی وفات کے دن میں نبی اکرم ﷺ کی زوجہ عائشہؓ کے ہاں آیا، عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بھی وہاں آئے، اور وضو کیا، انہوں (عائشہؓ) نے فرمایا: اے عبدالرحمن وضو پورا کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایڑیوں کے لئے جہنم کی آگ سے ہلاکت ہے۔ (یعنی جو ایڑیاں دوران وضو خشک رہ جائیں، وہ جہنم کی آگ میں داخل کی جائیں گی)۔

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے موقع کی مناسبت سے کیسے مخاطبین کے معاملات کی اصلاح بہت اچھے انداز سے کی اور ان کو حق سمجھا دیا۔

خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا:

زہد میں ابن مبارک ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا نے امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ وہ ایک بہت بڑے

1۔ محمد بن احمد الحنبلی ،تعلیقۃ علی العلل لابن ابی حاتم ،اضواء السلف ،الریاض

منصب پر فائز ہیں جس کا خیال رکھتے ہوئے اپنی رعایا کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔

ابنِ عبدالبر روایت کرتے ہیں کہ:

خرج عمر من المسجد ومعه الجارود العبدي، فإذا بامرأة برزت على ظهر الطريق، فسلم عليها عمر، فردت عليه السلام وقالت: هيات يا عمر، عهدتك وانت تسمى عمير في سوق عكاظ ترعى الضان بعصاك، فلم تذهب الأيام حتى سميت عمر، ثم لم تذهب الأيام حتى سميت أمير المؤمنين، فاتّق الله في الرعية، واعلم أنه من خاف الوعيد قرب عليه البعيد ومن خاف الموت خشي عليه الفوت۔ فقال الجارود:قد أكثرت أيها المرأة على أمير المؤمنين، فقال عمر: دعها، أما تعرفها! فهذه خولة بنت ثعلبه۔ [1]

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کچھ ساتھیوں کے ساتھ مسجد سے نکلے، ایک خاتون ان سے کہنے لگیں: عمر! ایک زمانہ تھا جب میں نے تمہیں عکاظ کے میلے میں دیکھا تھا کہ تم بچوں کو ڈنڈا لیے ڈراتے دھمکاتے تھے، اس وقت تم بہت ہی چھوٹے تھے، اسی وجہ سے لوگ تمہیں عمیر کہتے تھے۔ جب تم جوان ہوئے تو لوگ تمہیں عمر کہنے لگے اور اس پر کچھ زیادہ عرصہ گزرنے نہیں پایا کہ تم امیر المومنین کہلائے جانے لگے۔ (سوچو اللہ نے تمہیں کہاں سے کہاں پہنچایا اور رعایا کے ساتھ اپنی فطری سختی روا نہ رکھو بلکہ) ان کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو، یہ بات ذہن نشین کر لو کہ جس شخص کو اللہ کے عذاب کا خوف ہو گا، وہ قیامت کو دور نہیں سمجھ سکتا اور جس کو موت کا کھٹکا لگا، وہ لاابالی زندگی نہیں گزار سکتا بلکہ اس کو نیکیوں کو ہاتھ سے چھوٹ جانے کا ہر وقت خدشہ

1۔ ابن عبدالبر القرطبی، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، 04:1831

رہتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے اس وقت جو ساتھ تھے انھوں نے خولہؓ سے کہا تم نے امیر المومنین پر ضرورت سے زیادہ نصیحت شروع کر دی ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے انہیں ٹوکا اور فرمایا انہیں نصیحت کرنے دو، تم جانتے نہیں ہو کہ یہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

اس روایت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت خولہؓ نے موقع کی مناسبت سے انھیں ایک ایمان امروز نصیحت فرمائی جسے حضرت عمرؓ نے بغور سنا، تاکہ وہ منصبِ خلافت کی ذمہ داریاں مکمل ذمہ داری کے ساتھ نبھا سکیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا:

ایک مرتبہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے بال منتشر اور بکھرے ہوئے تھے۔ تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یہ کیسی حالت بنا رکھی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ان کی کنگھی کرنے والی عورت کے ایام ماہواری چل رہے ہیں، چونکہ ان دنوں میں ان سے کسی قسم کا استفادہ درست نہیں ہے لہٰذا وہ ان کی کنگھی نہیں کر سکتی تو حضرت میمونہؓ نے ان کی اس غلط فہمی پر انہیں سمجھایا۔

امام احمدؒ نے منبوذ سے روایت نقل کی ہے کہ ان کی والدہ نے انھیں بتایا:

كنت عند ميمونة فأتاها ابن عباس فقالت: يا بني مالك شعثا رأسك؟ قال: أم عمار مرجلتي حائض، قالت: أي بني واين الحيضة من اليد؟ كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يدخل على إحدانا وهي حائض فيضع رأسه في حجرها فيقرأ القرآن وهي حائض ثم تقوم أحدانا بخمرته فتضعها في المسجد وهي حائض، اي بني واين الحيضة من اليد۔[1]

1۔ یوسف بن عبدالرحمن المزی، تہذیب الکمال، مؤسسہ الرسالہ، بیروت، 28:488

کہ وہ نبی ﷺ کی زوجہ اُم المومنین میمونہؓ کے پاس بیٹھی تھیں، کہ ابن عباسؓ ان کے پاس آئے، انہوں (میمونہؓ) نے دریافت کیا: تمہارے بال کیوں بکھرے ہوئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا میری کنگھی کرنے والی عورت اُم عمارہ بیماری کے دنوں میں ہے۔ انہوں نے فرمایا: اے میرے چھوٹے بیٹے! حیض کا ہاتھ سے کیا تعلق؟ بے شک نبی ﷺ ہم میں سے ایک کے ہاں تشریف لاتے اور وہ بیماری کے دنوں میں ٹیک لگا کر بیٹھی ہوتیں، آپ ﷺ ان کے ساتھ ٹیک لگا لیتے اور اسی حالت میں قرآن کریم کی تلاوت فرماتے اور بسا اوقات آپ ﷺ تشریف لاتے اور وہ بیماری کی حالت میں بیٹھی ہوتیں تو آپ ﷺ ان کی گود میں ٹیک لگا لیتے اور اسی حالت میں قرآن کریم کی تلاوت فرماتے اور وہ بیماری ہی کے دنوں میں اٹھتیں اور آپ ﷺ کی نماز کی جگہ میں آپ ﷺ کے لئے کپڑا بچھاتیں، اسی کپڑے میں میرے گھر میں نماز ادا فرماتے۔ اے میرے چھوٹے بیٹے! حیض کا ہاتھ سے کیا تعلق ہے؟

اس واقعے میں اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے ابن عباسؓ کے اس فعل پر جو شرعی اعتبار سے مناسب نہیں تھا، انہیں سمجھایا اور ان کی اصلاح کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بھی استدلال کیا۔

4۔ مناسب طلب/ آمادگی کا ہونا:

مناسب طلب اور ذہنی آمادگی کے بغیر دنیا کا کوئی کام بھی انسان خوش اسلوبی اور کامیابی سے انجام نہیں دے سکتا، دعوت و تبلیغ کے لیے ذہنی آمادگی اولین شرط ہے۔ جب کوئی شخص کسی مسئلہ کو جاننے کی خواہش کرے، اس کے بارے میں سوال کرے اور اس کا دل اس کی طرف متوجہ ہو، اس وقت مسئلہ بتانے سے اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور زیادہ پختگی سے ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر سوال کیے بغیر اور جذبہ شوق کو

ابھارے بغیر معلومات دی جائیں تو اس قدر فائدہ نہیں ہوتا۔ اس لیے کارِ دعوت میں مشغول ہر شخص کو مخاطب کی ذہنی آمادگی کا خیال رکھنا چاہیئے، تاکہ اس کی دعوت موثر ہو۔ صحابیات رضی اللہ عنہن کی سیرت سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ جب تک مخاطب کی ذہنی آمادگی اور خلوص نیت کا جائزہ نہ لے لیتیں، اس وقت تک اس کو دعوت نہ دیتیں۔ اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

امیر معاویہؓ کا حضرت عائشہؓ سے نصیحت طلب کرنا:

ترمذی شریف میں ایک روایت ہے کہ:

حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ عَبْدِ الْوَهَّابِ بْنِ الْوَرْدِ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ قَالَ كَتَبَ مُعَاوِيَةُ إِلَى عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنْ اكْتُبِي إِلَيَّ كِتَابًا تُوصِينِي فِيهِ وَلَا تُكْثِرِي عَلَيَّ فَكَتَبَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا إِلَى مُعَاوِيَةَ سَلَامٌ عَلَيْكَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ الْتَمَسَ رِضَا اللَّهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللَّهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَمَنْ الْتَمَسَ رِضَا النَّاسِ بِسَخَطِ اللَّهِ وَكَلَهُ اللَّهُ إِلَى النَّاسِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ۔[1]

’’عبدالوہاب بن ورد سے روایت ہے کہ ان سے مدینہ کے ایک شخص نے بیان کیا: معاویہؓ نے ام المومنین عائشہؓ کے پاس ایک خط لکھا کہ مجھے ایک خط لکھیے اور اس میں کچھ وصیت کیجئے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہؓ کے پاس خط لکھا: دعا وسلام کے بعد! معلوم ہو کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ’’جو لوگوں کی ناراضگی میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو تو لوگوں سے پہنچنے والی تکلیف کے سلسلے میں اللہ اس

1۔ ترمذی، سنن، أبواب الزهد عن رسول الله ﷺ، باب منه عاقبة من التمس رضا الناس بسخط الله ومن عكسه، رقم الحديث: 2414

کے لیے کافی ہوگا اور جو اللہ کی ناراضگی میں لوگوں کی رضا کا طالب ہو تو اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کو اسے تکلیف دینے کے لیے مقرر کر دے گا‘‘، (والسلام علیک تم پر اللہ کی سلامتی نازل ہو)

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طلب اور نصیحت حاصل کرنے کی آمادگی پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بہترین انداز میں نصیحت فرمائی، تاکہ وہ اپنی منصبی ذمہ داری کو احسن انداز میں پورا کر سکیں۔

اُم ایمن رضی اللہ عنہا:

جب منافقین نے اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھا تو آنحضرت ﷺ نے اُم ایمنؓ سے پوچھا کہ تم عائشہؓ کے بارے میں کیا جانتی ہو وہ تمہاری نظر میں کیسی ہیں؟

تو اُم ایمنؓ نے برملا کہا:

’’اے اللہ کے رسول! میں اپنی آنکھوں اور کانوں کا اچھی طرح خیال رکھتی ہوں، میری معلومات کے مطابق عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سراپا خیر وبرکت ہیں‘‘۔[1]

اُم ایمنؓ سے آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں رائے لی تاکہ آپ ﷺ حقیقت تک پہنچ سکیں، اس کا جواب اُم ایمنؓ نے مدبرانہ انداز میں حقیقت بیان کرتے ہوئے دیا تاکہ آپ ﷺ کو حقیقت پتہ چل جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مطمئن ہو جائیں۔

5۔ دعوت میں ایجاز واختصار:

دعوت وتبلیغ کو مؤثر بنانے کے لئے مضامینِ دعوت کا واضح، دوٹوک اور مختصر ہونا

1۔ الواقدی، محمد بن عمر، المغازی، دار الاعلمی، بیروت، 02:426

بھی ایک بہترین اسلوب ہے جو کہ صحابیاتؓ کی سیرت میں نمایاں نظر آتا ہے۔اس کی چیدہ چیدہ مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما:

آپؓ نے اپنے شوہر زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ساتھ مفلسی کی زندگی بسر کی،لیکن جب مالی حالت بہتر ہوئی تو اس کے باوجود ان کی طرزِ معاشرت میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔آپؓ کثرت سے صدقہ وخیرات کرنے والی تھیں، بیماری کے بعد شفاء یاب ہو کر انہوں نے بہت سے غلام بھی آزاد کئے اور اپنی اولاد کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

انفقوا وتصدقوا ولا تنتظروا الفضل۔[1]

''خرچ کرو،صدقہ وخیرات دو اور فروانی کا انتظار نہ کرو''۔

دعوت وتبلیغ کا یہ انوکھا انداز جس میں اختصار وایجاز پایا جاتا ہے وہ مخاطب کے دل ودماغ پر حاوی ہوجاتا ہے اور وہ اس کو قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

حضرت معاذہ عدویہ رضی اللہ عنہا:

آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی رضاعی بیٹی کو اکلِ حرام سے بچنے کی مختصر مگر جامع انداز میں تاکید فرمائی:

كانت معاذة العدوية أرضعت ام الاسود، وقالت ام الاسود: قالت لى معاذة العدوية: لا تفسدى رضاعى بأكل الحرام، فانى جهدت جهدى حين أرضعتك حتى أكلت الحلال فاجتهدى أن لا تأكلى إلا حللا لعلك أن توفقى لخدمة سيدك والرضا بقضائه۔[2]

''معاذہ عدویہؓ نے اُم اسود کو دودھ پلایا تھا،اُم اسود نے بیان کیا کہ معاذہ

1۔ابو نعیم الاصفہانی،حلیۃ الاولیاؤ طبقات الاصفیاء،01:333

2۔ابن الجوزی،صفۃ الصفوۃ،دار الحدیث،القاہرہ،مصر،02:247

عدویہؓ نے ان سے فرمایا:''حرام کھا کر میرے دودھ کو خراب نہ کرنا،میں نے تمہاری مدت رضاعت کے دوران انتہائی جدوجہد کر کے حلال کھایا، خوب کوشش کرنا کہ تم حلال ہی کھاؤ،شاید کہ تمہیں اپنے مالک کی بندگی اور اس کے فیصلے پر راضی ہونے کی سعادت میسر آجائے۔''

یہی وہ اسلوبِ دعوت تھا کہ جس کا یہ اثر ہوا کہ اُم اسود نے زندگی بھر معاذہ عدویہؓ کی نصیحت پر عمل کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

6۔مخاطب کی عزت نفس کا خیال رکھنا/عمومی وضاحت پر اکتفاء کرنا:

اگر داعی غلطی کرنے والے کو براہِ راست مخاطب کرنے کی بجائے اشارے کنائے میں اس کی غلطی کو واضح کرتا ہے تو اس صورت میں غلطی کرنے والے کی عزتِ نفس مجروح نہیں ہوتی، نیز وضاحت کے اس عمومی انداز سے مخاطب کی طرف سے کسی قسم کے منفی ردعمل کا بھی کوئی خطرہ نہیں رہتا اور شیطان اس کے انتقامی جذبات کو ہوا دے کر انتقام کی طرف مائل نہیں کرسکتا، ویسے بھی اس اسلوب سے مخاطب کے دل میں داعی کی قدرو منزلت بڑھ جاتی ہے اور وہ اس کی بات کو زیادہ توجہ اور انہماک سے سنتا ہے۔

دعوت کا یہ اسلوب اس وقت موثر ہوتا ہے جب مخاطب کی غلطی عام لوگوں سے پوشیدہ ہو،لیکن اگر اکثر لوگوں کو اس کا علم ہو اور اسے یہ معلوم ہو کہ اکثر لوگ اسے جانتے ہیں تو ایسی صورت میں دعوت وتبلیغ کا یہ اسلوب سخت زجر وتوبیخ کا حامل اور غلطی کرنے والے کے لیے رسوائی کا باعث بن جاتا ہے۔

اگر بات بھلائی اور خیر خواہی کے جذبے سے کی جائے تو یہ ایسا انداز تربیت ہے کہ جس سے غلطی کرنے والے کو بھی فائدہ ہوتا ہے اور عام لوگوں کو بھی،بشرطیکہ اسے استعمال کرتے ہوئے حکمت سے کام لیا جائے۔صحابیاتؓ نے بارہا اس اسلوب کو اختیار کیا اور غلطی کرنے والے کو براہِ راست مخاطب کرنے کی بجائے عمومی وضاحت پر اکتفا کیا،تا

کہ مخاطب کی عزتِ نفس بھی مجروح نہ ہو اور اس کی اصلاح بھی ہو جائے۔ اس اسلوبِ دعوت کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا:

آپ رضی اللہ عنہا نے عبدالملک کو نصیحت کی کہ وہ خلیفہ بننے کے بعد ظلم وستم سے پرہیز کریں:

قال: كنت أجالس بريرة بالمدينة قبل أن ألي هذا الأمر، فكانت تقول لي: يا عبد الملك، إني أرى فيك خصالا وإنك لخليق أن تلي هذا الأمر، فإن وليت هذا الأمر فاحذر الدماء، فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن الرجل ليدفع عن باب الجنة بعد أن ينظر إليها بملء محجمة من دم يريقه من مسلم بغير حق۔[1]

”عبدالملک بن مروان نے اس کو بتلایا کہ وہ اس منصب کو سنبھالنے سے پیشتر (خلیفہ بننے سے پہلے) مدینہ میں بریرہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا کرتا تھا اور وہ مجھے فرمایا کرتی تھیں: اے عبدالملک! میں تم میں کچھ خصلتیں دیکھتی ہوں اور بلاشبہ تم اس منصب کو پانے کے اہل ہو، اگر تمہیں اس منصب پر فائز کیا گیا تو خون ریزی سے بچنا کیوں کہ میں نے یقیناً رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: بلاشبہ مسلمان کا سنگھی کی بھرائی کے برابر ناحق خون بہانے والے شخص کو جنت کے دروازے کو دیکھنے کے بعد وہاں سے دھتکار دیا جائے گا“۔

یعنی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے عبدالملکؒ کی عزتِ نفس کا خیال رکھتے ہوئے انہیں نصیحت کی، جس کا تذکرہ عبدالملک خود کیا کرتے تھے۔

1۔ ابن عبدالبر القرطبی، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، 04:1795

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے یہ تھی کہ اگر کوئی آدمی فوت ہو جائے اور اس کے گھر والے اس پر روئیں تو خواہ اس میت نے ان کو وصیت کی ہو یا نہ کی ہو، اس کو عذاب دیا جاتا ہے۔ جب اس بات کی اطلاع حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ہوئی تو انھوں نے اس نظریے کو رَد کیا اور ان کی عزتِ نفس کو مدنظر رکھتے ہوئے عمدہ انداز میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے دلیل دی۔

امام ترمذیؒ کی روایت ہے کہ:

عَنْ عَمْرَةَ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ وَذُكِرَ لَهَا أَنَّ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ عَلَيْهِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ غَفَرَ اللَّهُ لِأَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَمَا إِنَّهُ لَمْ يَكْذِبْ وَلَكِنَّهُ نَسِيَ أَوْ أَخْطَأَ إِنَّمَا مَرَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى يَهُودِيَّةٍ يُبْكَى عَلَيْهَا فَقَالَ إِنَّهُمْ لَيَبْكُونَ عَلَيْهَا وَإِنَّهَا لَتُعَذَّبُ فِي قَبْرِهَا....[1]

”عمرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو کہتے سنا اور ان سے ذکر کیا گیا تھا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میت پر لوگوں کے رونے کی وجہ سے اُسے عذاب دیا جاتا ہے (عائشہؓ نے کہا:) اللہ ابوعبدالرحمنؓ کی مغفرت فرمائے، سنو، انہوں نے جھوٹ نہیں کہا بلکہ ان سے بھول ہوئی ہے یا وہ چوک گئے ہیں۔ بات صرف اتنی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک یہودی عورت کے پاس سے ہوا جس پر لوگ رو رہے تھے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ لوگ اس پر رو رہے ہیں اور اسے قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے“۔

1۔ ترمذی، سنن، ابواب الجنائز عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی الرخصۃ فی البُکاء علی المیت، رقم الحدیث: 1006

یہاں دیکھا جا سکتا ہے کہ سیدہ عائشہؓ نے کیسے مخاطب کی عزت نفس کا خیال رکھتے ہوئے اپنی بات سامعین کو سمجھا دی۔

7۔تشبیہ وتمثیل سے وضاحت:

استعارہ تشبیہ اور تمثیل فصیح و بلیغ کلام کا لازمی عنصر ہیں جو کلام کی زیب و زینت مزید سنوار دیتے ہیں، ان کی وجہ سے معنی و مفہوم قریب الفہم ہو جاتا ہے، تشبیہ و تمثیل اور لطیف استعارے سے کلام میں جو وسعت اور قوت پیدا ہوتی ہے وہ کسی اور ذریعے سے ممکن نہیں۔

تعلیم و تعلم اور دعوت و تبلیغ میں ہر مکتبہ فکر اور مختلف رجحانات و خیالات کے افراد سے واسطہ پڑتا ہے جس میں خواندہ و ناخواندہ، حضروی و بدوی ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، چنانچہ داعی کو ہر ایک کی ذہنی سطح کے مطابق گفتگو کرنی پڑتی ہے جس سے وہ بات سمجھ جائے اور پیغام کی طرف متوجہ ہو۔

صحابیاتؓ دعوت و تبلیغ اور لوگوں کی تربیت میں اس اسلوب کو اختیار کرتی تھیں، یہ ایسا اسلوبِ دعوت ہے جس میں مشکل ترین بات کو بھی عام فہم چیز کی مثال دے کر آسانی سے سمجھایا جا سکتا ہے۔ قرآنِ حکیم نے بھی اسی اسلوب کو اختیار کرتے ہوئے مشکل اور پیچیدہ خیالات کو معمولی چیزوں کے ساتھ تشبیہ دے کر نہایت عمدگی کے ساتھ سمجھایا ہے، مثلاً قرآن مجید نے کلمہ طیبہ کی مثال ایک عمدہ اور اعلیٰ نسل کے درخت سے دی ہے جس کی جڑیں زمین میں گہری جمی ہوئی ہیں۔[1] اسی طرح کلمہ خبیثہ کی مثال بدذات درخت سے دی گئی ہے، جو بے کار سمجھ کر زمین سے اُکھاڑ پھینکا جاتا ہے۔[2] یہ دعوت کا ایک ایسا اسلوب ہے، جس سے معمولی فہم و فراست رکھنے والا انسان بھی مشکل مسائل کو آسانی سے حل کر سکتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

1۔ ابراہیم،14:24

2۔ ابراہیم،14:26

اُم سلیم رضی اللہ عنہا:

ابوطلحہ کا بیٹا جو اُم سلیمؓ سے تھا، وہ فوت ہو گیا۔ اُم سلیم نے اپنے گھر والوں سے کہا: تم ابھی ابوطلحہ کو بیٹے کی وفات کے بارے میں نہ بتانا، میں اسے خود بتاؤں گی، ابوطلحہ گھر آئے، اُم سلیم نے ان کی خدمت میں شام کا کھانا پیش کیا، انہوں نے کھانا تناول کیا، بعد ازاں اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستر ہوا، جب اُم سلیم نے دیکھا کہ وہ کھانے پینے اور حاجت سے خوش دل ہو چکا ہے تو فرمایا:

''اے ابوطلحہ! کچھ لوگوں نے کوئی چیز امانت کے طور پر رکھی ہو اور پھر وہ اپنی چیز کو واپس لینے کا مطالبہ کر دیں تو کیا وہ چیز ان کو واپس نہیں کرنی چاہیے؟

انہوں نے کہا کیوں نہیں، ان کا حق ہے کہ ان کی وہ چیز ان کے سپرد کر دی جائے۔

سیدہ اُم سلیمؓ نے فرمایا: دیکھیے ہمارا بیٹا ہمارے پاس اللہ کی امانت تھا، آج اس نے ہم سے اپنی امانت واپس لے لی ہے، وہ اللہ کو پیارا ہو چکا ہے، آپ صبر کا دامن تھامتے ہوئے اللہ کے ہاں اجر و ثواب کی نیت کر لیجیے۔''[1]

اُم سلیمؓ کا یہ انداز نہایت مدبرانہ اور منفرد تھا، جس میں انہوں نے پہلے اپنے شوہر کو ان کی خدمت کر کے خوش کیا، پھر انہیں مثال دے کر عمدہ انداز میں اپنی بات پہنچا دی، جس کا اثر یہ ہوا کہ ابوطلحہؓ نے صبر و حوصلہ سے ان کی بات کو سنا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

اُمِ معبد رضی اللہ عنہا:

اُم معبدؓ نے ابومعبد کو نبی اکرم ﷺ کے اوصاف اس قدر فصیح و بلیغ انداز میں بیان کئے کہ وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور آپ ﷺ کی اطاعت کا تہیہ کر لیا۔

ابن کثیر سیرۃ النبویہ میں اُم معبدؓ کا قصہ بیان کرتے ہیں:

1۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب فضائل الصحابہؓ، باب من فضائل ابی طلحہ الانصاری رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث: ۶۳۲۲

فقالت: رأيت رجلا ظاهر الوضاءة حسن الخلق مليح الوجه لم تعبه ثجلة ولم تزر به صعلة، قسيم وسيم، في عينيه دعج وفي أشفاره وطف وفي صوته صحل، أحول أكحل أزجُّ أقرن في عنقه سطع وفي لحيته كثاثه، إذا صمت فعليه الوقار، وإذا تكلم سما وعلاه البهاء، حلو المنطق فصل لا نزر ولا هذر، كأن منطقة خرزات نظم ينحدرن، أبهى الناس وأجمله من بعيد، وأحسنه من قريب ربعة لاتشناه عين من طول، ولا تقتحمه عين من قصر، غصن بين غصنين، فهو أنضر الثلاثة منظرا، واحسنهم قدا، له رفقاء يحفون به، إن قال استمعوا القوله، وإن أمر تبادروا لأمره، محفود محشود، لا عابس ولا مفند، فقال يعني بعلها هذا والله صاحب قريش الذي تطلب، ولو صادفته لالتمست أن أصحبه، ولأجهدن إن وجدت إلى ذلك سبيلا۔[1]

سیدہ اُم معبدؓ رسول اللہ ﷺ کے اوصاف بیان کرتی ہیں کہ:

''چمکتا رنگ، تابناک چہرہ، خوبصورت ساخت، نہ گوندے پن کا عیب نہ گنجے پن کی خامی، جمال جہاں تاب کے ساتھ ڈھلا ہوا پیکر، سرگیں آنکھیں، لمبی پلکیں، بھاری آواز، لمبی گردن، سفید و سیاہ آنکھیں، سیاہ سرمگیں پلکیں، باریک اور باہم ملے ہوئے ابرو، چمکدار کالے بال، خاموش ہوں تو پروقار، گفتگو کریں تو پرکشش، دور سے دیکھنے میں سب سے تابناک و پر جمال، قریب سے خوبصورت اور شیریں، گفتگو میں چاشنی، بات واضح اور دوٹوک، نہ مختصر نہ فضول، انداز ایسا کہ لڑی سے موتی جھڑ رہے ہیں۔ دور سے سب لوگوں سے

1۔ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، دارالمعرفہ للطباعہ والنشر والتوزیع بیروت، لبنان، 02:261

زیادہ خوبصورت دکھائی دیں اور قریب سے سب سے بڑھ کر حسین لگیں، درمیانہ قد نہ اتنے لمبے کہ دراز قد ہونا دیکھنے میں ناگوار لگے اور نہ ہی اتنے پست قد کہ ان کا چھوٹا ہونا نگاہ کو نہ جچے، دوٹہنیوں کے درمیان تیسری تر و تازہ ٹہنی جو سب سے زیادہ تازہ و خوش نظر ہو، رفقاء آپ ﷺ کے گرد حلقہ بنائے ہوئے، کچھ فرمائیں تو توجہ سے سنتے ہیں، کوئی حکم دیں تو جلدی سے اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں، مطاع و مکرم، نہ ترش رُو نہ لغو گو۔''

یہ اوصاف سن کر ابو معبد کہنے لگے:

''اللہ کی قسم! یہ تو وہی شخص ہیں جنہیں قریش تلاش کرتے پھر رہے ہیں، میں تلاش کرتا ہوں اگر مجھے مل گئے تو میں ان کے ساتھ رہوں گا، اگر مجھے دکھائی دیں تو میں ان کی پیروی کروں گا، پھر کہا میں ان کو تلاش کرنے میں اپنی طرف سے بھرپور کوشش کروں گا۔''

اُمِ معبدؓ کا یہ اندازِ تمثیل ابو معبد کو متاثر کئے بغیر نہ رہ سکا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس شامی عورتیں آئیں تو ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ وہ اپنی بیٹیوں کی کنگھی شراب کے ساتھ کرتی ہے، اس پر حضرت عائشہؓ نے تمثیل کا مناسب اور بہترین انداز اپنا کر اسے سمجھایا۔ امام حاکمؒ سبیعہ اسلمیہ سے روایت کرتے ہیں:

فقالت امرأة منهن: فلي بنات أمشطهن بهذا الشراب، قالت: بأي الشراب؟ فقالت: الخمر، فقالت عائشة رضي الله عنها: أفكنت طيبة النفس أن تمتشطي بدم خنزير؟ قالت: لا، قالت- فانه مثله۔[1]

1۔الحاکم محمد بن عبداللہ النیشابوری، مستدرک علی الصحیحین، کتاب الادب، رقم الحدیث:7784

"ان میں سے ایک عورت نے کہا: "میری بیٹیاں ہیں، میں ان کی کنگھی مشروب کے ساتھ کرتی ہوں۔ انہوں نے دریافت کیا: کس مشروب کے ساتھ؟ اس نے جواب دیا، شراب کے ساتھ! عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تم اس بات کو پسند کرتی ہو کہ خنزیر کے خون کے ساتھ کنگھی کرو؟ اس نے عرض کی: نہیں۔ انھوں (حضرت عائشہؓ) نے فرمایا: وہ (شراب) اسی کی مانند ہے"۔

اسی طرح حضرت سعد بن ہشام نے اللہ کی راہ میں جہاد کا ارادہ کیا، انھوں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، تمام جائیدادیں فروخت کرنے کے واسطے مدینہ آئے۔ یہ خبر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہوئی، انھوں نے آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کی مثال دیتے ہوئے انھیں اس عمل سے باز رہنے کا فرمایا۔ امام احمدؒ مسند میں سعد بن ہشام سے روایت کرتے ہیں:

عن سعد بن هشام، قال: أتيت عائشة، فقلت: يا أُم المؤمنين! إني أريد أن اتبتل، فقالت: لا تفعل، ألم تقرأ "لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة"... قد تزوج رسول الله صلى الله عليه وسلم، وولد له۔[1]

"میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، اے اُم المومنینؓ! میں عورتوں سے بغرض جہاد علیحدہ ہونا چاہتا ہوں، انھوں نے فرمایا ایسے نہ کرو، کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی: "تحقیق تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ میں بہترین نمونہ ہے، بلاشبہ آپ ﷺ نے شادی کی اور آپ ﷺ کے ہاں اولاد پیدا ہوئی"۔

آپؓ نے سعد بن ہشام کو نبی پاک ﷺ کی حیات مبارکہ کی مثال دی تاکہ وہ

1۔ابن حنبل، ابوعبداللہ احمد، مسند احمد، الملحق المستدرک من مسند الانصار، رقم الحدیث: 24810

اس عمل کو اپنانے میں دیر نہ کریں۔

حضرت عمرہ رضی اللہ عنہا:

حضرت عمرہؓ خود بھی راتوں کو عبادت کرتی تھیں اور آخری پہر میں خاوند کو بھی عبادت کے لیے جگاتی تھیں۔ ابن جوزیؒ نے ذکر کیا ہے کہ:

امرأة حبيب أبي محمد وانتبهت ليلة وهو نائم، فأنبهته في السحر وقالت له: قم يا رجل فقد ذهب الليل وجاء النهار وبين يديك طريق بعيد وزاد قليل، وقوافل الصالحين قد سارت قدامنا و نحن قد بقينا۔[1]

"ایک رات عمرہؓ بیدار ہوئیں اور ان کے شوہر حبیبؓ سو رہے تھے، انھوں نے سحری کے وقت اپنے شوہر کو یہ کہتے ہوئے بیدار کیا: اے بندے! اٹھو رات بیت چکی ہے اور دن آچکا ہے، آپ کو طویل سفر طے کرنا ہے اور زادِ سفر تھوڑا ہے۔ نیک لوگوں کے قافلے جا چکے ہیں اور ہم پیچھے رہ چکے ہیں۔"

حضرت عمرہ رضی اللہ عنہا کا انداز دعوت وتبلیغ ایسا پرکشش تھا کہ سیدھا مخاطب کے دل میں جا کر گھر کرتا۔

خلاصہ کلام:

خلاصہ یہ کہ جس طرح ایک بیج کے نشوونما پانے کے لیے تنہا بیج کی صلاحیتوں ہی پر نظر نہیں رکھتی پڑتی، بلکہ زمین کی آمادگی و مستعدی اور فصل وموسم کی سازگاری وموافقت کا بھی لحاظ رکھنا پڑتا ہے، اسی طرح کلمہ حق کی دعوت میں مجرد حق کی فطری صلاحیتوں پر ہی اعتماد نہیں کر لینا چاہیے بلکہ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ جن لوگوں کے سامنے وہ حق پیش کیا جا رہا ہے دعوت کے وقت نفسیاتی نقطہ نظر سے ان کی حالت کیا ہے؟ صحابیاتؓ کی مقبولیت کی

1۔ابن جوزی، صفۃ الصفوۃ، دار الحدیث القاہرۃ، مصر، 02:249

بنیادی وجہ یہی تھی کہ انھوں نے ہمیشہ دعوت وتبلیغ میں انسانی نفسیات کا بھرپور خیال رکھا۔ ان کے اسلوبِ دعوت میں مدعو کی تعریف وتحریک، حوصلہ افزائی، سوال وجواب، باہمی گفتگو، مناسب وقت کا انتظار، موقع کی مناسبت، مخاطب کی مناسب طلب اور آمادگی کا ہونا، ایجاز واختصار، مخاطب کی عزت نفس کا خیال رکھنا اور عمومی وضاحت پر اکتفاء کرنا نیز تشبیہ وتمثیل سے وضاحت کرنا جیسی تمام خوبیاں شامل تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابیاتؓ کا اسلامی تاریخ میں بالخصوص دعوت کے میدان میں نمایاں کردار نظر آتا ہے۔

صحابیاتؓ کی دعوت وتبلیغ میں

مذہبی، علمی اور جہادی خدمات

صحابیاتؓ کے کارنامے تمدنِ انسانی کے تمام عنوانات پر منقسم ہیں، یہاں ہم ان کی مذہبی، علمی اور جہادی خدمات پر روشنی ڈالیں گے۔

صحابیاتؓ کی مذہبی وعلمی خدمات:

صحابیاتؓ کی علمی خدمات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں، ابتدائے اسلام کی مشکلات کی اگر بات کریں تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا صبر واستقلال اور آپ ﷺ کو تسلی ودلاسہ دینا دعوتِ دین کی راہ ہموار کرنے کی ایک عظیم الشان مثال ہے اور اسی سے ان کے فہم وفراست کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے گھر کے اندر کی تمام زندگی ہمیں اُمہات المومنین بالخصوص اُم المومنین اماں عائشہ صدیقہؓ کی روایات سے ملتی ہے۔ کتبِ احادیث کا ایک بڑا حصہ ایسا ہے جہاں روایات صحابیاتؓ سے لی گئی ہیں۔ ہم ذیل میں چند صحابیاتؓ کا تذکرہ کریں گے جن سے روایات لی گئی ہیں اور بلاشبہ یہ ان کی علمی خدمات ہی ہیں۔

اُم المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا:

اُم المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی القریشیہ اسدیہ، نبی کریم ﷺ کی پہلی زوجہ ہیں اور اُم المومنین ہونے کا شرف بھی ان کو حاصل

ہے۔آپؓ سیدہ فاطمہؓ کی والدہ ہیں اور حسنین کریمینؓ کی نانی ہیں۔عورتوں میں آپؓ نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی تصدیق کی۔ان کی والدہ کا نام فاطمہ تھا۔آپؓ نے چالیس سال کی عمر میں حضور ﷺ سے شادی کی۔اس وقت جناب رسالت مآب ﷺ کی عمر شریف پچیس سال تھی۔سید عالم ﷺ کے نکاح میں آنے سے پہلے یکے بعد دیگرے دو شوہروں سے نکاح کر چکی تھیں اور ہر ایک سے اولاد بھی ہوئی تھی ایک شوہر ابو ہالہ اور دوسرے عتیق بن عائد تھے، اس میں سیرت نگاروں کا اختلاف ہے کہ ان دونوں میں اول کون تھے اور دوم کون؟ جناب استیعاب اس اختلاف کو نقل کرنے کے بعد ابو ہالہ کو اول اور عتیق کو دوم قرار دینے کو ترجیح دیتے ہیں۔فرماتے ہیں:

والقول الأول أصح إنشاء الله تعالى.[1]

''پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے ان شاء اللہ تعالیٰ''۔

جب حضرت خدیجہؓ کے دونوں شوہر یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے تو ان کے بعد وہ حرمِ نبوی ﷺ میں آکر اُم المومنین کا لقب پا گئیں۔حضرت خدیجہؓ سب سے پہلے اسلام لائیں اور اسلام کے فروغ میں پوری طرح حصہ لیا۔اسلام کے فروغ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بہت بڑا حصہ ہے۔نبوت سے پہلے حضور اقدس ﷺ تنہائی میں عبادت کرنے کے لیے غارِ حرا میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے لیے کھانے پینے کا سامان تیار کر کے دے دیا کرتی تھیں۔آپ ﷺ غار حرا میں کئی کئی راتیں رہتے تھے، ایک دن حسب معمول آپ ﷺ حرا میں مشغولِ عبادت تھے کہ فرشتہ آیا اور اس نے کہا ''اقراء'' یعنی ''پڑھیے،'' آپ ﷺ نے جواب دیا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔فرشتہ نے آپ کو پکڑ کر اپنے سے چمٹا کر خوب زور سے دبا کر چھوڑ دیا اور پھر پڑھنے کو کہا، آپ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔فرشتے نے پھر

1۔القرطبی،ابن عبدالبر،الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب:18،17:04

تیسری مرتبہ آپ ﷺ کو اپنے سے چمٹایا اور خوب زور سے دبا کر آپ ﷺ کو چھوڑ دیا اور اور خود پڑھنے لگا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ۔ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ۔[1]

اس سارے واقعے کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے:

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، وحَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ مَرْوَانَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي رِزْمَةَ، أَخْبَرَنَا أَبُو صَالِحٍ سَلْمَوَيْهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ، عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ، أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُ، أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: كَانَ أَوَّلَ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ فِي النَّوْمِ، فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ، ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ، فَكَانَ يَلْحَقُ بِغَارِ حِرَاءٍ، فَيَتَحَنَّثُ فِيهِ، قَالَ: وَالتَّحَنُّثُ التَّعَبُّدُ اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى أَهْلِهِ وَيَتَزَوَّدُ لِذَلِكَ، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى خَدِيجَةَ فَيَتَزَوَّدُ بِمِثْلِهَا، حَتَّى فَجِئَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِي غَارِ حِرَاءٍ، فَجَاءَهُ الْمَلَكُ، فَقَالَ: اقْرَأْ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا أَنَا بِقَارِئٍ، قَالَ: فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدَ، ثُمَّ أَرْسَلَنِي، فَقَالَ: اقْرَأْ، قُلْتُ: مَا أَنَا بِقَارِئٍ، فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّانِيَةَ حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدَ، ثُمَّ أَرْسَلَنِي، فَقَالَ: اقْرَأْ، قُلْتُ: مَا أَنَا بِقَارِئٍ، فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدَ، ثُمَّ أَرْسَلَنِي، فَقَالَ: اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ. خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اقْرَأْ وَرَبُّكَ

1۔ العلق،96: 05-01

الْأَكْرَمُ. الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ.. الْآيَاتِ إِلَى قَوْلِهِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ. (سورة العلق آية 1 - 5) فَرَجَعَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْجُفُ بَوَادِرُهُ حَتَّى دَخَلَ عَلَى خَدِيجَةَ، فَقَالَ: زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي، فَزَمَّلُوهُ حَتَّى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ، قَالَ لِخَدِيجَةَ: أَيْ خَدِيجَةُ، مَا لِي لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي، فَأَخْبَرَهَا الْخَبَرَ، قَالَتْ خَدِيجَةُ: كَلَّا أَبْشِرْ، فَوَاللَّهِ لَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا، فَوَاللَّهِ إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَصْدُقُ الْحَدِيثَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ، فَانْطَلَقَتْ بِهِ خَدِيجَةُ حَتَّى أَتَتْ بِهِ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلٍ وَهُوَ ابْنُ عَمِّ خَدِيجَةَ أَخِي أَبِيهَا، وَكَانَ امْرَأً تَنَصَّرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعَرَبِيَّ، وَيَكْتُبُ مِنَ الْإِنْجِيلِ بِالْعَرَبِيَّةِ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَكْتُبَ وَكَانَ شَيْخًا كَبِيرًا قَدْ عَمِيَ، فَقَالَتْ خَدِيجَةُ: يَا ابْنَ عَمِّ، اسْمَعْ مِنَ ابْنِ أَخِيكَ، قَالَ وَرَقَةُ: يَا ابْنَ أَخِي، مَاذَا تَرَى؟ فَأَخْبَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرَ مَا رَأَى، فَقَالَ وَرَقَةُ: هَذَا النَّامُوسُ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَى مُوسَى، لَيْتَنِي فِيهَا جَذَعًا لَيْتَنِي أَكُونُ حَيًّا ذَكَرَ حَرْفًا، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوَمُخْرِجِيَّ هُمْ؟ قَالَ وَرَقَةُ: نَعَمْ لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ بِمَا جِئْتَ بِهِ إِلَّا أُوذِيَ، وَإِنْ يُدْرِكْنِي يَوْمُكَ حَيًّا أَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا، ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ أَنْ تُوُفِّيَ وَفَتَرَ الْوَحْيُ فَتْرَةً حَتَّى حَزِنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ [1]

ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، کہا ہم سے لیث بن سعد نے بیان کیا، ان سے عقیل نے، ان سے ابن شہاب نے (دوسری سند) امام بخاریؒ نے کہا اور

1۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، رقم الحدیث: 4953

مجھ سے سعید بن مروان نے بیان کیا اور ان سے محمد بن عبد العزیز بن ابی رزمہ نے، انہیں ابو صالح سلمویہ نے خبر دی، کہا کہ مجھ سے عبد اللہ نے بیان کیا، ان سے یونس بن یزید نے بیان کیا، کہا کہ مجھے ابن شہاب نے خبر دی انہیں عروہ بن زبیر نے خبر دی اور ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک بیوی عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے پہلے سچے خواب دکھائے جاتے تھے چنانچہ اس دور میں آپ جو خواب بھی دیکھ لیتے وہ صبح کی روشنی کی طرح بیداری میں نمودار ہوتا۔ پھر آپ کو تنہائی بھلی لگنے لگی۔ اس دور میں آپ ﷺ غار حرا تنہا تشریف لے جاتے اور آپ وہاں ''تحنث'' کیا کرتے تھے۔ عروہ نے کہا کہ ''تحنث'' سے عبادت مراد ہے، آپ ﷺ وہاں کئی کئی راتیں جاگتے، گھر میں نہ آتے اور اس کے لیے اپنے گھر سے توشہ لے جایا کرتے تھے۔ پھر جب توشہ ختم ہو جاتا پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا کے یہاں لوٹ کر تشریف لاتے اور اتنا ہی توشہ پھر لے جاتے۔ اسی حال میں آپ ﷺ غار حرا میں تھے کہ دفعتاً آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی، چنانچہ فرشتہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا ''پڑھیئے''! نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں''۔ آپ ﷺ نے بیان کیا کہ مجھے فرشتہ نے پکڑ لیا اور اتنا بھینچا کہ میں بے طاقت ہو گیا پھر انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھیئے! میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ انہوں نے پھر دوسری مرتبہ مجھے پکڑ کر اس طرح بھینچا کہ میں بے طاقت ہو گیا اور چھوڑنے کے بعد کہا کہ پڑھیئے! میں نے اس مرتبہ بھی یہی کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ انہوں نے تیسری مرتبہ پھر اسی طرح مجھے پکڑ کر بھینچا کہ میں بے طاقت ہو گیا اور کہا کہ پڑھیئے! اقرأ باسم ربک الذی خلق * خلق الإنسان من علق * اقرأ وربک الأکرم * الذی علم بالقلم۔ ''پڑھیے! اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ جس نے سب کو پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا ہے، آپ پڑھیئے اور آپ کا رب کریم ہے، جس نے

قلم کے ذریعے تعلیم دی ہے“ سے آیت **علم الإنسان ما لم یعلم** تک۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان پانچ آیات کو لے کر واپس گھر تشریف لائے اور گھبراہٹ سے آپ کے مونڈھے اور گردن کا گوشت پھڑک (حرکت کر) رہا تھا۔ آپ ﷺ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ کر فرمایا کہ مجھے چادر اوڑھا دو! مجھے چادر اوڑھا دو! چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ کو چادر اوڑھا دی۔ جب گھبراہٹ آپ ﷺ سے دور ہوئی تو آپ ﷺ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا اب کیا ہوگا مجھے تو اپنی جان کا ڈر ہو گیا ہے، پھر آپ ﷺ نے سارا واقعہ انہیں سنایا۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا ایسا ہرگز نہ ہوگا، آپ ﷺ کو خوشخبری ہو، اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ اللہ کی قسم! آپ تو صلہ رحمی کرنے والے ہیں، آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں، آپ کمزور و ناتواں کا بوجھ خود اٹھا لیتے ہیں، جنہیں کہیں سے کچھ نہیں ملتا وہ آپ کے یہاں سے پا لیتے ہیں۔ آپ ﷺ مہمان نواز ہیں اور حق کے راستے میں پیش آنے والی مصیبتوں پر لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کو لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس آئیں وہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا اور آپؓ کے والد کے بھائی تھے، وہ زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے اور عربی لکھ لیتے تھے جس طرح اللہ نے چاہا انہوں نے انجیل بھی عربی میں لکھی تھی۔ وہ بہت بوڑھے تھے اور نابینا ہو گئے تھے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا چچا اپنے بھتیجے کا حال سنیے۔ ورقہ نے کہا بیٹے! تم نے کیا دیکھا ہے؟ آپ ﷺ نے سارا حال سنایا جو کچھ آپ ﷺ نے دیکھا تھا۔ اس پر ورقہ نے کہا یہی وہ ناموس (جبرائیل علیہ السلام) ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتے تھے۔ کاش میں تمہاری نبوت کے زمانہ میں جوان اور طاقتور ہوتا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہ جاتا۔ پھر ورقہ نے کچھ اور کہا کہ جب آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو مکہ سے نکالے گی۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا کیا واقعی یہ لوگ مجھے مکہ سے

نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا ہاں، جو دعوت آپ لے کر آئے ہیں اسے جو بھی لے کر آیا تو اس سے عداوت ضرور کی گئی۔ اگر میں آپ ﷺ کی نبوت کے زمانہ میں زندہ رہ گیا تو میں ضرور بھرپور طریقہ پر آپ کا ساتھ دوں گا۔ اس کے بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا اور کچھ دنوں کے لیے وحی کا آنا بھی بند ہو گیا۔ آپ ﷺ وحی کے بند ہو جانے کی وجہ سے غمگین رہنے لگے“۔

آپ ﷺ کو نبوت مل جانے کے بعد جب آنحضرت ﷺ نے اسلام کی دعوت دینا شروع کی تو مشرکینِ مکہ آپ ﷺ کے دشمن ہو گئے اور طرح طرح سے آپ ﷺ کو ستانا شروع کر دیا۔ ساری قوم آپ ﷺ کی دشمن ہو گئی اور عزیز و اقارب بھی مخالف ہو گئے، اس آزمائش کے وقت میں آپ ﷺ کے غم خوار آپ ﷺ کے چچا ابو طالب اور آپ ﷺ کی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

ہر وہ مصیبت جو حضور اقدس ﷺ کو دعوت اسلام میں پیش آتی، حضرت خدیجہ پوری طرح اس میں آپ ﷺ کی شریکِ غم ہوتیں اور آپ ﷺ کے ساتھ خود بھی تکلیفیں سہتی تھیں۔ آپؓ نے شعب ابی طالب میں تین سال کا مشکل ترین دور رسول اللہ ﷺ کی معیت میں گزارا۔ آپ ﷺ کی ہمت بندھانے اور بلند ہمتی کے ساتھ ہر آڑے وقت میں آپ ﷺ کا ساتھ دینے کی وجہ سے آپؓ کو ایک خاص فضیلت حاصل ہے۔ آپ ﷺ کو حضرت خدیجہؓ کی دین داری اور راہِ حق پر ان کی استقامت اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے رہنے کی وجہ سے ان سے اس قدر محبت تھی کہ آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کی حیات مبارکہ میں دوسری شادی نہیں کی۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ:

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: "لَمْ يَتَزَوَّجِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى خَدِيجَةَ حَتَّى مَاتَتْ"۔ [1]

1۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب فضائل الصحابہؓ، باب فضائل خدیجہؓ ام المومنین، رقم الحدیث: 6281

''عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی، کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات تک ـــ اور شادی نہیں کی۔

حضرت خدیجہؓ نے 10 نبوی میں ماہ رمضان میں مکہ میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر پینسٹھ (65) سال تھی۔ [1] آپؓ پچیس (25) سال رسول اللہ ﷺ کی صحبت مبارکہ میں رہیں اور دین اسلام کی دعوت و اشاعت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑی رہیں۔ آپؓ مکہ کے حجون قبرستان میں دفن ہوئیں، جسے اب جنت المعلیٰ کہا جاتا ہے۔ اس واقعے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ کیسے سیدہ خدیجہؓ ساری زندگی دعوتِ دین کے لئے اپنے خاوند کے شانہ بشانہ کھڑی رہیں اور اس راستے میں آنے والی تمام تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا، یقیناً یہ عصرِ حاضر کی خواتین کے لئے مشعلِ راہ ہے۔

اُم المومنین عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا:

عائشہ بنت ابی ابکر جن کا اصل نام عائشہ بنت عبداللہ بن عثمان ہے، یہ ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی ہیں، ان کو بھی شرف صحابیت حاصل ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ محترمہ اور اُم المومنین ہیں۔ ان کی والدہ اُم رومان بنت عامر ہیں۔

صحیح بخاری میں عائشہؓ ہی کی روایت ہے کہ:

حَدَّثَنِي فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ تَزَوَّجَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا بِنْتُ سِتِّ سِنِينَ فَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ فَنَزَلْنَا فِي بَنِي الْحَارِثِ بْنِ خَزْرَجٍ فَوُعِكْتُ فَتَمَرَّقَ شَعَرِي فَوَفَى جُمَيْمَةً فَأَتَتْنِي أُمِّي أُمُّ رُومَانَ وَإِنِّي لَفِي أُرْجُوحَةٍ وَمَعِي صَوَاحِبُ لِي

1۔ ابن حجر، عسقلانی، الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، 08:149

فَصَرَخَتْ بِي فَأَتَيْتُهَا لَا أَدْرِي مَا تُرِيدُ بِي فَأَخَذَتْ بِيَدِي حَتَّى أَوْقَفَتْنِي عَلَى بَابِ الدَّارِ وَإِنِّي لَأُنْهِجُ حَتَّى سَكَنَ بَعْضُ نَفَسِي ثُمَّ أَخَذَتْ شَيْئًا مِنْ مَاءٍ فَمَسَحَتْ بِهِ وَجْهِي وَرَأْسِي ثُمَّ أَدْخَلَتْنِي الدَّارَ فَإِذَا نِسْوَةٌ مِنْ الْأَنْصَارِ فِي الْبَيْتِ فَقُلْنَ عَلَى الْخَيْرِ وَالْبَرَكَةِ وَعَلَى خَيْرِ طَائِرٍ فَأَسْلَمَتْنِي إِلَيْهِنَّ فَأَصْلَحْنَ مِنْ شَأْنِي فَلَمْ يَرُعْنِي إِلَّا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضُحًى فَأَسْلَمَتْنِي إِلَيْهِ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ بِنْتُ تِسْعِ سِنِينَ۔ [1]

ترجمہ: مجھ سے فروہ بن ابی المغراء نے بیان کیا، کہا ہم سے علی بن مسہر نے بیان کیا، ان سے ہشام بن عروہ نے، ان سے ان کے والد نے اور ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح جب ہوا تو میری عمر چھ سال کی تھی، پھر ہم مدینہ (ہجرت کر کے) آئے اور بنی حارث بن خزرج کے یہاں قیام کیا۔ یہاں آ کر مجھے بخار چڑھا اور اس کی وجہ سے میرے بال گرنے لگے۔ پھر مونڈھوں تک خوب بال ہو گئے پھر ایک دن میری والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا آئیں، اس وقت میں اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی انہوں نے مجھے پکارا تو میں حاضر ہو گئی۔ مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ میرے ساتھ ان کا کیا ارادہ ہے۔ آخر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر گھر کے دروازہ کے پاس کھڑا کر دیا اور میرا سانس پھولا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں جب مجھے کچھ سکون ہوا تو انہوں نے تھوڑا سا پانی لے کر میرے منہ اور سر پر پھیرا۔ پھر گھر کے اندر مجھے لے گئیں۔ وہاں انصار کی چند عورتیں موجود تھیں، جنہوں نے مجھے دیکھ کر دعا دی کہ خیر و برکت اور اچھا نصیب لے کر آئی ہو، میری ماں نے مجھے انہی کے حوالہ کر دیا اور

1۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب مناقب الانصار، باب تزویج النبی ﷺ عائشہ رضی اللہ عنہا، وقدومہا المدینۃ، وبنائہ بہا، رقم الحدیث: 3894

انھوں نے میری آرائش کی۔ اس کے بعد دن چڑھے اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور انھوں نے مجھے آپ ﷺ کے سپرد کر دیا میری عمر اس وقت نو سال تھی''۔

اسی طرح صحیح میں ابو معاویہ کی روایت سے بحوالہ اعمش، انہوں نے ابراہیم سے، انہوں نے اسود سے، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے نکاح کیا اور میں چھ برس کی تھی، جب میری رخصتی ہوئی تو میں نو برس کی تھی، جب آپ ﷺ نے وفات پائی تو میں اٹھارہ برس کی تھی۔

آپؓ نے رسول اللہ ﷺ سے بے شمار احادیث روایت کی ہیں۔ آپؓ کا علمی حلقے میں بڑا نام تھا اور تمام لوگ یہاں تک کہ بڑے بڑے صحابہ کرامؓ بھی آپؓ کی خدمت میں بڑے مؤدب ہو کر حاضری دیتے تھے۔ صحیح بخاری میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ، كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ"[1]۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''حضرت عائشہؓ کو دوسری تمام عورتوں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جو ثرید کو دوسرے تمام کھانوں پر ہے۔''

شعبیؒ فرماتے ہیں: حضرت مسروقؒ جب حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے تو فرماتے: ''مجھ سے صدیق کی بیٹی صدیقہ نے جو اللہ کے حبیب ﷺ کی محبوبہ ہیں حدیث

1۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب فضل عائشہ رضی اللہ عنہا، رقم الحدیث: 3770

بیان کی''۔ ابوالضحیٰ نے بحوالہ مسروقؒ فرمایا: میں نے اکابر صحابہؓ کو ان سے فرائض کے بارے میں سوال کرتے ہوئے دیکھا۔ اسی طرح عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں: حضرت عائشہؓ تمام لوگوں میں فقیہ، عالمہ تھیں اور عام لوگوں میں اچھی رائے کی مالک تھیں۔

ابو بُردہ بن ابو موسیٰ بحوالہ اپنے والد فرماتے ہیں: ''جب ہمیں کسی معاملے میں کوئی مشکل پیش آتی تو ہم حضرت عائشہؓ سے سوال کرتے، انہیں اس کا علم ہوتا''۔

زہریؒ فرماتے ہیں: اگر حضرت عائشہؓ کا علم جمع کیا جائے اور تمام اُمہات المومنین اور صحابیاتؓ کا علم ان کے مقابلے میں جمع کیا جائے تو حضرت عائشہؓ کا علم زیادہ ہوگا۔

صحیح میں حماد کے طرق سے، ہشام بن عروہ سے بحوالہ اپنے والد مروی ہے کہ:

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ النَّاسُ يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَائِشَةَ قَالَتْ عَائِشَةُ فَاجْتَمَعَ صَوَاحِبِي إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ فَقُلْنَ يَا أُمَّ سَلَمَةَ وَاللَّهِ إِنَّ النَّاسَ يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَائِشَةَ وَإِنَّا نُرِيدُ الْخَيْرَ كَمَا تُرِيدُهُ عَائِشَةُ فَمُرِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَأْمُرَ النَّاسَ أَنْ يُهْدُوا إِلَيْهِ حَيْثُ مَا كَانَ أَوْ حَيْثُ مَا دَارَ قَالَتْ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ أُمُّ سَلَمَةَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ فَأَعْرَضَ عَنِّي فَلَمَّا عَادَ إِلَيَّ ذَكَرْتُ لَهُ ذَاكَ فَأَعْرَضَ عَنِّي فَلَمَّا كَانَ فِي الثَّالِثَةِ ذَكَرْتُ لَهُ فَقَالَ يَا أُمَّ سَلَمَةَ لَا تُؤْذِينِي فِي عَائِشَةَ فَإِنَّهُ وَاللَّهِ مَا نَزَلَ عَلَيَّ الْوَحْيُ وَأَنَا فِي لِحَافِ امْرَأَةٍ مِنْكُنَّ غَيْرِهَا[1]۔

حضرت عروہؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ لوگ حضرت عائشہؓ کی باری کے دن اپنے ہدایا اور نذرانے پیش کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ دیگر ازواج مطہراتؓ حضرت اُم سلمہؓ کے گھر جمع ہوئیں اور کہنے لگیں: اللہ

1۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب فضل عائشہ رضی اللہ عنہا، رقم الحدیث: 3775

کی قسم! اے اُم سلمہؓ! لوگ اپنے ہدایا حضرت عائشہؓ کی باری میں پیش
کرتے ہیں حالانکہ ہم بھی خیر و برکت کی خواہش مند ہیں جیسا کہ حضرت عائشہؓ
خیر و برکت کو چاہتی ہیں۔ اس لیے آپ رسول اللہ ﷺ سے عرض کریں کہ وہ
لوگوں سے کہیں کہ وہ اپنے نذرانے آپ جہاں بھی ہوں پیش کر دیا کریں۔
حضرت اُم سلمہؓ نے اس بات کا ذکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے
منہ پھیر لیا۔ حضرت اُم سلمہؓ کہتی ہیں کہ جب پھر میری باری پر آپ ﷺ
میرے ہاں تشریف لائے تو میں نے دوبارہ عرض کیا تو آپ ﷺ نے پھر مجھ
سے اعراض کیا۔ جب تیسری مرتبہ تشریف لائے تو میں نے پھر اپنے موقف کو
دہرایا۔ اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے سلمہؓ! تم مجھے حضرت عائشہؓ
کے متعلق تکلیف نہ دو۔ اللہ کی قسم! حضرت عائشہؓ کے علاوہ کسی بیوی کے
لحاف میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی۔''

حضرت عائشہؓ نے نبی کریم ﷺ سے بہت سی احادیث مبارکہ روایت کیں،
اسی طرح اپنے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت سعدؓ بن ابی
وقاص، اسیدؓ بن حضیر، جذامہؓ بنت وہب رضی اللہ عنہم اجمعین سے احادیث روایت
کیں۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ سے جن صحابہؓ نے روایت کیا ان میں حضرت عمرؓ اور
ان کے بیٹے عبداللہؓ، ابو ہریرہؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، زید بن خالدؓ، ابن عباسؓ، ربیعہؓ بن
عمرو، سائبؓ بن یزید، صفیہؓ بنت شیبہ، عبداللہؓ بن عامر بن ربیعہ، عبداللہؓ بن حارث بن
نوفل رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ شامل ہیں۔ اسی طرح ان کے گھر میں سے اُن کی بہن اُم
کلثوم، ان کے رضاعی بھائی عوف بن حارث، ان کے بھتیجے قاسم اور عبداللہ بن محمد بن ابی
بکر، ان کے دوسرے بھائی کی بیٹی حفصہ اور اسماء بنت عبدالرحمن بن ابی بکر اور ان کا پوتا
عبداللہ بن ابی عتیق، محمد بن عبدالرحمن، ان کے دونوں بھانجوں عبداللہ اور عروہ جو زبیر بن

عوامؓ کے بیٹے ہیں، جو اسماءؓ بنت ابی بکرؓ سے ہیں، اسماءؓ کے دونوں پوتے عباد اور حبیب
جو عبداللہ بن زبیرؓ کے بیٹے ہیں، حضرت عبداللہؓ کے پوتے عباد بن حمزہ بن عبداللہ بن
زبیر، ان کی بھانجی عائشہ بنت طلحہ جو اُم کلثوم بنت ابی بکر سے ہیں، ان کے موالی ابو عمر،
ذکوان، ابو یونس، ابن فروخ، اکابر تابعینؒ میں سے سعید بن مسیبؒ، عمروؒ بن میمون، علقمہؒ
بن قیس، مسروقؒ، عبداللہؒ بن حکیم، اسودؒ بن یزید، ابوسلمہؒ بن عبدالرحمن، ابووائلؒ اور
دوسرے بہت سے لوگوں نے روایت کیا۔[1]

ایک قول کے مطابق آپؓ 17 رمضان 58ھ میں بروز منگل وفات پا گئیں[2]
اور مدینہ میں بقیع قبرستان میں مدفون ہیں۔

اسماء بنت ابی ابکر صدیق رضی اللہ عنہما:

اسماء بنت ابی ابکر جن کا اصل نام اسماء بنت عبداللہ بن عثمان ہے، یہ بھی ابو بکر
صدیقؓ کی صاحبزادی ہیں، ان کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہے۔ اسماء بنت عبداللہ بن عثمان،
عبداللہ بن زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم کی والدہ ہیں، ان کی والدہ قتلہ یا قتیلہ بنت عبدالعزیٰ
ہیں، آپؓ ابتدائے اسلام میں ہی ایمان لے آئیں۔ ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ آپؓ سترہ
افراد کے بعد ایمان لائیں۔ آپؓ سے زبیر بن عوامؓ نے نکاح کیا۔ جب آپؓ نے ہجرت
کی تو اس وقت آپؓ حاملہ تھیں اور دورانِ ہجرت قباء کے مقام پر ان کے ہاں عبداللہ کی
ولادت ہوئی۔ آپؓ اپنے بیٹے کی خلافت تک بقید حیات رہیں، جب انہیں شہید کر دیا گیا تو
تھوڑے عرصے بعد آپؓ بھی وفات پا گئیں، آپؓ کا لقب ''ذات النطاقین'' تھا۔[3]

ابو عمرؒ فرماتے ہیں کہ ان کا یہ نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رکھا تھا، کیونکہ جب
آپ ﷺ نے ہجرت کا قصد کیا تو انہوں نے آپ ﷺ کے لیے توشہ دان تیار کیا تھا،

1۔ ابن حجر، عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، 08: 285-282
2۔ ابن اثیر، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، 05:344
3۔ ابن حجر عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، 08: 52-51

جب اسے باندھنے کی ضرورت پڑی تو انہوں نے اپنا دوپٹہ پھاڑا، اس کے آدھے حصے سے توشہ دان باندھا اور باقی آدھے کو کمر بند بنالیا۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ:

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي، وَحَدَّثَتْنِي أَيْضًا فَاطِمَةُ، عَنْ أَسْمَاءَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: صَنَعْتُ سُفْرَةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِ أَبِي بَكْرٍ، حِينَ أَرَادَ أَنْ يُهَاجِرَ إِلَى المَدِينَةِ، قَالَتْ: فَلَمْ نَجِدْ لِسُفْرَتِهِ، وَلاَ لِسِقَائِهِ مَا نَرْبِطُهُمَا بِهِ، فَقُلْتُ لِأَبِي بَكْرٍ: "وَاللَّهِ مَا أَجِدُ شَيْئًا أَرْبِطُ بِهِ إِلَّا نِطَاقِي، قَالَ: فَشُقِّيهِ بِاثْنَيْنِ، فَارْبِطِيهِ: بِوَاحِدٍ السِّقَاءَ، وَبِالْآخَرِ السُّفْرَةَ، فَفَعَلْتُ، فَلِذَلِكَ سُمِّيَتْ ذَاتَ النِّطَاقَيْنِ." [1]

ہم سے ابواسامہ نے ہشام بن عروہ سے انہوں نے اپنے والد اور فاطمہ بنت منذر سے اور انہوں نے حضرت اسماءؓ ہی سے حدیث بیان کی، فرماتی ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کا قصد فرمایا تو میں نے ابوبکر صدیقؓ کے گھر نبی کریم ﷺ کے لیے توشہ دان تیار کیا، ہمیں توشہ دان اور مشکیزہ باندھنے کے لیے کوئی شے نہ ملی تو میں نے ابوبکرؓ سے عرض کیا: میرے پاس اپنے کمر بند کے علاوہ کوئی شے نہیں''۔ فرمایا: اسے پھاڑ کر دو حصے کرلو، ان میں سے ایک سے توشہ دان اور دوسرے سے مشکیزہ باندھ دو۔ میں نے ایسا ہی کیا تو اس وجہ سے میرا نام ذات النطاقین رکھا گیا''۔

راوی کا بیان ہے کہ زبیر بن بکار نے اس قصے میں فرمایا: نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمہیں اس کمر بند کے بدلے جنت کے دو کمر بند عطا فرمائے'' اس لیے انہیں ذات النطاقین کہا جاتا ہے۔

حضرت اسماءؓ نے کئی احادیث نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہیں جو صحیحین اور

1۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب حمل الزاد فی الغزو، رقم الحدیث: 2979

سنن میں ہیں۔ ان سے ان کے بیٹوں عبداللہ اور عروہ نے روایت کی اور پوتوں عباد بن عبداللہ، عبداللہ بن عروہ، فاطمہ بنت المنذر بن زبیر، عباد بن حمزہ بن عبداللہ بن زبیر اور آزاد کردہ غلام عبداللہ بن کیسان، ابن عباس، صفیہ بنت شیبہ، ابن ابی ملیکہ اور وہب بن کیسان وغیرہ نے روایت کی ہے۔

اُم المومنین حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما:

اُم المومنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما سیدنا محمد ﷺ کی اہلیہ اور خلیفہ دوم سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ ان کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہے۔ ان کی والدہ زینب بنت مظعون ہیں۔ آپؓ نبی کریم ﷺ سے نکاح سے قبل خنیس بن حذافہؓ کے نکاح میں تھیں، جن کی بعد میں مدینہ میں وفات ہوئی، ان کی وفات کے بعد حضرت حفصہؓ کی عدت مکمل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا۔ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ:

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يُحَدِّثُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ حِينَ تَأَيَّمَتْ حَفْصَةُ بِنْتُ عُمَرَ مِنْ خُنَيْسِ بْنِ حُذَافَةَ السَّهْمِيِّ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتُوُفِّيَ بِالْمَدِينَةِ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَتَيْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَفْصَةَ فَقَالَ سَأَنْظُرُ فِي أَمْرِي فَلَبِثْتُ لَيَالِيَ ثُمَّ لَقِيَنِي فَقَالَ قَدْ بَدَا لِي أَنْ لَا أَتَزَوَّجَ يَوْمِي هَذَا قَالَ عُمَرُ فَلَقِيتُ أَبَابَكْرٍ الصِّدِّيقَ فَقُلْتُ إِنْ شِئْتَ زَوَّجْتُكَ حَفْصَةَ بِنْتَ عُمَرَ فَصَمَتَ أَبُوبَكْرٍ فَلَمْ يَرْجِعْ إِلَيَّ شَيْئًا وَكُنْتُ أَوْجَدَ عَلَيْهِ مِنِّي عَلَى عُثْمَانَ فَلَبِثْتُ لَيَالِيَ ثُمَّ خَطَبَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْكَحْتُهَا إِيَّاهُ فَلَقِيَنِي

أَبُوبَكْرٍ فَقَالَ لَعَلَّكَ وَجَدْتَ عَلَيَّ حِينَ عَرَضْتَ عَلَيَّ حَفْصَةَ فَلَمْ أَرْجِعْ إِلَيْكَ شَيْئًا قَالَ عُمَرُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ أَبُوبَكْرٍ فَإِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أَرْجِعَ إِلَيْكَ فِيمَا عَرَضْتَ عَلَيَّ إِلَّا أَنِّي كُنْتُ عَلِمْتُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ ذَكَرَهَا فَلَمْ أَكُنْ لِأُفْشِيَ سِرَّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوْ تَرَكَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبِلْتُهَا۔ [1]

''ہم سے عبدالعزیز بن عبداللہ نے بیان کیا، کہا ہم سے ابراہیم بن سعد نے بیان کیا، ان سے صالح بن کیسان نے، ان سے ابن شہاب نے بیان کیا کہ مجھے سالم بن عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے عبداللہ بن عمر سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم کے متعلق سنا کہ جب (ان کی صاحبزادی) حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا (اپنے شوہر) خنیس بن حذافہ سہمی کی وفات کی وجہ سے بیوہ ہو گئیں اور خنیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے اور ان کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کے لئے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں اس معاملہ میں غور کروں گا۔ میں نے کچھ دنوں تک انتظار کیا۔ پھر مجھ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ملاقات کی اور میں نے کہا کہ اگر آپ پسند کریں تو میں آپ کی شادی حفصہ رضی اللہ عنہا سے کر دوں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش رہے اور مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ ان کی اس بے رخی سے مجھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ سے بھی زیادہ رنج ہوا۔ کچھ دنوں تک میں خاموش رہا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام بھیجا اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شادی کر دی۔ اس کے

1۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب عرض الانسان ابنتہ او اختہ علی اہل الخیر، رقم الحدیث:5122

بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے ملے اور کہا کہ جب تم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ میرے سامنے پیش کیا تھا تو اس پر میرے خاموش رہنے سے تمہیں تکلیف ہوئی ہوگی کہ میں نے تمہیں اس کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے کہا کہ واقعی ہوئی تھی حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ تم نے جو کچھ میرے سامنے رکھا تھا، اس کا جواب میں نے صرف اس وجہ سے نہیں دیا تھا کہ میرے علم میں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا ہے اور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ دیتے تو میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو اپنے نکاح میں لے آتا''۔

ان سے بھی بہت سے صحابہؓ اور تابعینؒ نے احادیث کو روایت کیا ہے، جن میں ان کے بھائی عبداللہ اور ان کے بیٹے حمزہ، ان کی زوجہ صفیہ بنت ابوعبید، حارثہ بن وہب، مطلب بن ابووداعہ، اُم مبشر انصاریہ، عبدالرحمن بن حارث بن ہشام، عبداللہ بن صفوان بن امیہ اور دوسرے راوی شامل ہیں۔ [1]

ان کی دینی خدمات کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ نے قرآن کریم کے جب ایک نسخہ کی سات کاپیاں تیار کروا کر سات بڑے ممالک میں قرآن کریم کو بھیجا اور تمام امت کو ایک قرأت پر جمع کیا، تو اس وقت جس قرآنی نسخے کو بطور نمونہ سامنے رکھ کر باقی نسخے تیار کئے گئے، وہ نسخہ حضرت عثمانؓ نے سیدہ حفصہؓ سے ہی منگوایا تھا جو کہ اس وقت صرف انہی کے پاس محفوظ تھا اور پھر بعد میں انہیں واپس بھی کر دیا گیا۔ [2]

بعض اقوال کے مطابق ۴۱ھ میں جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، اسی سال حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا اور

1۔ ابن حجر، عسقلانی، الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، 08:130

2۔ اصفہانی، حافظ ابونعیم، حلیۃ الاولیاء، مترجم: محمد اصغر مغل، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، 02:389

بعض کے بقول ۵ ۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔[1]

جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا:

یہ نبی کریم ﷺ کی اہلیہ اور اُم المومنین ہیں، صحیح مسلم میں ابن عباسؓ نے ان سے روایت کی ہے کہ:

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ وَاللَّفْظُ لِابْنِ أَبِي عُمَرَ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ مَوْلَى آلِ طَلْحَةَ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ جُوَيْرِيَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا بُكْرَةً حِينَ صَلَّى الصُّبْحَ وَهِيَ فِي مَسْجِدِهَا ثُمَّ رَجَعَ بَعْدَ أَنْ أَضْحَى وَهِيَ جَالِسَةٌ فَقَالَ مَا زِلْتِ عَلَى الْحَالِ الَّتِي فَارَقْتُكِ عَلَيْهَا قَالَتْ نَعَمْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكِ أَرْبَعَ كَلِمَاتٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ لَوْ وُزِنَتْ بِمَا قُلْتِ مُنْذُ الْيَوْمِ لَوَزَنَتْهُنَّ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ وَرِضَا نَفْسِهِ وَزِنَةَ عَرْشِهِ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ.[2]

"کریب نے حضرت ابن عباسؓ سے اور انہوں نے حضرت جویریہؓ سے روایت کی کہ نبی اکرم ﷺ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد صبح سویرے ان کے ہاں سے باہر تشریف لے گئے، اس وقت وہ اپنی نماز پڑھنے والی جگہ میں تھیں، پھر دن چڑھنے کے بعد آپ ﷺ ان کے پاس واپس تشریف لائے تو وہ (اسی طرح) بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم اب تک اسی حالت میں بیٹھی ہوئی ہو جس پر میں تمہیں چھوڑ کر گیا تھا؟" انہوں نے عرض کی: جی ہاں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تمہارے (ہاں سے جانے کے) بعد میں نے چار

1۔ ابن حجر، عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، 08:131

2۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب التسبیح اول النہار وعند النوم، رقم الحدیث: ۲۷۲۶

کلمے تین بار کہے ہیں، اگر ان کو ان کے ساتھ تولا جائے جو تم نے آج کے دن اب تک کہا ہے تو یہ ان سے وزن میں بڑھ جائیں: سبحان اللہ وبحمدہ عدد خلقہ ورضا نفسہ وزنۃ عرشہ ومداد کلماتہ پاکیزگی ہے اللہ کی اور اس کی تعریف کے ساتھ، جتنی اس کی مخلوق کی گنتی ہے اور جتنی اس کو پسند ہے اور جتنا اس کے عرش کا وزن اور جتنی اس کے کلمات کی سیاہی ہے۔"

مذکورہ حدیث کی راویہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا ہیں، جس سے ان کی علمی خدمات کا اندازہ ہوتا ہے۔

رملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا:

رملہ بنت ابی سفیان بن صخر بن حرب بن امیہ امویہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ اور اُم المومنین ہیں۔ آپؓ کی کنیت اُم حبیبہؓ ہے۔ سیدہ رملہؓ اپنے نام سے زیادہ اپنی کنیت سے مشہور ہیں۔ ان کی والدہ صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ ہیں۔

آپؓ بعثت سے 17 برس قبل پیدا ہوئیں اور آپؓ نے رسول اللہ ﷺ اور اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کئی احادیث روایت کی ہیں۔ اسی طرح ان کی بیٹی حبیبہ، ان کے بھائیوں معاویہؓ، عتبہ اور ان کے بھائی کے بیٹے عبداللہ بن عتبہ بن ابی سفیان، ابوسفیان بن سعید بن مغیرہ جو ان کے بھانجے ہیں اور اسی طرح ان کے دو غلاموں سالم اور ابو جراح، صفیہ بنت شیبہ، زینب بنت اُم سلمہ، عروہ بن زبیر اور ابو صالح سمیت کئی افراد نے ان سے روایت کی ہے۔[1]

صحیح بخاری کی ایک روایت کچھ اس طرح ہے:

حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ الزُّهْرِيَّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ، عَنْ

1۔ ابن حجر، عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، 08:188

زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُنَّ، أَنَّهَا قَالَتْ: اسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ النَّوْمِ مُحْمَرًّا وَجْهُهُ، يَقُولُ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ، فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلُ هَذِهِ، وَعَقَدَ سُفْيَانُ تِسْعِينَ أَوْ مِائَةً، قِيلَ: أَنَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ؟، قَالَ: نَعَمْ، إِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ.[1]

''ہم سے مالک بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا ہم سے سفیان بن عیینہ نے بیان کیا، انہوں نے زہری سے سنا، انہوں نے عروہ سے، انہوں نے زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے، انہوں نے اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا سے اور انہوں نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کہ انہوں نے بیان کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے تو آپ کا چہرہ سرخ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، عربوں کی تباہی اس بلا سے ہوگی جو قریب ہی آ لگی ہے۔ آج یاجوج ماجوج کی دیوار میں سے اتنا سوراخ ہو گیا اور سفیان نے نوے یا سو کے عدد کے لیے انگلی باندھی پوچھا گیا کیا ہم اس کے باوجود ہلاک ہو جائیں گے کہ ہم میں صالحین بھی ہوں گے؟ فرمایا ہاں! جب برائی بڑھ جائے گی (تو ایسا ہی ہوگا)۔

صحیح بخاری کی مندرجہ بالا روایت کی ایک راویہ سیدہ ام حبیبہؓ ہیں، جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سیدہؓ نے حدیث کی روایت میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔

اسماء بنت سعید رضی اللہ عنہا:

اسماء بنت سعیدؓ بن زید بن عمرو بن نُفیل القریشی کو شرفِ صحابیت حاصل ہے۔[2]

1۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ: ویل للعرب منشر قد اقترب، رقم الحدیث: 7059
2۔ ابن حجر، عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابہؓ، 08:50

دار قطنیؒ نے ان کی روایت سے ایک حدیث نقل کی ہے،[1] فرماتے ہیں کہ رباح بن عامر فرماتے ہیں کہ مجھ سے میری دادی نے یہ حدیث بیان کی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا، وہ فرما رہے تھے کہ ''اس شخص کی نماز نہیں، جس کا وضو نہیں......الخ''اس طویل حدیث کو بیہقیؒ نے سنن میں نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ ان کی دادی اسماء بنت سعید بن زید رضی اللہ عنہا ہیں۔ اس حدیث کی سند سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سیدہ اسماءؓ نے بھی حدیث کی روایت میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔

اُم سلمہ بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا:

اُم سلمہ بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا کا اصل نام ہند بنت ابی امیہ تھا لیکن آپؓ بھی اپنی کنیت سے مشہور ہوئیں۔ ان کا پورا نام اُم سلمہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم قریشیہ مخزومیہ ہے۔[2] ان کی والدہ عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ بن مالک کنانیہ ہیں۔ آپؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ تھیں جس کی وجہ سے آپؓ کو اُم المومنین ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

آپؓ نے نبی اکرم ﷺ، ابوسلمہؓ اور فاطمۃ الزہرائؓ سے روایت کیا، اسی طرح ان سے روایت کرنے والوں میں ان کا بیٹا عمر اور بیٹی زینب، بھائی عامر، بھتیجا مصعب بن عبداللہ اور مکاتب نبہان، موالی میں سے عبداللہ بن رافع، نافع، سفینہ، ان کا بیٹا ابوکثیر، خیرہ، حسن کی والدہ شامل ہیں اور صحابہؓ میں سے صفیہ بنت شیبہ، ہند بنت حارث فراسیہ، قبیصہ بن ذویب، عبدالرحمن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم اجمعین، اکابر تابعین میں سے ابوعثمان نہدی، ابووائل، سعید بن مسیب، ابوسلمہ اور حمید، صاحبزادگان عبدالرحمن بن عوف، عروہ، ابوبکر بن عبدالرحمن اور سلیمان بن سیار رحمہم اللہ شامل ہیں۔ واقدی کے بقول آپؓ کی وفات 59ھ میں شوال میں ہوئی، جبکہ حضرت ابوہریرہؓ نے جنازہ پڑھایا۔

1۔ دارِقطنی، علی بن عمر، سنن دارِقطنی، 01:73
2۔ ابن حجر، عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ 08:465

ابن حبانؒ فرماتے ہیں: 61ھ کے اخیر میں فوت ہوئیں جب حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی شہادت کی اطلاع پہنچی۔ ابن ابی خیثمہؒ کا قول ہے: خلافتِ یزید بن معاویہؓ میں وفات پائی، جبکہ ابونعیمؒ کے بقول امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں سب سے آخر میں سیدہ اُم سلمہؓ نے وفات پائی اور ان کی وفات 62ھ میں ہوئی۔[1]

شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا:

شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا کا پورا نام شفاء بنت عبداللہ بن عبدالشمس بن خلف بن شداد بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب قریشیہ عدویہ ہے، قبیلہ قریش کے خاندان عدی سے ہیں۔ ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت وہب بن عمرو بن عائذ بن عمران مخزومیہ ہے۔[2] حضرت شفاءؓ بھی ہجرت سے پہلے اسلام لائیں اور ان کا شمار اولین صحابیاتؓ میں ہوتا ہے۔ انہوں نے بھی رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے چند احادیث روایت کی ہیں۔ اسی طرح ان سے اُم المومنین حضرت حفصہؓ، ان کے مولاۃ ابواسحاق، ان کے بیٹے سلیمان اور ابوسلمہ بن عبدالرحمن، ان کے دونوں پوتوں ابوبکر اور عثمان نے احادیث روایت کی ہیں۔

مسند میں مسعودی کے کے طرق سے، عبدالملک بن عمیر سے بحوالہ آل ابوحثمہ کے کسی آدمی سے، انہوں نے شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، وہ ہجرت کرنے والوں میں شامل تھیں کہ آپ ﷺ سے افضل اعمال کے بارے میں سوال کیا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ پر ایمان، اس کی راہ میں جہاد اور حج مبرور۔''[3] درج بالا روایت آپؓ کی علمی خدمات کو واضح کرتی ہے۔

1۔ ابن حجر، عسقلانی، الاصابہ فی تمیز الصحابہ 08:467
2۔ ایضاً، 08:249
3۔ احمد بن حنبلؒ، مسند احمد، 06:372

صحابیاتؓ کی جہادی خدمات:

صحابیاتؓ کی ایک اہم خدمت جہاد فی سبیل اللہ ہے اور اس میدان میں صحابیاتؓ نے جو گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں، تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ میدانِ جنگ میں لڑنے کے علاوہ زخمیوں کو پانی پلانا، ان کی مرہم پٹی کرنا، شہداء اور زخمیوں کو میدان جنگ سے اٹھا کر لے جانا، مجاہدین کو تیر پکڑانا، ان کے کھانا پینے کا بندوبست کرنا، فوج کی ہمت اور حوصلہ بندھائے رکھنا یہ سب وہ جہادی خدمات ہیں جن کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ ذیل میں صحابیاتؓ کی چند متفرق مذہبی اور جہادی خدمات کا ہم اجمالی طور پر ذکر کرتے ہیں۔

اُم ایمن رضی اللہ عنہا:

اُم ایمنؓ غزوہ خیبر میں دیگر صحابیاتؓ کے ساتھ شریک ہوئیں، اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے مالِ غنیمت میں سے ان کو باقاعدہ حصہ بھی عنایت کیا۔

اسی طرح غزوۂ حنین میں بھی اُم ایمنؓ اپنے دونوں بیٹوں ایمن اور اسامہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ شریک ہوئیں، ایک موقع پر جب مجاہدین میں بھگدڑ مچی تو جو صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کو اپنے گھیرے میں لئے کھڑے تھے، ان میں اُم ایمنؓ اپنے دونوں بیٹوں سمیت شامل تھیں۔ ان کے بڑے بیٹے ایمنؓ غزوہ حنین میں شہید ہوگئے تھے، لیکن اس کے باوجود ان کے پایہ استقلال میں لغزش نہ آئی۔[1] یہ واقعات آپؓ کی جہادی خدمات کو واضح کرتے ہیں۔

الرّبیع بنت معوّذ رضی اللہ عنہا:

الرّبیع بنت معوّذ بن عفراء بن حرام بن جندب انصاریہ، نجاریہ، بنوعدی بن نجار سے ہیں، ان سے ایاس بن بکر لیثی نے نکاح کیا، جس سے محمد پیدا ہوئے، ابن ابوخیثمہ

1۔ ابن سعد، طبقات ابن سعد، ترجمہ: مولانا عبداللہ عمادی، حیدرآباد دکن، 08:223

بحوالہ اپنے والد فرماتے ہیں: درخت کے نیچے بیعت کرنے والی صحابیات میں سے ہیں، ابو عمرؒ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بعض غزوات میں شریک ہوئیں۔ آپؓ انصاریہ صحابیہ ہیں اور جنگ بدر میں ابو جہل کو قتل کرنے والے صحابی حضرت معوذ بن عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی ہیں۔ آپ ﷺ ان کا بہت خیال فرماتے تھے یہاں تک کہ ان کی شادی کے دن حضور ﷺ ان کے مکان پر تشریف لے گئے تھے۔ واقدی نے ان کا ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک عورت اسماء بنت مخرمہ مدینہ منورہ میں عطر بیچا کرتی تھی، وہ عطر لے کر حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئی اور کہا کہ تم اس شخص کی بیٹی ہو جس نے اپنے سردار یعنی ابو جہل کو قتل کر دیا؟ تو انہوں نے تڑپ کر جواب دیا میں اس شخص کی بیٹی ہوں جس نے اپنے غلام یعنی ابو جہل کو قتل کر دیا۔ یہ جواب سن کر عطر بیچنے والی عورت جھلا گئی اور کہا کہ مجھ پر حرام ہے کہ میں تمہارے ہاتھ اپنا عطر بیچوں تو حضرت ربیعؓ نے بھی جوش میں آکر یہ کہہ دیا کہ مجھ پر حرام ہے کہ میں تیرا عطر خریدوں، تیرے عطر سے تو بدبودار میں نے کسی کا عطر ہی نہیں پایا۔ حضرت ربیع کہتی ہیں اس کا عطر بدبودار نہیں تھا مگر میں نے اس کو جلانے کے لئے اس کے عطر کو بدبودار کہہ دیا تھا کیونکہ وہ ابو جہل کی مداح تھی۔[1]

بخاریؒ، نسائیؒ اور ابو مسلمؒ نے بشر بن مفضل کے طرق سے خالد بن ذکوان سے، انہوں نے ربیع بنت معوذ سے روایت کیا ہے، فرماتی ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کرتی تھیں، اور لوگوں کو پانی پلاتیں اور ان کی خدمت کرتی تھیں، مقتولوں اور زخمیوں کو مدینہ واپس لاتی تھیں، یہ ابو مسلم کے الفاظ ہیں اور بخاری کی روایت میں ہے: ہم پانی پلاتی تھیں، اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں۔ یہ واقعات آپؓ کی جہادی خدمات کو واضح کرتے ہیں۔

1۔ القرطبی، ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفة الاصحاب، باب النساء، باب الرّاء 3370، الربیع بنت معوّذ، 04:396

اُم الربیع بنت النفیر رضی اللہ عنہا:

اُم الربیع بنت النفیر بن ضمضم بن زید بن حرام انصاریہ رضی اللہ عنہا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کی بہن اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ہیں، جو کہ آپ ﷺ کے خاص خادم تھے۔ بلاشبہ انس بن نضر رضی اللہ عنہ کے جہادی کردار کا احد کا پہاڑ آج بھی گواہ ہے، ان کی بہن ہونے کی حیثیت سے آپؓ بھی جہادی جذبہ رکھتی تھیں۔ آپؓ نے صحیح معنی میں شہداء کا وارث ہونے کا حق ادا کیا۔ آپؓ بنو عدی بن نجار سے ہیں اور حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کو جب بدر میں حارثہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع ملی تو انہوں نے آپ ﷺ سے جو فرمایا اس کو امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں اس طرح بیان کیا ہے:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَبُو أَحْمَدَ، حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ قَتَادَةَ، حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ أُمَّ الرُّبَيِّعِ بِنْتَ البَرَاءِ وَهِيَ أُمُّ حَارِثَةَ بْنِ سُرَاقَةَ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، أَلاَ تُحَدِّثُنِي عَنْ حَارِثَةَ، وَكَانَ قُتِلَ يَوْمَ بَدْرٍ أَصَابَهُ سَهْمٌ غَرْبٌ، فَإِنْ كَانَ فِي الجَنَّةِ صَبَرْتُ، وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذَلِكَ، اجْتَهَدْتُ عَلَيْهِ فِي البُكَاءِ، قَالَ: "يَا أُمَّ حَارِثَةَ إِنَّهَا جِنَانٌ فِي الجَنَّةِ، وَإِنَّ ابْنَكِ أَصَابَ الفِرْدَوْسَ الأَعْلَى".[1]

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضرت ام ربیعؓ جو براء کی بیٹی اور حارثہ بن سراقہؓ کی والدہ ہیں، وہ نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں: اے اللہ کے نبی! کیا آپ مجھے حارثہؓ کے متعلق نہیں بتائیں گے؟ وہ غزوۂ بدر میں اچانک تیر لگنے سے شہید ہو گئے تھے۔ اگر وہ جنت میں ہیں تو میں صبر کروں، اگر کوئی دوسری بات ہے تو اس پر جی بھر کر

1۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب من أتاہ سہم غرب فقتلہ، رقم الحدیث: 2809

رولوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ام حارثہ ؓ! جنت میں تو درجہ بدرجہ کئی باغ ہیں اور تیرا بیٹا فردوس اعلیٰ میں ہے۔''

دینِ اسلام کے لئے دی جانے والی قربانی کی داستانوں میں آپ ؓ کا نام سنہری حروف میں لکھا گیا ہے۔

سمیہ بنت خُبّاط رضی اللہ عنہا:

سمیہ بنت خباط، ابوحذیفہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم کی مولاۃ ہیں اور عمار بن یاسرؓ کی والدہ ہیں۔ پہلے سات اسلام لانے والوں میں ساتویں ہیں۔[1] ابوجہل انہیں ایذاء دیتا تھا، اس نے انہیں سامنے سے نیزہ مارا جس کی وجہ سے وہ شہید ہو گئیں۔ آپؓ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپؓ اسلام میں پہلی شہیدہ ہیں۔[2] یاسر ابوحذیفہ کے حلیف تھے، ان سے سمیہؓ نے نکاح کیا، جس سے عمارؓ پیدا ہوئے، انہوں نے انہیں آزاد کر دیا۔ یاسر، ان کی زوجہ اور اولاد ان لوگوں میں سے تھے، جنہوں نے اسلام کی طرف سبقت کی۔

ابن اسحاقؒ مغازی میں فرماتے ہیں: مجھ سے آلِ عمارؓ بن یاسر کے گھرانے کے لوگوں نے بیان کیا کہ سمیہ اُم عمار کو آلِ بنی مغیرہ اسلام لانے کی وجہ سے ایذائیں دیتے تھے، اور وہ غیر اللہ کا انکار کرتی تھیں یہاں تک کہ انہوں نے انہیں قتل کر دیا۔ نبی کریم ﷺ عمارؓ، ان کی والدہ اور ان کے والد کو مکہ کے تپتے صحراء میں ابطح کے مقام پر ایذائیں جھیلتے دیکھتے تھے، آپ ﷺ فرماتے: اے آلِ یاسر! صبر کرو، تمہارے لیے جنت کا وعدہ ہے۔[3] مجاہدینِ اسلام کی فہرست میں یقیناً آپؓ کا نام نمایاں ہی رہے گا۔

1۔ ابن اثیر، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، 05:314

2۔ عبداللہ بن محمد ابی شیبہ، مصنف ابن ابی شیبہ، 14:76

3۔ السیرۃ النبویہ ﷺ، 01:254

اُم سلیط رضی اللہ عنہا:

اُم سلیطؓ انصار کے قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں اور انہوں نے آپ ﷺ سے بیعت کی تھی۔ اُحد کی جنگ میں مشکیں بھر بھر کر پانی لاتی تھیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پانی پلاتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے بیٹے سلیط بن ابوسلیط بن ابوحارثہ کے نام پر ان کی کنیت رکھی۔[1] ان کی جہادی خدمات کے حوالے سے حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ بخاری میں کچھ اس طرح بیان ہوا ہے:

حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ ثَعْلَبَةُ بْنُ أَبِي مَالِكٍ: إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَسَمَ مُرُوطًا بَيْنَ نِسَاءٍ مِنْ نِسَاءِ الْمَدِينَةِ فَبَقِيَ مِرْطٌ جَيِّدٌ، فَقَالَ لَهُ: بَعْضُ مَنْ عِنْدَهُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَعْطِ هَذَا ابْنَةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي عِنْدَكَ يُرِيدُونَ أُمَّ كُلْثُومٍ بِنْتَ عَلِيٍّ، فَقَالَ عُمَرُ: أُمُّ سَلِيطٍ أَحَقُّ، وَأُمُّ سَلِيطٍ مِنْ نِسَاءِ الْأَنْصَارِ، مِمَّنْ بَايَعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ عُمَرُ: فَإِنَّهَا كَانَتْ تَزْفِرُ لَنَا الْقِرَبَ يَوْمَ أُحُدٍ، قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: تَزْفِرُ تَخِيطُ.[2]

''ہم سے عبدان نے بیان کیا، کہا ہم کو عبداللہ بن مبارک نے خبر دی، کہا ہم کو یونس نے خبر دی، انہیں ابن شہاب نے، ان سے ثعلبہ بن ابی مالک نے کہا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی خواتین میں کچھ چادریں تقسیم کیں۔ ایک نئی چادر بچ گئی تو بعض حضرات نے جو آپ کے پاس ہی تھے کہا یا امیر المومنین! یہ چادر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی کو دے دیجیے، جو آپؓ کے گھر میں ہیں۔ ان کی مراد (آپؓ کی بیوی) اُم کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما

1۔ ابن حجر، عسقلانی، الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، 08:468

2۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب حمل النساء القرب الی الناس فی الغزو، رقم الحدیث: 2881

سے تھی لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اُم سلیطؓ اس کی زیادہ مستحق ہیں۔ یہ اُم سلیط رضی اللہ عنہا ان انصاری خواتین میں سے تھیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپؓ اُحد کی لڑائی کے موقع پر ہمارے لیے مشکیزے (پانی کے) اٹھا کر لاتی تھیں۔ ابو عبداللہ (امام بخاریؒ) نے کہا (حدیث میں) لفظ ''تزفر'' کا معنی یہ ہے کہ سیتی تھی''۔

آپؓ کی جہادی خدمات بھی یقیناً لائقِ تحسین ہیں۔

رفیدہ الانصاریہ رضی اللہ عنہا:

حضرت رفیدہؓ نے مسجد نبوی ﷺ میں ایک خیمہ بنا رکھا تھا، جو لوگ زخمی ہو کر آتے تھے، وہ اسی خیمے میں ان کا علاج معالجہ کرتی تھیں۔ چنانچہ صاحبِ استیعاب لکھتے ہیں کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جب خندق کی لڑائی میں زخمی ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں رفیدہؓ کے خیمے میں لے جائیں جو کہ مسجد میں بنا ہے تا کہ میں قریب سے ان کی عیادت کروں۔[1] اس واقعے سے سیدہ رفیدہؓ کی جہادی خدمات کا پتا چلتا ہے۔

اُمِ سلیم بنت ملحان رضی اللہ عنہا:

ان کا پورا نام اُمِ سلیم، سہلہ یا رملہ بنت ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جندب انصاریہ ہے، یہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ اُم سلیم ان کی کنیت ہے اور یہ اپنی کنیت سے ہی مشہور ہیں۔ جہاں ایک طرف اُم سلیم رضی اللہ عنہا علم و حکمت کے اعتبار سے ایک اہم مقام رکھتی تھیں کہ ان سے چند احادیث مروی ہیں جن کو حضرت انسؓ، ابن عباسؓ، زید بن ثابتؓ، ابوسلمہؓ اور عمرو بن عاصم نے روایت کیا ہے وہیں ان کے دل میں جذبہ جہاد بھی بھرپور انداز میں موجود تھا۔ غزوہ خیبر (7ھ) میں اُمِ سلیمؓ شریک

1۔ ابن عبدالبر، القرطبی، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، 04:1838

تھیں، اس لڑائی میں انہوں نے زخمیوں کی خدمت کی۔ اسی طرح حنین کی لڑائی میں بھی آپؓ نے شرکت کی، جب گھمسان کا رن پڑا تو اُمِ سلیمؓ اپنے شوہر ابوطلحہؓ کے شانہ بشانہ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت میں مشغول تھیں، ان کے ہاتھ میں ایک خنجر تھا، ابوطلحہؓ نے ان سے پوچھا کہ یہ خنجر کس لئے ہے؟ آپؓ نے فرمایا کہ اگر کوئی مشرک میرے قریب بھٹکا تو میں اس خنجر سے اس کو قتل کر دوں گی۔

ابوطلحہ کہنے لگے: یارسول اللہ! کیا آپ نہیں سن رہے کہ اُمِ سلیمؓ کیا کہہ رہی ہیں؟

آپ ﷺ مسکرا دیئے۔ اس کے بعد اُمِ سلیمؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: یارسول اللہ! مکہ کے جو لوگ آج میدانِ جنگ سے بھاگے ہیں، انہیں قتل کر دیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے خود ان کا انتظام کر دیا ہے۔[1]

اسی طرح غزوہ اُحد میں قریش کا لشکر اپنے زخمیوں کو اٹھا کر جب واپس لوٹا تو مدینہ کی عورتیں بھی اپنے زخمیوں کو سنبھالنے کے لئے میدان میں آ گئیں، ان میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، انس بن مالک کی والدہ اُم سلیمؓ اور ابوسعیدؓ کی والدہ اُمِ سلیطؓ بھی تھیں۔[2] آپؓ کی جہادی خدمات بھی یقیناً لائقِ تحسین ہیں۔

سلمٰی بنت زارع رضی اللہ عنہا:

سلمٰی بنت زارع بن عروہ کی جہادی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا، انہوں نے دشمنانِ اسلام کے خلاف کئی معرکوں میں حصہ لیا اور زخمیوں کی مرہم پٹی اور ان کی تیمارداری جیسی خدمات انجام دیں۔ 14ھ میں جنگ شھورا میں شریک ہوئیں اور اس بہادری سے لڑیں کہ دشمن کو منہ کی کھانی پڑی۔[3] آپؓ کی جہادی خدمات بھی یقیناً آبِ زر سے لکھی جانے کے قابل ہیں۔

1۔ ابن سعد، طبقات ابن سعد، ترجمہ: راغب رحمانی، نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی، 08:478
2۔ ابن کثیر، تاریخ ابن کثیر، ترجمہ: پروفیسر کوکب شادانی، نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی، 05:395
3۔ ابن سعد، طبقات ابن سعد، ترجمہ: راغب رحمانی، نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی، 08:321

اُمِ عمارہ رضی اللہ عنہا:

ان کا نام نسیبہ بنت کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم انصاریہ نجاریہ ہے۔ انصار کے قبیلہ نجار سے تعلق ہے۔ ابوعمر کہتے ہیں کہ یہ بیعت عقبہ میں شریک ہوئیں اور اپنے شوہر اور اولاد کے ساتھ اُحد میں بھی شریک تھیں۔ اسی طرح ابن اسحاق کا قول ہے کہ آپؓ بیعتِ رضوان میں شریک تھیں۔[1] پھر یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے ساتھ ہونے والے معرکے میں بھی شریک ہوئیں، اس دن انہیں بارہ (12) زخم آئے، ان کا ہاتھ کٹ گیا اور ان کا بیٹا حبیب بھی شہید ہوا۔[2]

احد کی لڑائی کی نسبت سعید بن ابوزید انصاری نے بیان کیا، اُم سعدؓ بنت سعد ربیع بیان کرتی ہیں کہ:

میں اُم عمارہؓ کے پاس گئی اور ان سے کہا کہ: خالہ آپ مجھے اپنا حال بتایئے۔

انہوں نے کہا: ''میں دن کے ابتدائی حصے میں ہی نکل گئی تھی اور لوگ جو کچھ کر رہے تھے، وہ دیکھ رہی تھی، میرے ساتھ پانی کا مشکیزہ بھی تھا، رفتہ رفتہ میں رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ گئی، آپ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ تھے اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہو چکی تھی، مگر جب جنگ نے پلٹا کھایا اور مسلمانوں کو (وقتی) شکست ہونے لگی، تو میں رسول اللہ ﷺ کے قریب چلی گئی اور خود بھی جنگ میں حصہ لینے لگی۔ رسول اللہ ﷺ کے بچاؤ کے لئے تلوار چلا رہی تھی، دوسری طرف کمان سے تیر پر تیر پھینک رہی تھی کہ اسی حالت میں میرا جسم زخموں سے چھلنی ہو گیا۔

ام سعدؓ کہتی ہیں کہ میں نے اُمِ عمارہؓ کے کندھے پر گہرے زخم دیکھ کر دریافت کیا: یہ زخم کس نے لگائے؟

اُمِ عمارہؓ نے فرمایا: ابن قمیہ نے، اللہ اسے ذلیل و رسوا کرے۔

1۔ السیرۃ النبویۃ ﷺ، 02:83

2۔ ابن حجر، عسقلانی، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، 08:499

جب لوگ رسول کریم ﷺ سے الگ ہوتے جا رہے تھے تو اس وقت ابن قمیہ آگے بڑھ کر کہہ رہا تھا: مجھے بتاؤ محمد (ﷺ) کدھر ہیں؟ اگر وہ بچ نکلے تو خدا کرے میں زندہ نہ بچوں۔ ابن قمیہ کا یہ قول سن کر مصعبؓ بن عمیر سمیت کئی صحابہؓ رسول اللہ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔ اس موقع پر ابن قمیہ نے یہ تلوار کا زخم مجھے لگایا تھا۔ میں نے بھی اس پر تلوار کے کئی وار کئے لیکن اس دشمنِ خدا نے دہری زرہیں پہن رکھی تھیں، اس لئے زخمی نہ ہو سکا۔[1] مجاہدینِ اسلام کی فہرست میں یقیناً آپؓ کا نام نمایاں ہی رہے گا۔

اُمِ عطیہ رضی اللہ عنہا:

اُمِ عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ سات (7) لڑائیوں میں شریک ہوئی ہوں، میں پیچھے رہ جاتی تھی (یعنی مجاہد جب لڑنے جاتے تو میں ان کے خیموں میں پیچھے رہ جاتی)، ان کا کھانا تیار کرتی، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی اور بیماروں کی تیمارداری کرتی۔[2] آپؓ کی جہادی خدمات بھی یقیناً آبِ زر سے لکھی جانے کے قابل ہیں۔

خولہ بنت مالک ازور رضی اللہ عنہا:

ایک عظیم مجاہدہ حضرت خولہ بنت مالک کا سلسلہ نسب کچھ اس طرح تھا، خولہ بنت مالک ازور بن اوس خذیمہ بن ربیعہ بن مالک بن ثعلبہ بن دودان بن اسد بن خذیمہ۔ آپ مشہور صحابیٔ رسول ﷺ اور عظیم مجاہد ضرار بن مالک ازور رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں۔ آپؓ کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ بنو اسد بن خذیمہ سے تھا۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے مبارک دور میں جب مسلمانوں نے شام کی طرف فوج کشی کی تو اس پورے سفر میں ان دونوں بہن بھائی (ضرار اور خولہ رضی اللہ عنہما) نے جرأت اور بہادری کی لازوال

1۔ ابن ہشام، سیرت النبی ﷺ کامل، ترجمہ: مولانا عبدالجلیل صدیقی، مولانا غلام رسول مہر، 02: 65،64 غلام علی اینڈ سنز، لاہور

2۔ ابن اثیر، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، 10:329

داستانیں رقم کیں۔ 13 ہجری میں مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ کیا تو سپہ سالارِ اسلام حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کو محصورین کی مدد کے لیے آنے والے لشکروں کا راستہ روکنے کے لیے بھیجا۔ وہ برق رفتاری سے لشکریوں کے راستے میں حائل ہو گئے اور بے مثال بہادری کا نمونہ پیش کیا۔ ایک موقع پر ان کے گھوڑے کو ٹھوکر لگ گئی اور حضرت ضرار نیچے گر گئے، ابھی سنبھلنے نہ پائے تھے کہ رومیوں نے انہیں قابو کر کے گرفتار کر لیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تک حضرت ضرارؓ کی گرفتاری کی خبر پہنچی تو وہ بے حد رنجیدہ ہوئے۔ اسی وقت میسرہ بن مسروق رضی اللہ عنہ کو ایک ہزار جوان دے کر دمشق کے مشرقی دروازے پر محاصرے کے لیے بھیجا اور باقی فوج کو ساتھ لے کر جنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اچانک انہوں نے دیکھا کہ لشکر اسلام کے آگے آگے ایک نقاب پوش سرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار بڑی تیزی سے میدان جنگ کی طرف لپک رہا ہے۔ وہ حیران ہوئے لیکن تحقیق کا موقع نہ تھا لہٰذا خاموش رہے۔ جب رومی لشکر سے مسلمانوں کی مڈبھیڑ ہوئی تو حضرت خالدؓ نے دیکھا کہ وہ نقاب پوش اس بے جگری سے لڑ رہا ہے کہ جدھر جھک پڑتا ہے، کشتوں کے پشتے لگا دیتا ہے، زخم پہ زخم کھاتا ہے لیکن پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتا۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے اس نقاب پوش کے بارے میں دریافت کیا لیکن سب نے لاعلمی کا اظہار کیا، اتنے میں وہ نقاب پوش مارتا کاٹتا ہوا رومی فوج کے قلب سے خون میں نہایا ہوا نکلا۔ حضرت خالدؓ اپنا گھوڑا دوڑا کر اس کے پاس پہنچے اور پکارے: اے مرد مجاہد! تو نے جانبازی کا حق ادا کر دیا ہے، تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے سرخرو ہو جائے گا۔ تیرے جیسے سرفروشوں کو نقاب پوشی زیب نہیں۔ اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دے تا کہ میں دیکھ سکوں کہ یہ شیر کون ہے؟

نقاب پوش پہلے خاموش رہا لیکن جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بہت اصرار کیا تو وہ یوں گویا ہوا:

اے امیر! میں ضرار بن ازور کی بہن خولہؓ بنت ازور ہوں۔ میں اپنے

پیارے بھائی کی گرفتاری سے سخت بے چین ہوں، خدا کی قسم! میں اپنے بھائی کو دشمن کے پنجے سے رہا کراؤں گی یا اس کوشش میں اپنی جان دے دوں گی۔

حضرت خالدؓ خولہؓ بنت ازور کی دلیری دیکھ کر حیران رہ گئے اور فرمایا: خولہ! آفرین ہے تم پر، جس قوم میں تمہارے جیسی بیٹیاں ہوں، اسے دشمن کبھی مغلوب نہیں کر سکتا۔ بیٹی تم مطمئن رہو، اگر ضرارؓ زندہ ہے تو ان شاء اللہ میں اسے چھڑاؤں گا اور اگر وہ شہید ہو کر زندہ جاوید ہو گیا ہے تو میں نے بھی اس کے نقش قدم پر چلنے کیلئے کمر باندھ رکھی ہے۔

حضرت خالدؓ اور حضرت خولہؓ نے فوج کے چیدہ چیدہ دستے لیے اور حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کو رومیوں کی قید سے رہائی دلوا لائے۔

اسی طرح دمشق کے محاصرے کے دوران دشمن فوج نے مسلمانوں پر عقب سے حملہ کر دیا اور وہ کچھ مسلمان عورتوں کو قید کر کے لے گئے۔ ان عورتوں میں حضرت خولہؓ بنت ازور بھی تھیں۔ ایک جگہ رومیوں نے ستانے کے لیے پڑاؤ ڈالا تو حضرت خولہؓ نے اپنی قیدی بہنوں سے کہا: بہنو! ہم شجاعانِ عرب کی بیٹیاں ہیں اور ہادی برحق ﷺ کی نام لیوا ہیں، ہم کو ان مشرکوں کی اطاعت قبول کرنے کی بجائے جان پر کھیل جانا چاہیے۔

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کی ولولہ انگیز تقریر سن کر اُن کے خون میں حرارت پیدا ہو گئی اور انہوں نے یک زبان ہو کر کہا: خولہؓ! تم نے ٹھیک کہا، ہمیں جان پر کھیل جانا چاہیے، لیکن ہتھیاروں اور گھوڑوں کے بغیر رومیوں سے مقابلہ کی کیا تدبیر ہو؟ حضرت خولہؓ نے خیموں کی چوبیں اکھاڑنے کی تجویز پیش کی۔ وہ خیموں کی چوبوں سے دشمن کا اس وقت تک مقابلہ کرتی رہیں جب تک حضرت خالدؓ اور حضرت ضرارؓ کی فوجیں ان کی مدد کے لئے نہ پہنچ گئیں۔[1]

بہادری کی یہ امثال جو سیدہ خولہؓ نے قائم کیں، تاریخِ اسلام ان پر آج بھی فخر کرتی ہے۔

1۔ الواقدی، محمد بن عمر، فتوح الشام

خلاصہ کلام:

خلاصہ یہ ہے کہ صحابیاتؓ کی علمی خدمات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ کتبِ احادیث کا ایک بڑا حصہ ایسا ہے جہاں روایات صحابیاتؓ سے لی گئی ہیں۔ ابتدائے اسلام کی مشکلات کی اگر بات کریں تو سیدہ خدیجہؓ کا صبر و استقلال اور آپ ﷺ کو تسلی و دلاسہ دینا دعوتِ دین کی راہ ہموار کرنے کی ایک عظیم الشان مثال ہے اور اسی سے ان کے فہم و فراست کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے گھر کے اندر کی تمام زندگی ہمیں اُمہات المومنین بالخصوص اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایات سے ملتی ہے۔ اسی طرح صحابیاتؓ کی ایک اہم خدمت جہاد فی سبیل اللہ ہے اور اس میدان میں صحابیاتؓ نے جو گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں، تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ میدان جنگ میں لڑنے کے علاوہ زخمیوں کو پانی پلانا، ان کی مرہم پٹی کرنا، شہداء اور زخمیوں کو میدان جنگ سے اٹھا کر لے جانا، مجاہدین کو تیر پکڑانا، ان کے کھانا پینے کا بندوبست کرنا، فوج کی ہمت اور حوصلہ بندھائے رکھنا یہ سب وہ جہادی خدمات ہیں جن کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔

صحابیاتؓ کی دعوت و تبلیغ کے میدان میں

اخلاقی خدمات

صحابیاتؓ کی زندگی کا ہر پہلو بلاشبہ ہمارے اور بالخصوص خواتینِ اسلام کے لئے مشعلِ راہ ہے، یہاں ہم صحابیاتؓ کے اخلاقی اقدار کو بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

صحابیاتؓ کا جذبہ ایثار و قربانی:

ایثار کے لغوی معنی کسی کو اپنے اوپر ترجیح دینے کے ہیں، یعنی اپنی ذاتی ضروریات پر دوسروں کو مقدم رکھ کر ان کی ضروریات کو پورا کیا جائے۔ اپنے آرام پر دوسروں کے آرام کو مقدم رکھنا، تکلیف اٹھا کر دوسروں کو راحت و آرام پہنچانا وغیرہ۔ اس قسم کی باتیں جن میں ایک مسلمان اپنی ذات کی بجائے اپنے بھائی کو مقدم رکھے، ایثار کہلاتی ہیں۔ اچھے معاشرے کی تشکیل و تعمیر کے لیے مسلمانوں میں ایثار و قربانی کا جذبہ بھی بڑا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ و صحابیاتؓ میں یہ جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔

قرآن کریم میں ان کی اس صفت کو کچھ اس طرح سے بیان کیا گیا ہے:

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔[1]

''اور ان کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، چاہے ان پر تنگ دستی کی حالت گزر رہی ہو''۔

1۔ الحشر، 59:09

اسلامی معاشرہ جن بنیادوں پر مستحکم ہوتا ہے ان میں پہلا مرحلہ اخوت وبھائی چارہ، دوسرا مرحلہ خیرخواہی، تیسرا مرحلہ تعاون اور چوتھا مرحلہ ایثار کا ہوتا ہے۔ اگر یہ چاروں صفات حاصل ہو جائیں تو ایک بہترین اور مستحکم معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ ایثار اور پہلی تین صفات میں فرق یہ ہے کہ ایثار دراصل ایک ایسا تعاون ہے کہ انسان کو خود کسی چیز کی ضرورت اور طلب ہو اور اس کے باوجود وہ اس چیز کو استعمال کرنے کی بجائے دوسرے کی ضرورت کو اس پر ترجیح دے اور وہ چیز اُسے دے دے۔ یہ کمال درجے کا تعاون اور حسنِ اخلاق ہے۔ ایثار وفیاضی میں صحابیاتؓ کی دینی خدمات ناقابل فراموش ہیں جن میں سے ہم چند کا ذکر بطور مثال پیش کریں گے۔

اُم المومنین حضرت عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما:

اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا جود وسخا اپنی مثال آپ تھا۔ ان کا یہ واقعہ ایثار کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پہلو میں اپنے لیے قبر کی جگہ مخصوص فرمائی تھی، لیکن حضرت عمرؓ نے ان سے یہ جگہ اپنے لیے مانگی تو حضرت عائشہؓ نے یہ تختہ جنت ان کو دے دیا اور فرمایا کہ اس کو میں خود اپنے لیے چاہتی تھی لیکن آج آپؓ کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔[1]

اس واقعے کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا اور بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہؓ سے فرمایا کہ اُم المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس جاؤ اور کہو کہ عمر آپ کو سلام کہتے ہیں اور امیر المومنین نہ کہنا کیونکہ میں آج مومنین کا امیر نہیں ہوں اور کہو کہ عمر بن الخطاب آپؓ سے اجازت مانگتے ہیں کہ انہیں اپنے دونوں ساتھیوں کے پاس دفن کیا جائے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سلام پہنچایا اور اندر آنے کی اجازت مانگی، پھر داخل ہوئے تو ان کو اس حال میں پایا کہ بیٹھی ہوئی رو رہی ہیں۔

1۔ ابن سعد، طبقات ابنِ سعد، محمد بن سعد، مترجم: مولانا راغب اصفہانی، 03: 140، 141

عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ آپؓ کو سلام کہتے ہیں اور اس بات کی اجازت مانگتے ہیں کہ ان کو ان کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن کیا جائے۔

حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میں اپنی ذات کے لیے یہ ارادہ رکھتی تھی لیکن میں آج اپنی ذات پر ان کو مقدم کرتی ہوں۔

جب وہ (عبداللہ) آ گئے تو آپؓ (عمرؓ) سے کہا گیا کہ یہ عبداللہ بن عمرؓ ہیں، فرمایا کہ مجھے اٹھاؤ، تو ایک شخص ان کو سہارے سے لے کر بیٹھا۔ پھر فرمایا کہ کیا جواب لائے ہو؟

انہوں نے کہا کہ وہی اے امیر المومنین! جو آپ چاہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دے دی ہے۔

کہا کہ الحمد للہ! کوئی چیز میرے لیے اس سے زیادہ اہم نہیں تھی۔ پھر جب کہ میرا انتقال ہو جائے اور مجھے اٹھا کر لے جاؤ تو پھر سلام پہنچاؤ اور کہو کہ عمر بن الخطاب اجازت مانگتا ہے۔ پھر اگر عائشہؓ نے اجازت دی تو مجھے اندر لے جانا اور اگر مجھے لوٹا دیا تو مسلمانوں کے قبرستان کی طرف لے جانا۔

چنانچہ جب ان کی وفات ہوئی تو ہم ان کو باہر لائے اور لے چلے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سلام پہنچایا اور کہا کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اجازت چاہتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ ان کو اندر لے جاؤ، تو وہ لے جائے گئے اور وہیں اپنے دونوں ساتھیوں کے پاس دفن ہوئے۔[1]

فضائل اخلاق کے لحاظ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رتبہ بہت بلند تھا، وہ بے حد فیاض، مہمان نواز اور غریب پرور تھیں۔ ایک بار حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ان کو ایک لاکھ درہم بھیجے۔ انہوں نے اسی وقت سب رقم غریبوں، مسکینوں میں تقسیم کر دی، آپؓ اس دن روزے سے تھیں۔ شام ہوئی تو خادمہ نے کہا: اُم المومنین! کیا اچھا ہوتا آپؓ نے

1۔ ابن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: مولانا راغب اصفہانی، 03:232

اس رقم سے کچھ گوشت ہی افطار کے لیے خرید لیا ہوتا۔ فرمایا: تم نے یاد دلایا ہوتا۔[1] اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے پوچھا: یارسول اللہ! میرے دو پڑوسی ہیں، ان میں سے پہلے میں کس کو حصہ بھیجوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کا دروازہ تجھ سے زیادہ نزدیک ہو۔[2] ان واقعات سے آپؓ کی سخاوت اور فیاضی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا:

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا انتہائی فیاض، سخی اور کھلے دل کی مالک تھیں۔ غریبوں، مسکینوں اور محتاجوں کی سرپرستی کرتی تھیں، جو کچھ پاتی تھیں، صدقہ کر دیتی تھیں۔ ایثار و قربانی کو اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتی تھیں۔ حاجت مندوں کی ضرورتیں پوری کرنے میں خوشی محسوس کرتی تھیں، جس کی وجہ سے ان کے گھر کو ''ماویٰ المساکین''، یعنی مسکینوں کا ٹھکانہ کہا جانے لگا۔

نبی کریم ﷺ کی کسی بیویؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا: ہم میں سے آپ ﷺ کو جلد کونسی بیوی ملے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کے ہاتھ لمبے ہیں۔ انہوں نے ایک کھپانچ لے کر اس سے ماپنا شروع کیا اور ہم میں سودہؓ کے ہاتھ سب سے لمبے تھے لیکن ہمیں بعد میں پتہ چلا کہ لمبے ہاتھوں سے مراد صدقہ و خیرات دینا ہے۔ ہم میں سے جلد آپ ﷺ کو ملنے والی زینب تھیں، وہ صدقہ زیادہ دینا پسند کرتی تھیں۔[3]

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے اپنا کفن اپنی زندگی ہی میں تیار کروا لیا تھا، جب آپؓ کے انتقال کا وقت آیا تو حضرت زینبؓ نے وصیت فرمائی کہ میں نے اپنا کفن تیار کر رکھا ہے۔ غالباً حضرت عمر فاروقؓ بھی امیر المومنین ہونے کے ناطے میرے لئے کفن بھیجیں گے، اگر وہ کفن میرے لیے استعمال کیا تو دوسرا صدقہ کر دینا۔

1۔ ابن سعد، طبقات ابن سعد، 08:92

2۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الشفعہ، مترجم: مولانا وحید الزمان، باب ''کون سا ہمسایہ زیادہ حقدار ہے؟''، 01:884

3۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مترجم: پروفیسر کوکب شادانی، نفیس اکیڈمی، کراچی، 03:455، 456

چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی وفات پر پانچ کپڑے خوشبو لگا کر کفن کے لیے بھیجے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بھیجے ہوئے کفن میں اُم المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو کفنایا گیا اور وہ کفن جو حضرت زینبؓ نے خود تیار کر رکھا تھا، اس کو ان کی بہن حضرت حمنہ بنت جحشؓ نے صدقہ کر دیا۔ آپؓ کی نماز جنازہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ آپؓ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ اس دن سخت گرمی تھی جہاں قبر کھودی جارہی تھی وہاں حضرت عمر فاروقؓ نے خیمہ لگوا دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پہلا خیمہ تھا جو جنت البقیع میں کسی قبر پر لگایا گیا۔ اس وقت ان کی عمر 53 برس تھی۔[1]

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کثرت سے روزے رکھنے والی اور بڑی تہجد گزار تھیں۔ جود و سخا میں بھی اپنی مثال آپ تھیں، جو کچھ ان کے ہاتھ آتا، سارے کا سارا مساکین پر صدقہ کر دیتی تھیں۔

برزہ بنت رافع رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب پہلی مرتبہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو وظیفہ بھیجا تو آپؓ یہ سمجھیں کہ یہ سب ازواج مطہراتؓ کا ہے اور یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عمر فاروقؓ کی مغفرت کرے۔ پھر جب حضرت زینبؓ کو بتایا گیا کہ یہ سب آپؓ کا ہے تو انہوں نے اس مال پر کپڑا اڑالوا دیا اور مجھے کہا کہ اپنا ہاتھ اس کپڑے کے نیچے لے جا کر جتنا ہاتھ میں آتا ہے وہ فلاں بن فلاں کو دے آؤ۔ فلاں یتیم کو دے آؤ۔ فلاں مسکین کو دے آؤ۔ چنانچہ اسی طرح مال تقسیم ہوتا رہا جب تھوڑا رہ گیا تو مجھے کہا کہ بقایا تم لے لو۔ میں نے دیکھا تو وہ پچاس درہم تھے۔ اس تقسیم کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا: اے اللہ! اس سال کے بعد عمر فاروقؓ کا وظیفہ مجھے نہ پہنچنے پائے، چنانچہ سال گزرنے نہ پایا تھا کہ آپؓ کا

1۔ مسلم، الجامع الصحیح، مترجم: مولانا وحید الزمان، باب ''حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی فضیلت''، 06: 102، 103

انتقال ہوگیا۔[1] یہ واقعات آپؓ کی سخاوت اور فیاضی کو ظاہر کرتے ہیں۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما:

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما میں پائی جانے والی تمام خوبیوں میں سب سے زیادہ نمایاں خوبی جود وسخاوت کی تھی۔ جو انہیں اپنے والد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ورثے میں ملی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ نے بھی انہیں جود وسخا کا انداز اپنانے کی تلقین کی تھی کہ بخل نہ کرنا کہ کہیں اس سے تمہارے رزق میں بھی تنگی نہ ہوجائے۔[2]

چنانچہ آپؓ فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد سنا، مزید اللہ کی راہ میں خرچ کرنا شروع کردیا اور اللہ نے ایسی برکت دی کہ ابھی رزق باقی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اور بھیج دیتے ہیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اپنی بیٹیوں کو بھی صدقہ کی ترغیب دلاتی تھیں اور ساتھ ساتھ حضور ﷺ کا یہ ارشاد بھی دہراتی تھیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: مٹکے میں بند کر کے نہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں لگا بندھا دینے لگے، اپنی استطاعت بھر لوگوں میں تقسیم کرو۔[3]

حضرت اسماءؓ اپنی بیٹیوں اور گھر والوں سے کہا کرتی تھیں کہ تم لوگ خرچ و خیرات کرو، بچت کو نہ دیکھو کیونکہ اگر تم بچت کا انتظار کروگی تو حسب ضرورت ہی تم کو ملے گا اور اگر تم خیرات کرتی رہوگی تو تمہارا ہاتھ کبھی نہ رکے گا۔[4] سخاوت اور راہِ خدا میں خرچ کرنے والوں میں آپؓ کا نام ہمیشہ ہی یاد رکھا جائے گا۔

1۔ ابن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: مولانا عبداللہ عمادی، حیدرآباد دکن، 01:102
2۔ الجامع الصحیح، مترجم: مولانا وحید الزمان، کتاب الزکوۃ، باب ’’صدقہ کی ترغیب دلانا اور سفارش کرنا‘‘، 01:578
3۔ الجامع الصحیح، مترجم: مولانا وحید الزمان، کتاب الزکوۃ، باب ’’استطاعت بھر صدقہ‘‘، 01:597
4۔ ابن سعد، طبقات ابن سعد، محمد بن سعد، مترجم: مولانا راغب اصفہانی، 08:332

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا:

غزوہ اُحد میں حضرت صفیہؓ اپنے بھائی سید الشہداء امیر حمزہؓ کے کفن کے لیے دو کپڑے لائیں لیکن ان کی لاش کے پاس ایک انصاری کی لاش بھی برہنہ نظر آئی، دل ہی دل میں شرمندہ ہوئیں کہ حمزہؓ دو کپڑوں میں کفنائے جائیں اور انصاری کے لیے ایک کپڑا بھی نہ ہو، چنانچہ ایک کپڑا انصاری صحابی کے کفنانے کے لیے دے دیا۔ اس واقعے سے آپؓ کی دریا دلی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا:

حضرت سودہؓ جود وسخا اور فیاضی میں ایک خاص اور نمایاں مقام رکھتی تھیں۔ آپ حتی المقدور غرباء کی مدد کرتی تھیں اور حاجت مندوں کے کام آنے میں فخر محسوس کرتی تھیں۔ جو کچھ ہاتھ آتا، راہ خدا میں تقسیم کردیتی تھیں۔ ایک مرتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں درہم ودینار سے بھری ایک تھیلی اپنے ایک خادم کے ہاتھ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجی تاکہ آپ اسے اپنے کام میں لے آئیں۔ حضرت سودہؓ نے تھیلی لانے والے خادم سے پوچھا۔

اس تھیلی میں کیا ہے؟

خادم نے بتایا: اس میں درہم ودینار ہیں، جو امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے آپؓ کی ضرورت (کے وقت کام آنے) کے لیے بھیجے ہیں۔

حضرت سودہؓ نے خادم کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو فرمایا: کیا درہم ودینار بھی کبھی کھجوروں کی طرح تھیلیوں میں ڈالے جاتے ہیں؟

پھر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اس تھیلی میں سے ایک درہم یا ایک دینار بھی نہیں لیا، بلکہ تمام نقدی غرباء، مساکین اور ضرورت مندوں میں تقسیم کردی۔[1] اس واقعے

1۔ ابن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: مولانا راغب اصفہانی، 08:80

سے آپؓ کی دریا دلی اور سخاوت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا:

حضرت حسین رضی اللہ عنہ علیل ہوئے تو جناب سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے نذر مانی کہ بچوں کی تندرستی پر تین روزے رکھیں گی۔ چنانچہ شہزادوں کے روبصحت ہونے پر سب اہل خانہ نے روزہ رکھا، افطار کرنے لگے تو ایک مسکین نے صدا دی۔

"مجھے کھانا کھلائیں کہ اللہ آپ کو جنت میں سیر کرائے"۔

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فاطمہ! اے عظمت ویقین کا پیکر، اے خیر البشر ﷺ کی دختر! آپؓ دیکھ رہی ہیں کہ ایک بھوکا مسکین، حزن وملال سے دروازے پر کھڑا ہے۔ اللہ کی جناب سے شکوہ کر رہا ہے۔ ہم سے دردمندی کے ساتھ اپنی بھوک کی شدت بیان کرتا ہے۔ ہر امرا پنے کسب کا مرہون منت ہے اور بھلائیوں کے کام آشکار ہیں۔ اس کے لیے جنت (علیّین) کا وعدہ ہے، جسے اللہ نے کنجوس پر حرام کیا ہے اور بخل کے لیے برا مقام ہے، جسے آگ سے بھڑکایا گیا ہے۔

جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا لب کشا ہوئیں، فرمایا: اسے کھلائیں اور میری طرف سے ذرا بھی ہچکچاہٹ نہیں، جب کہ ایک بھوک سے نڈھال انسان سیر ہونے کی امید سے آیا ہے۔ نیکوکاروں کی جماعت کے لیے ہی حق ہے، جنت میں متمکن رہیں اور میرے لیے شفاعت ہے، ان سب نے اپنا طعام اس مسکین سائل کو دے دیا۔[1]

دوسرے دن بھی سب اہل خانہ روزے سے تھے، ایک یتیم نے وقتِ افطار التجا کی جسے سن کر حضرت علیؓ نے فرمایا: اے فاطمہ! سید کریم ﷺ کی دختر! نبی محترم ﷺ کی صاحبزادی! جس کے لیے ستائش ہی ستائش ہے۔ اللہ کی طرف سے ہمارے پاس یہ یتیم آیا ہے اور اللہ نے کنجوس پر جنت حرام کی ہے، کنجوس روز حشر دہکتی ہوئی آگ میں ہوں گے۔ ان کا پانی کھولتا ہوا اور دردانگیز ہوگا اور صاحبِ جود وسخا اس روز جنت نعیم میں ہوگا۔

1۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، 02:180

اور اس کے پینے کے لئے تسنیم اور خوشگوار پانی ہوگا۔

حضرت فاطمہؓ نے فرمایا: میں اسے کھانا کھلاتی ہوں اور مجھے انکار نہیں اور میرے بچے بھی ایسا ہی کریں گے۔ وہ بھوکے رہیں گے اور میرے بچے ہمدرد ہیں۔ یتیم کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہوئے ان قدسیوں نے اپنا سامان افطار اس کے حوالے کیا۔

تیسرے دن بھی روزہ افطار کرنے کو تھے کہ ایک آواز سنائی دی: اے اہل بیت محمد! میں اسیر محتاج ہوں اور کچھ نہیں کھایا۔ اس رزق میں سے، جو اللہ آپ کو دیا ہے، مجھے بھی کھلائیں۔

حضرت علیؓ نے فورا کہا: اے فاطمہ! بنت نبی احمد ﷺ، سید وسردار کی بیٹی، ہمارے پاس ایک مجبور قیدی آیا ہے، جو آج کچھ کھلائے گا، کل اس کا صلہ پائے گا۔ ہمارے اعلیٰ، بزرگ وبرتر رب کی جناب سے۔ جو آج نیکیوں کا بیج بوئے گا، کل اس کا ثمرہ حاصل کرے گا۔

حضرت فاطمہؓ نے فرمایا: آج ایک صاع کے سوا کچھ بھی باقی نہیں تھا، اس کے پیسنے سے میرے ہاتھوں میں آبلے ہوگئے ہیں، بھوک کے ساتھ بھی میرے فرزند اور ان کا باپ خیرات پر مائل ہیں۔ چنانچہ تیسرے دن بھی ایثار فرمایا۔[1] سخاوت اور انفاق فی سبیل اللہ کی ایسی داستانیں تاریخ میں انہی لوگوں نے آبِ زر سے لکھی ہیں۔

صحابیاتؓ کا عفو ودرگزر:

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ اگر مخالف کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو ایسی صورت میں اس سے بدلہ لینا مزید آسان ہو جاتا ہے لیکن صحابیاتؓ کا عفو ودرگزر ایسا تھا کہ ایسی صورتحال میں بھی کہ جب وہ بدلہ لینے کی پوری دسترس رکھتی تھیں، ہمیشہ وہ اپنے مخالفین کو معاف فرما دیا کرتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں جو طوفان اٹھا تھا، آنحضرت ﷺ (اس طوفان کے زمانہ میں) حضرت زینب بنت جحشؓ سے حضرت عائشہؓ کا

1۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، 02:181

حال دریافت فرماتے۔ زینبؓ تو کیا سمجھتی ہے؟ تو نے کیا دیکھا ہے؟ وہ کہتیں: یا رسول اللہ! میں نے جو سنا اور جو دیکھا وہی کہوں گی، میں تو عائشہؓ کو پاک دامن ہی سمجھتی ہوں اور آپ ﷺ کی بیویوں میں میرے مقابل وہی تھیں مگر ان کی پرہیزگاری کی وجہ سے اللہ نے ان کو بچائے رکھا۔[1]

صحابیاتؓ اس قدر عفو و درگزر کا پیکر تھیں کہ وہ اپنے مخالفوں سے بغض تک رکھنا بھی پسند نہیں کرتی تھیں۔ حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کو قتل کر دیا تھا، ایک بار وہ کسی فوج کے سپہ سالار تھے، حضرت عائشہؓ نے ایک شخص سے پوچھا کہ اس غزوہ میں معاویہؓ کا سلوک کیسا رہا؟ اس نے کہا: ''ان میں کوئی عیب نہ تھا، سب لوگ ان کے مداح رہے، اگر کوئی اونٹ ضائع ہو جاتا تھا تو وہ اسی جگہ دوسرا اونٹ دے دیتے تھے، اگر کوئی گھوڑا مر جاتا تھا تو وہ اسی جگہ دوسرا گھوڑا دے دیتے تھے، اگر کوئی غلام بھاگ جاتا تھا تو وہ اسی جگہ دوسرا غلام دے دیتے تھے۔'' حضرت عائشہؓ نے یہ سن کر فرمایا: استغفر اللہ! اگر میں ان سے اس بناء پر بغض رکھوں کہ انہوں نے میرے بھائی کو قتل کیا، میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا مانگتے سنا، فرمایا: ''اے اللہ! جو شخص میری امت کے ساتھ ملاطفت کرے تو بھی اس کے ساتھ ملاطفت کر، اور جو شخص اس پر سختی کرے تو بھی اس پر سختی کر''۔[2]

اسی طرح کچھ لوگ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہؓ کے سامنے برا کہنے لگے تو انہوں نے کہا: حسانؓ کو برا مت کہو، وہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے مشرکوں کا مقابلہ کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا: حسانؓ نے آنحضرت ﷺ سے اجازت مانگی کہ میں قریش کے کافروں کی ہجو کرتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: میرا بھی تو خاندان قریش ہی

1۔ بخاری، الجامع الصحیح، مترجم: مولانا وحید الزمان، کتاب الشھادت، باب ''عورتیں عورتوں کا تزکیہ کرسکتی ہیں (ان کی ثقاہت بیان کرسکتی ہیں)''، 01:1058

2۔ بخاری، الجامع الصحیح، مترجم: مولانا وحید الزمان، کتاب المغازی، 02:636، 637

میں ہے۔ حسانؓ نے کہا: میں آپ ﷺ کو ان میں سے ایسا نکال لوں گا جیسے بال آٹے میں سے (صاف) نکال لیا جاتا ہے۔[1]

تہمت لگانے والوں نے پاکیزہ اور مقدس سیدہ طیبہ وطاہرہ حضرت عائشہؓ پہ اتنا بڑا الزام لگایا لیکن انہوں نے صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے ان کی پاکی بیان کی۔ اس سب کے باوجود انہوں نے مخالفین کو کچھ نہ کہا۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب سفر کو جانا چاہتے تو اپنی بیویوں میں قرعہ ڈالتے، جن کے نام قرعہ نکلتا، ان کو ساتھ لے جاتے۔ ایک غزوہ (بنی مصطلق) کے لیے آپ ﷺ جانے لگے تو میرے نام کا قرعہ نکلا، آپ ﷺ کے ساتھ میں بھی روانہ ہوئی اور یہ واقعہ پردے کا حکم اترنے کے بعد کا ہے۔ خیر میں ایک ہودے میں سوار رہتی، اس میں بیٹھے بیٹھے مجھ کو اتارا کرتے، اسی طرح ہم چلتے رہے۔ جب آپ ﷺ اس جہاد سے فارغ ہوئے اور لوگ مدینہ کے نزدیک پہنچ گئے تو ایک رات ایسا ہوا کہ آپ ﷺ نے کوچ کا حکم دیا۔ میں یہ حکم سنتے ہی اٹھی اور لشکر سے آگے بڑھ گئی۔ جب حاجت سے فارغ ہوئی تو اپنے ہودے کے پاس آئی۔ سینہ پر جو ہاتھ پھیرا تو معلوم ہوا کہ ظفار کے کالے نگینوں کا ہار جو میں پہنے تھی ٹوٹ کر گر گیا۔ میں اس کے ڈھونڈنے کے لیے پھر لوٹی اور ڈھونڈتی رہی، میرا ہودہ اٹھانے والے لوگ ہودے کے پاس آئے، وہ سمجھے کہ میں اس میں ہوں۔ انہوں نے اس کو اٹھایا جس اونٹ پر میں سوار ہوا کرتی تھی اس پر لاد دیا۔ اس زمانے میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوا کرتی تھیں۔ بھاری بھرکم نہ تھیں۔ نہ ان کے بدن پر زیادہ گوشت تھا، ذرا سا کھانا کھایا کرتی تھیں۔ تو جب لوگوں نے میرا ہودہ اٹھایا، اس کو معمول کے موافق بوجھل سمجھ کر اٹھا لیا کیونکہ میں اس وقت ایک کم سن (دبلی پتلی) لڑکی تھی۔ خیر وہ اونٹ کو اٹھا کر چل دیئے اور جب سارا لشکر نکل گیا اس وقت میرا ہار ملا۔ میں جو لوگوں کے ٹھکانے پر آئی دیکھا تو وہاں کوئی نہیں ہے، میں اس جگہ جا کر بیٹھ گئی جہاں پر اتری تھی، میں یہ سمجھی کہ

1۔ بخاری، الجامع الصحیح، مترجم: مولانا وحید الزمان، کتاب التفسیر، 02:946، 947

جب لوگ مجھ کو (قافلہ میں) نہ پائیں گے تو اسی جگہ لوٹ کر آئیں گے۔ بیٹھے بیٹھے میری آنکھ لگ گئی میں سو رہی۔ صفوان بن معطل سلمی ذکوانی ایک شخص تھے، وہ قافلہ کے پیچھے رہا کرتے، میری جگہ پر آئے، انہوں نے پردہ عائد ہونے سے پیشتر مجھے دیکھا تھا اس لیے فوراً پہچان گئے۔ انہوں نے پوچھا آپ کس وجہ سے پیچھے رہ گئی ہیں؟ خدا آپؓ پر رحم فرمائے، مگر میں نے ان سے کوئی بات نہ کی پھر انہوں نے اپنا اونٹ مجھ سے قریب کر کے کہا: اس پر بیٹھ جائیں اور خود پیچھے ہٹ گئے، میں بیٹھ گئی۔ انہوں نے اونٹ کو تیز چلایا کہ ہم لشکر کو پکڑ سکیں لیکن ہم ناکام رہے اور صبح جب لوگ پہنچ چکے تھے، صفوان مجھے لے کر پہنچے، پھر تو لشکر کفار میں کھلبلی مچ گئی اور تہمت لگانے والوں کا سردار عبداللہ بن ابی سلول (منافق) بنا۔ خیر میں مدینہ آئی اور ایک مہینہ تک بیمار رہی۔ لوگ اس طوفان کا خوب چرچہ کرتے رہے، میں بیمار تھی، مجھ کو شک یوں پیدا ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی وہ مہربانی میں نے نہ پائی جو بیماری کی حالت میں مجھ پر ہوا کرتی، آپ ﷺ صرف اندر آتے اور سلام علیک فرماتے اور یہ پوچھ کر چلے جاتے کہ اب کیسی ہے؟ مجھے اس طوفان کی خبر تک نہ ہوئی۔ میں بہت ناتواں ہوگئی۔ ایک بار میں اور مسطح کی ماں دونوں مناصع کی طرف نکلے، مناصع میں ہم لوگ قضائے حاجت کے لیے جایا کرتے اور رات ہی کو جایا کرتے۔ ان دنوں ہمارے گھروں کے قریب بیت الخلا نہ تھے اور اگلے زمانہ کے عربوں کی طرح جنگل میں یا باہر دور جا کر قضائے حاجت کیا کرتے، خیر میں اور مسطح کی ماں (سلمٰی) دونوں جا رہی تھیں، وہ اپنی چادر میں اٹک کر پھسلی، کہنے لگی (ہائے) مسطح تباہ ہوگیا! میں نے کہا یہ کیا بری بات نکالتی ہے، تو ایسے شخص کو برا کہتی ہے جو بدر کی لڑائی میں شریک تھا۔ وہ کہنے لگی اری بھولی بھالی! تجھ کو کچھ خبر بھی ہے لوگوں نے کیا طوفان اٹھایا ہے! اس نے مجھ سے یہ طوفان بیان کیا۔ ایک تو میں بیمار تھی، یہ سن کر مزید بیمار ہوگئی۔ جب میں اپنے گھر پہنچی، آنحضرت ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور آپ ﷺ نے سلام علیک کیا، پوچھا اب کیسی ہے؟ میں نے عرض کیا: مجھ کو میرے والدین کے پاس جانے کی اجازت

دیجئے، میرا مطلب یہ تھا کہ میں ان کے پاس جا کر اس خبر کی تحقیق کروں۔ خیر! آپ ﷺ نے مجھ کو اجازت دی۔ میں اپنے ماں باپ کے پاس پہنچی اور اماں جان سے پوچھا کہ یہ لوگ کیا باتیں بنا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا بیٹا! ایسی باتوں کی پرواہ نہ کر، یہ تو زمانہ کا دستور ہے۔ میں نے کہا سبحان اللہ! لوگوں میں کیا اس کا چرچا ہو گیا (انہوں نے کہا ہاں) خیر میں نے یہ رات اسی طرح گزاری کہ ساری رات نہ میرے آنسو تھمے، نہ مجھ کو نیند آئی۔ جب صبح ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے علی بن ابی طالب اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما دونوں کو بلوا بھیجا، کیونکہ اس وقت تک کوئی وحی آپ ﷺ پر نہیں اتری تھی، اس لئے آپ ﷺ نے ان سے یہ مشورہ کیا کہ کیا میں عائشہ کو چھوڑ دوں؟ اسامہؓ کے دل میں جو آنحضرت ﷺ کی بیویوں سے محبت تھی، انہوں نے ویسی ہی رائے دی، کہنے لگے یا رسول اللہ! عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی بیوی ہیں اور ہم تو ان کو پاک دامن ہی سمجھتے ہیں خدا کی قسم اور علی بن ابی طالب نے یوں کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر کچھ تنگی نہیں کی، اگر آپ ﷺ چاہیں تو کسی اور سے نکاح فرما لیں۔ بھلا آپ عائشہؓ کی لونڈی (بریرہؓ) سے ان کا حال پوچھیے، وہ سچ سچ کہہ دے گی۔ آپ ﷺ نے بریرہؓ کو بلایا اور پوچھا: کیا تو نے عائشہؓ میں کوئی شک کی بات کبھی دیکھی ہے؟ وہ کہنے لگی نہیں! قسم اس کی جس نے آپ ﷺ کو سچائی کے ساتھ بھیجا، میں نے تو ان میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس پر عیب لگاؤں۔ ہاں یہ تو ہے وہ ابھی کم سن بچی ہے آٹا چھوڑ کر سو جاتی ہے بکری آ کر آٹا چکھ جاتی ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ اسی دن خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور عبداللہ بن ابی سلول کی شکایت کی (اس کو سزا دلوانا چاہی) آپ ﷺ نے فرمایا کہ کون میرا بدلہ لے گا، اس (منافق و مردود) شخص سے جس نے میری بیوی پر تہمت لگائی؟ قسم خدا کی! میں تو اپنی بیوی کو اچھا ہی سمجھتا ہوں اور جس مرد (صفوان) پر تہمت لگاتے ہیں، میں اس کو بھی نیک ہی جانتا ہوں۔ یہ سننا تھا کہ سعد بن معاذؓ کھڑے ہوئے (جو اوس قبیلے کے سردار تھے) کہنے لگے، یا رسول اللہ! میں آپ ﷺ کا بدلہ لیتا ہوں،

اگر وہ شخص اوس کا ہے تو ہم اس کی گردن اڑا دیں گے اور جو ہمارے بھائیوں خزرج (قبیلہ) کا ہے تو جیسا آپ ﷺ حکم دیں گے، وہ ہم بجا لائیں گے۔

ادھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرا یہ حال کہ سارا دن روتے گزرتا تھا، نہ آنسو رکتے تھے، نہ دم بھر نیند آتی تھی۔ میرے ماں باپ میرے پاس آ گئے۔ وہ میرے پاس ہی بیٹھے تھے میں رو رہی تھی، اتنے میں ایک انصاریہ عورت نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ وہ بھی آ کر بیٹھ گئی اور میرے ساتھ رونے لگی، ہم اسی خیال میں تھے کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور بیٹھ گئے، اس سے پہلے جس دن سے یہ طوفان اٹھا تھا، آپ ﷺ میرے پاس بیٹھتے ہی نہ تھے۔ ایک مہینہ (کامل) آپ ﷺ اس تردّد میں رہے، میرے بارے میں کوئی وحی نہ آئی، آپ ﷺ نے تشہد پڑھا اور فرمایا عائشہؓ مجھے تیری طرف سے ایسی ایسی خبر پہنچی ہے، اگر تو پاک دامن ہے تو اللہ تیری پاک دامنی کھول دے گا اور جو تو (واقعی) پھنس گئی ہے تو اللہ سے بخشش مانگ، توبہ کر، جب بندہ توبہ کرتا ہے اور گناہ کا اقرار کرتا ہے تو اللہ معاف کر دیتا ہے۔ جب آپ ﷺ یہ گفتگو کر چکے تو میرے آنسو بند ہو گئے، ایک قطرہ بھی نہ رہا اور میں نے اپنے والد سے کہا کہ آپؓ میری طرف سے آنحضرت ﷺ کو جواب دیں۔ وہ کہنے لگے: خدا کی قسم میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آنحضرت ﷺ کو کیا جواب دوں۔ پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ تو میری طرف سے کچھ بولیں، آنحضرت ﷺ کو جواب دیں۔ وہ بھی یہی کہنے لگیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ان دنوں میں ایک کم سن لڑکی تھی، اتنا بہت قرآن بھی نہیں پڑھتی تھی۔ میں نے خود ہی جواب دینا شروع کیا اور کہا میں جانتی ہوں لوگوں نے جو باتیں بنائیں وہ آپ ﷺ سن چکے ہیں اور اگر میں اپنے تئیں خود کو پاک کہوں اور اللہ میری پاکی خوب جانتا ہے، تب بھی آپ ﷺ مجھے سچا کیوں سمجھنے لگے؟ اور اگر میں (جھوٹ) خطا کا اقرار کر لوں تو تب بھی اللہ ہی میری پاکی جانتا ہے، تو آپ ﷺ مجھ کو سچا سمجھیں گے۔ خدا کی قسم! اب تو میری اور آپ سب لوگوں کی وہی مثل ہے جو یوسف کے باپ کی گزری۔ جب انہوں نے کہا اچھی

طرح صبر کرنا، یہی میرا کام ہے اور لوگ جو باتیں بنا رہے ہوں ان میں اللہ ہی میرا مددگار ہے۔ مجھے امید تھی اللہ ضرور مجھ کو پاک رکھے گا لیکن میں یہ نہیں سمجھتی تھی کہ میرے بارے میں قرآن اترے گا (جو قیامت تک پڑھا جائے گا)۔ میں اپنی حیثیت اتنی نہیں جانتی تھی کہ میرے مقدمہ میں قرآن پڑھا جائیگا بلکہ مجھے یہ امید تھی کہ آنحضرت ﷺ میرے مقدمے میں کوئی خواب دیکھیں گے جس سے اللہ میری پاکدامنی ظاہر کر دے گا، پھر قسم خدا کی آپ ﷺ اس جگہ سے سرکے بھی نہ تھے اور نہ گھر کے لوگوں میں سے کوئی باہر گیا تھا اتنے میں آپ ﷺ پر وحی آنے لگی۔ آپ ﷺ کو پسینہ آنا شروع ہوا (جیسے وحی کے وقت آیا کرتا تھا) جو موتیوں کی طرح سردی کے دنوں میں بھی آپ ﷺ کے چہرے سے ٹپکتا۔ جب وحی کی حالت ختم ہوئی تو آنحضرت ﷺ (خوشی سے) مسکرانے لگے اور مجھ سے فرمایا عائشہ! اللہ کا شکر بجا لا۔ اللہ نے تیری پاکی بیان فرما دی۔ اس وقت میری ماں (ام رومان) کہنے لگیں اٹھ! اور آنحضرت ﷺ کے پاس آ۔ آپ ﷺ کا شکریہ ادا کر۔ میں نے کہا: واللہ! میں نہ آپ ﷺ کے پاس اٹھ کر جاؤں گی نہ آپ ﷺ کا شکریہ کروں گی۔ میں تو اپنے مالک کا شکریہ کروں گی، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتاریں:

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ [1]

"یقین جانو کہ جو لوگ یہ جھوٹی تہمت گھڑ کر لائے ہیں وہ تمہارے اندر ہی کا ایک ٹولہ ہے، تم اس بات کو اپنے لیے برا نہ سمجھو، بلکہ یہ تمہارے لیے بہتر ہی بہتر ہے۔ ان لوگوں میں سے ہر ایک کے حصے میں اپنے کئے کا گناہ آیا ہے اور ان میں سے جس شخص نے اس (بہتان) کا بڑا حصہ اپنے سر لیا ہے اس کے لیے تو زبردست عذاب ہے"۔

جب اللہ نے میری پاکی نازل کی، تو ابوبکر صدیقؓ نے جو پہلے مسطح بن اثاثہ سے

1۔ النور، 24:11

قرابت کی وجہ سے اچھا سلوک کیا کرتے، یہ قسم کھالی کہ اب میں مسطح سے کبھی کچھ سلوک نہ کروں گا۔اس نے عائشہؓ کے بارے میں طوفان اٹھایا۔اس وقت یہ آیت اتری:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۔[1]

”اور تم میں سے جو لوگ اہل خیر ہیں اور مالی وسعت رکھتے ہیں، وہ ایسی قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں، مسکینوں اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گیا ورانہیں چاہیے کہ معافی اور درگزر سے کام لیں۔کیا تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ اللہ تمہاری خطائیں بخش دے؟ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے“۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کہنے لگے: بے شک میں تو اللہ کی مغفرت کا طالب ہوں (سبحان اللہ! ایمان ہو تو ایسا) اور مسطح سے جو سلوک کیا کرتے تھے وہ پھر جاری کر دیا۔[2]

صحابیاتؓ کے عفو و درگزر سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ دین کی راہ پر چلنے والوں کو اپنے حوصلے بلند رکھنے پڑتے ہیں، ایسے تمام لوگوں کو معاف کرنا پڑتا ہے جو ان کی کردار کشی میں مصروف ہوتے ہیں، ایک داعی کا اخلاق اپنے مخالفین کو بہت متاثر کرتا ہے۔

صحابیاتؓ کا صبر و استقلال:

صبر کا لغوی معنی ہے روکنا یا برداشت کرنا وغیرہ مگر اصطلاح میں استقلال، تحمل، ثابت قدمی و استقامت، جرأت اور دل کی مضبوطی کے ساتھ تمام پریشانیوں پر قابو پانا صبر کہلاتا ہے۔اسلامی اصطلاح میں اس سے مراد غیر موافق حالات میں اللہ اور رسول اللہ ﷺ

1۔ النور،24:22

2۔ صحیح بخاری، مترجم: مولانا وحید الزمان، کتاب الشہادت، باب ”عورتیں عورتوں کا تزکیہ کرسکتی ہیں (ان کی ثقاہت بیان کرسکتی ہیں)“،01:1055

کی اطاعت کرنا اور نیک عمل پر قائم رہنا ہے۔صبر سے یہ بھی مراد ہے کہ کسی خوشی، مصیبت، غم اور پریشانی وغیرہ کے وقت میں خود کو قابو میں رکھنا اور خلافِ شریعت کاموں سے بچنا۔

عام طور پر استقلال کا لفظ صبر ہی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔استقلال کے لغوی معنی ہیں بغیر کسی کوتاہی کے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدوں (صراطِ مستقیم) پر قائم رہنااور ہمیشہ بلند ہمتی سے اس کی پیروی کرتے رہنا، گویا تمام احکامِ شریعت کی صحیح مکمل اور دائمی اتباع کا نام استقلال ہے۔اسلام نے اہلِ ایمان کو صبر و استقلال کی تعلیم دی ہے۔یہ وہ جوہر ہے کہ جس سے اسلامی تعلیمات پانا آسان ہو جاتا ہے اگر صبر و استقلال کی صفات نہ ہوں تو اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو جاتی ہے۔صحابیاتؓ کی حیات طیبہ صبر و استقلال کا بے مثال نمونہ ہے، جس کی چیدہ چیدہ امثال درج ذیل ہیں:

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا:

جناب سیدہ فاطمہؓ کی پوری زندگی صبر و قناعت اور تسلیم و رضا پر مبنی ہے۔ساری عمر غربت و افلاس میں بسر کی، مگر کبھی اس حالت سے رنجیدہ نہ ہوئیں۔اللہ کی رضا سے خوش رہتی تھیں۔اکثر تین تین روز کا فاقہ ہوتا مگر ان کی زبان پر حرفِ شکایت تک نہ آتا۔جو کچھ بھی ملا، بصد شکر و اطمینان قبول کیا۔آپ ﷺ نے اپنی نورِ نظر کی تربیت اس نہج پر کی تھی کہ جناب فاطمہؓ کا منتہائے مقصود صبر و رضا اور زہد و تقویٰ تھا۔

ایک مرتبہ کسی عورت نے پوچھا کہ اگر کسی کے پاس چالیس اونٹ ہوں تو ان پر کتنی زکوۃ واجب ہے؟ جناب سیدہؓ نے فرمایا: اگر میرے پاس ہوں تو چالیس کے چالیس اور اگر کسی اور کے پاس ہوں تو چالیس میں سے ایک۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور دیکھا کہ انہوں نے اونٹ کی پشم کا ایک موٹا سا کپڑا پہن رکھا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: اے فاطمہؓ! آج دنیا میں مشقت اور تنگیٔ معاش پر صبر کر، تا کہ جنت میں اللہ کی

نعمتوں سے فیض یاب ہو۔ جناب سیدہؓ اسی لئے بارگاہ ایزدی سے رضائے الٰہی پر سرِ تسلیم خم کرنے کی توفیق کی التجا کرتی تھیں۔ اللہ کی رضا اور خوشنودی کی طالب تھیں۔ وہ اللہ سے دعا کرتی تھیں کہ اللہ انہیں اپنی رضاؤں سے بہرہ یاب کرے اور چاہتی تھیں کہ انہیں اللہ بخششوں کی خوش خبری دے۔

جابر بن عبداللہ انصاریؓ کا بیان ہے کہ:

”ایک دن رسول اکرم ﷺ جناب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما ہوئے۔ دیکھا بیٹی آٹا گوندرہی ہے۔ زبان پر کلام اللہ جاری ہے اور لباس میں تیرہ (13) پیوند لگے ہیں، جناب رسالت مآب ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا: ”اے فاطمہ! دنیا کی تکلیف کا صبر سے خاتمہ کر اور آخرت کی خوشی کا انتظار کر“۔[1]

یقیناً سیدہ فاطمہؓ کا صبر واستقلال آج کی خواتین کے لئے مشعل راہ ہے کہ کیسے مصائب پر صبر و ہمت سے کام لیا جاتا ہے۔

اُمِ دحداح رضی اللہ عنہا:

غزوہ اُحد کے موقع پر حضرت ابو دحداح رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی اُم دحداحؓ کو الوداع کیا اور مجاہدین کے ہمراہ مشرکین سے نبرد آزما ہونے کے لیے روانہ ہو گئے۔ جب مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑے تو حضرت ابو دحداح انصار کی جماعت کے ساتھ ثابت قدم رہے اور لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ اسی طرح جب غزوہ احد میں ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، مسلمان مختلف ٹولیوں میں بکھرے ہوئے تھے، وہ دشمن کے آگے پسپا ہو رہے تھے۔ یہ دلفگار انداز میں کہنے لگے: اے خاندان انصار! میری طرف قدم بڑھاؤ، ادھر آؤ، میں ثابت بن دحداح ہوں، اگر حضرت محمد ﷺ قتل کر بھی دیئے گئے، تب بھی اللہ تو زندہ و جاوید ہے، اسے موت نہیں آئے گی۔ اپنے دین کے دفاع

1۔ ابن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: مولانا راغب رحمانی، نفیس اکیڈمی، کراچی، 08:43

کے لیے لڑو، گھبراؤ نہیں۔ اللہ تمہیں غالب کرے گا، وہی تمہارا حامی و ناصر ہوگا۔ یہ آواز سنتے ہی انصار کے چند افراد ان کی طرف بڑھے تو حضرات ابو دحداحؓ نے چند مسلمانوں کو ساتھ ملا کر دشمن پر پیش قدمی کی، اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک مسلح اور تند خو لشکر ان کے سامنے آ کھڑا ہوا جس میں مد مقابل لشکر کے سردار بھی موجود تھے۔ اس لشکر سے جنگ کے دوران ابو دحداحؓ چند دیگر انصار صحابہؓ کے ہمراہ شہید ہو گئے۔ سبحان اللہ! کیا ہمت تھی اُمِ دحداح رضی اللہ عنہا کی! جس خاتون کو اس کے خاوند کی موت کا پتہ چلے وہ کیا ردعمل ظاہر کرے گی؟ لیکن جب حضرت ابو دحداح رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ان کی بیوی حضرت اُمِ دحداح رضی اللہ عنہا کو ملی، انہوں نے نہ تو اپنا چہرہ پیٹا، نہ ہی اپنے کپڑے پھاڑے اور نہ ہی اپنے سر میں مٹی ڈالی، بلکہ اس نے مسلسل اللہ اکبر، انا للہ وانا الیہ راجعون کہتے ہوئے اللہ تعالی سے ثواب حاصل کرنے کا ارادہ کر لیا۔[1]

بلکہ اُم دحداح رضی اللہ عنہا تو یہ دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھیں کہ آنحضرت ﷺ جنگ سے صحیح سالم واپس آ گئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا سلامتی سے ہونا تو گویا ہر مصیبت کو معمولی دکھائی دیتا ہے۔ یہی اُم دحداح رضی اللہ عنہا ہی وہ شخصیت ہیں کہ جنہوں نے ہر معاملے میں اپنے خاوند کا حوصلہ بڑھایا، ان کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول! فلاں آدمی کا ایک باغ ہے، میں وہاں اپنی دیوار قائم کرنا چاہتا ہوں، آپ ﷺ اسے حکم دیجئے کہ وہ مجھے یہ جگہ دے دے تا کہ میں اپنی دیوار کھڑی کر لوں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعلقہ آدمی سے کہہ دیا کہ جنت میں ایک درخت کے بدلے تم اسے یہ جگہ دے دو، لیکن اس نے انکار کر دیا، حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو وہ اس کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ اپنا باغ میرے باغ کے عوض فروخت کر دو، اس نے بیچ دیا، وہ اسے خریدنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

1۔ ابن اثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، تحقیق: خالد محمود، دار المعرفہ، بیروت، لبنان، 05:444

آئے اور کہنے لگے کہ میں نے وہ باغ اپنے باغ کے بدلے خرید لیا ہے، آپ ﷺ یہ اس شخص کو دے دیجئے، کہ میں نے یہ باغ آپ ﷺ کو دے دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر کئی مرتبہ فرمایا کہ ابوالدحداح ؓ کے لئے جنت میں کتنے بہترین گچھے ہیں، اس کے بعد وہ اپنی بیوی (اُم دحداح ؓ) کے پاس پہنچے اور ان سے فرمایا کہ اے اُمِ دحداح! اس باغ سے نکل چلو کہ میں نے اسے جنت کے باغ کے عوض فروخت کر دیا ہے، ان کی بیوی نے کہا کہ کامیاب تجارت کی۔ [1]

صحابیاتؓ کی دنیا سے بے رغبتی کی ایسی عمدہ مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔

اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا:

اُمِ سلمہؓ کا نکاح عبداللہ بن عبدالاسد جو زیادہ تر ابوسلمہؓ کے نام سے مشہور ہیں، ان سے ہوا۔ آغازِ نبوت میں اپنے شوہر کے ساتھ ایمان لائیں اور انہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حبشہ میں کچھ زمانہ تک قیام کر کے مکہ واپس آئیں اور یہاں سے مدینہ ہجرت کی۔ ہجرت کا واقعہ نہایت عبرت انگیز تھا۔[2]

فرماتی ہیں کہ جب ابوسلمہؓ نے مدینہ کی جانب نکل جانے کا پکا ارادہ کر لیا تو اپنے اونٹ پر میرے لیے (اُمِ سلمہؓ کے لیے) کجاوہ کسا اور مجھے اس میں سوار کروا دیا۔ میرے لڑکے کو بھی میری گود میں بٹھا دیا اور مجھے لے کر اپنا اونٹ لے کر نکلے۔ جب انہیں بنی مغیرہ بن عبداللہ (بن عمر بن مخزوم) کے لوگوں نے دیکھا تو وہ ان کی طرف جھپٹے اور کہا: تم نے اپنی ذات کے متعلق تو (حجت میں) ہم پر غلبہ حاصل کر لیا (تمہیں اپنی ذات کے متعلق اختیار ہے کہ جو چاہو کرو، جہاں چاہو رہو، جو دین چاہو اختیار کرو، لیکن) یہ بتاؤ کہ تمہاری اس بی بی کو ہم کیوں چھوڑ دیں کہ تم اسے لے کر شہر بہ شہر پھرو۔ انہوں نے اونٹ کی مہار ابوسلمہؓ کے ہاتھ سے چھین لی اور مجھے ان سے لے لیا۔ تب تو ابوسلمہؓ کی جماعت بنی

1۔ احمد بن حنبل، مسند احمد: 12482

2۔ ابن کثیرؒ، البدایہ والنہایہ، مترجم: پروفیسر کوکب شادانی نفیس اکیڈمی، کراچی، 03:129

عبدالاسد غصے میں آ گئی اور انہوں نے کہا: جب تم نے ہمارے آدمی سے اس (کی عورت) کو چھین لیا ہے تو واللہ! ہم بھی اپنے بچے کو اس کی ماں کے پاس نہ چھوڑیں گے، پھر میرے بچے سلمہ کو بنی عبدالاسد لے گئے اور میرے شوہر مدینہ چلے گئے اور ہم میں جدائی ڈال دی۔ [1]

بالآخر میرے چچیرے بھائی کی مہربانی سے وہ لوگ میری ہجرت پر راضی ہو گئے اور میرا بچہ بھی واپس کر دیا تو میں بچے کو گود میں لے کر اپنے اونٹ پر تنہا سوار ہو گئی، میرے ساتھ کوئی بھی نہ تھا، جب مقام تنعیم پہنچی تو مجھے عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ ملے۔ انہوں نے کہ واللہ میں تمہیں تنہا نہ چھوڑوں گا۔ [2] اور مدینہ کی طرف روانہ ہوا، راستہ میں جب کہیں ٹھہرتا تو اونٹ کو بٹھا کر کسی درخت کے نیچے چلا جاتا اور حضرت اُمِ سلمہؓ اتر پڑتیں، روانگی کا وقت آتا تو اونٹ پر کجاوہ رکھ کر ہٹ جاتا اور اُم سلمہؓ سے کہتا کہ سوار ہو جاؤ۔ حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایسا شریف آدمی کبھی نہیں دیکھا، غرض مختلف منزلوں پر قیام کرتا ہوا مدینہ لایا، قبا کی آبادی پر نظر پڑی تو بولا: اب تم اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ، وہ یہیں مقیم ہیں، یہ ادھر روانہ ہوئیں اور عثمان نے مکہ کا راستہ لیا۔

قبا پہنچیں تو لوگ ان کا حال پوچھتے اور جب یہ اپنے باپ کا نام بتاتیں تو ان کو یقین نہ آتا تھا۔ یہ حیرت ان کے تنہا سفر کرنے پر تھی۔ شرفاء کی عورتیں اس طرح باہر نکلنے کی جرأت نہیں کرتی تھیں اور حضرت اُمِ سلمہؓ مجبوری کی وجہ سے خاموش ہوتی تھیں، لیکن جب لوگ حج کے ارادہ سے مکہ روانہ ہوئے تو انہوں نے اپنے گھر رقعہ بھجوایا تو اس وقت لوگوں کو یقین ہوا کہ واقعی ابوامیہ کی بیٹی ہیں، ابوامیہ چونکہ قریش کے نہایت مشہور اور معزز شخص تھے، اس لئے اب حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ کچھ زمانہ تک شوہر کا ساتھ رہا، حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بڑے شہسوار تھے، بدر اور احد

1۔ ابن ہشامؒ، سیرت النبی ﷺ کامل، مترجم: مولانا عبدالجلیل صدیقی، مولانا غلام رسول مہر، غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 516،515:01

2۔ ایضاً، 516:01

میں شریک ہوئے ،غزوہ احد میں زخم کھائے جن کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے ، جمادی الثانی سنہ 4ھ میں ان کا زخم پھٹا اوراسی صدمہ سے وفات پائی ۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچیں اور وفات کی خبر سنائی ۔آنحضرت ﷺ خود ان کے مکان پر تشریف لائے ،گھر میں کہرام مچا تھا،حضرت اُم سلمہؓ کہتی تھیں: ہائے غربت میں یہ کیسی موت ہوئی ؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا،صبر کرو، ان کی مغفرت کی دعا مانگو، اور یہ کہو کہ خداوند! ان سے بہتر ان کا جانشین عطا کر۔اس کے بعد ابوسلمہؓ کی لاش پر تشریف لائے اور جنازہ کی نماز نہایت اہتمام سے پڑھی گئی ۔وفات کے وقت ابوسلمہؓ کی آنکھیں کھلی رہ گئیں تھیں، آنحضرت ﷺ نے خود دست مبارک سے آنکھیں بند کیں اور ان کی مغفرت کی دعا مانگی ، بالآخر اُمِ سلمہؓ کا نکاح حضور ﷺ سے ہوا اور ان کے غم کے بادل چھٹ گئے ۔[1] اُم المومنین حضرت اُمِ سلمہؓ نے جس صبر واستقامت سے دشمنانِ اسلام کے مصائب وآلام کو برداشت کیا اور اپنے پایہ استقلال میں لغزش نہیں آنے دی ، وہ ہمارے لیے مشعل راہ ہے ۔اسلام کی خاطر اپنے عزیز واقارب اور وطن کو چھوڑا ۔اپنے شوہر کی وفات کے بعد صبر وشکر سے کام لیا اور حضور ﷺ کی تلقین صبر واستقلال پر اور آپ ﷺ کی دعا پر عمل کیا ۔تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا سن کر ان کے عزم واستقلال کا بدلہ اس دنیا میں یہ دیا کہ ان کے پہلے شوہر سے بھی بہتر شوہر عطا فرمادیا ۔(وہ اُم سلمہؓ سے اُم المومنین اُمِ سلمہؓ بن گئیں)۔

حضرت سمیعہ رضی اللہ عنہا:

آپؓ خباط کی بیٹی اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم کی والدہ ہیں ۔اسلام کی صدا بلند ہوئی تو حضرت سمیعہ ، یاسر اور عمار رضی اللہ عنہم تینوں نے اس دعوت پر لبیک کہا ۔تاریخ میں حضرت سمیعہؓ کا اسلام قبول کرنے والوں میں ساتواں (7) نمبر ہے ۔اسلام قبول کرنے کے بعد کچھ دن اطمینان سے گزر گئے لیکن اسلام قبول کرنے کی پاداش میں

1۔ مسلم ،الجامع الصحیح ،کتاب الجنائز ،باب ''البکاء علی المیت''،رقم الحدیث:2134

قریش کا ظلم وستم شروع ہو گیا جو بتدریج بڑھتا گیا ۔

حضرت سمیعہؓ نے اسلام قبول کیا تو ان کو کفار نے طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کیں ، سب سے سخت اذیت دی تھی کہ ان کو مکہ کی تپتی ریت میں لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیتے تھے ۔لیکن اس کے باوجود وہ اسلام پر ثابت قدم رہتی تھیں ۔ایک دن کفار نے حسب معمول ان کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں زمین پر لٹا دیا تھا ، اس حالت میں رسول کریم ﷺ کا گزر ہوا تو فرمایا: صبر کرو۔تمہارا ٹھکانہ جنت میں ہے ، لیکن کفار کو اس پر بھی تسکین نہ ہوئی اور ابو جہل نے ان کی ران میں برچھی مار کر ان کو شہید کر دیا ۔چنانچہ اسلام میں سب سے پہلے شرفِ شہادت انہی کو نصیب ہوا ۔[1] صبر و استقلال کی ایسی داستان ہمیں دعوتِ فکر دیتی ہے ۔

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ :

جب کسی کے گھر میں فوتگی ہو جاتی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس جاتیں اور انہیں صبر کی تلقین کرتیں کہ مرنے والے کو کوئی روک نہیں سکتا اور ایک دن ہم سب نے بھی مرجانا ہے ، یہی زمانے کا دستور ہے ۔وفات کی وجہ سے عورتیں جمع ہوتی تھیں ، جب وہ چلی جاتیں ، صرف گھر والے اور خاص خاص عورتیں رہ جاتیں تو آپ ہانڈی میں تلبینہ (حریرہ کی ایک قسم جو دودھ سے بنایا جاتا تھا) پکانے کا حکم دیتیں ، وہ پکایا جاتا ۔پھر ثرید پکایا جاتا اور تلبینہ اس پر ڈالا جاتا ، پھر اُم المومنین فرماتیں کہ اسے کھاؤ کیونکہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے ، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ تلبینہ مریض کے دل کو تسکین دیتا ہے اور اس کا غم دور کرتا ہے ۔[2]

1۔ابن اثیرؒ، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہؓ ، مترجم: پروفیسر غلام ربانی عزیز ، مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور، 147،146:10

2۔صحیح بخاری، مترجم: مولانا وحید الزمان، کتاب الاطعمۃ، باب ''تلبینہ''، حذیفہ اکیڈمی، اردو بازار، لاہور، 03:162

اُم ایمن رضی اللہ عنہا:

اُمِ ایمنؓ غزوہ حنین میں اپنے دونوں بیٹوں ایمن اور اسامہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ شریک ہوئیں، ایک موقع پر جب مجاہدین میں بھگدڑ مچی تو جو صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کو اپنے گھیرے میں لئے کھڑے تھے، ان میں اُمِ ایمنؓ اپنے دونوں بیٹوں سمیت شامل تھیں۔ ان کے بڑے بیٹے ایمنؓ غزوہ حنین میں شہید ہو گئے تھے، لیکن اس کے باوجود ان کے پایہ استقلال میں کمی نہ آئی۔ [1] بلاشبہ ان کا صبر اور حوصلہ آج کی مسلم خواتین کے لئے مشعلِ راہ ہے۔

اُمِ سلیم رضی اللہ عنہا:

ابوطلحہؓ کا ایک بچہ بیمار ہوا اور وہ مر گیا، اس وقت ابوطلحہ رضی اللہ عنہا گھر میں نہ تھے، جب ان کی بی بی اُم سلیمؓ نے دیکھا کہ وہ مر چکا تو انہوں نے کچھ کھانا تیار کیا اور بچے کو ایک طرف کونے میں کر دیا۔ اتنے میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آئے، انہوں نے پوچھا کہ بچہ کیسا ہے؟ اُم سلیمؓ نے کہا کہ اس کو آرام ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ اب اس کو چین ملا۔ ابو طلحہ سمجھے کہ اُم سلیمؓ سچ کہتی ہیں (اب کچھ اچھا ہے)۔ ابوطلحہؓ رات کو اُم سلیم کے پاس رہے۔ صبح کو غسل کیا، جب باہر جانے لگے تو اُم سلیمؓ نے ان سے کہا کہ بچہ تو مر گیا۔ ابوطلحہؓ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ آ کر نماز پڑھی اور آپ ﷺ سے اُم سلیم کا حال بیان کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ شاید اس رات میں ان دونوں (میاں بیوی) کو برکت دے گا۔

سفیان بن عیینہؒ نے کہا ایک انصاری مرد (عاس یہ بن رافع بن خدیج) کہتے تھے، میں نے اُم سلیمؓ کے نو (9) لڑکے دیکھے، سب کے سب قرآن کے قاری تھے۔ [2]

''ترجمان السنہ'' میں ہے جب صبح ہوئی تو ان کی بی بی نے پوچھا: ابوطلحہؓ! بتاؤ اگر

1۔ ابن سعدؒ، طبقات ابن سعد، ترجمہ: مولانا عبداللہ عمادی، حیدر آباد دکن، 08:223

2۔ بخاری، جامع الصحیح، مترجم: مولانا وحید الزمان، کتاب الجنائز، 567،566:01

کسی نے کسی کے پاس اپنی کوئی چیز بطور عاریہ رکھی ہو، پھر وہ اسے مانگ لے تو کیا اس شخص کو اس کے روکنے کا کوئی حق ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، وہ بولیں تو پھر اپنے بچے پر صبر کرو (وہ بھی خدا کی امانت تھی، اس نے لے لیا ہے) اس پر انہیں غصہ آیا اور فرمایا: مجھے یہ پہلے کیوں نہ بتایا تھا کہ اس غم کے حال میں ہمبستری نہ کرتا۔ اس حدیث سے عرب کے سلیقہ کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اس مہذب عورت نے شب میں دفعتاً ایسے اضطراب انگیز حادثہ کی خبر دینا بھی نامناسب سمجھا اور جھوٹ بولنا بھی گوارا نہ کیا، اس لئے ایک ایسا ذومعنی فقرہ کہہ دیا جو اپنی جگہ درست بھی تھا اور اس کے شوہر کے لئے اس میں کسی اور معنی سمجھنے کی گنجائش بھی تھی۔ [1] یہ واقعہ آپؓ کے صبر و استقلال کی ایک عظیم مثال ہے۔

اُمِ حارثہ الربیع رضی اللہ عنہا:

آپؓ ان خواتین میں سے تھیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا خصوصی کرم کیا، انہیں اچھا مقام دیا۔ انہوں نے اپنے بیٹے اور بیٹی کی اچھی طرح سے تربیت کی۔ اپنے بیٹے حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس نہج پر تیار کیا کہ وہ لشکر اسلام میں شامل ہوا اور اس کے دل میں اللہ کی راہ میں شہادت کا شوق پیدا کیا۔ حارثہؓ بن سراقہ ان نوجوانوں میں سے تھا جن کے دلوں کو ایمان نے آباد کر دیا تھا اور اللہ کی راہ میں شہادت کے شوق نے انہیں ہر دوسری چیز سے بے نیاز کر دیا تھا، ایک دن رسول کریم ﷺ نے ان سے فرمایا:

حارثہ! آج صبح کیسے گزری؟

انہوں نے عرض کی: میں نے آج صبح ایک سچے مومن کی صورت میں گزاری۔

آپ ﷺ نے فرمایا: غور کرو تم کیا کہتے ہو؟ ہر بات کی ایک حقیقت ہوا کرتی ہے۔

انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میرا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا ہے۔ میں رات کو جاگتا ہوں اور دن کو پیاسا رہتا ہوں۔ میرے رب کا عرش مجھے واضح دکھائی دیتا ہے۔ گویا

1۔ اصفہانی، ابونعیم احمد بن عبداللہ، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیائ، مترجم: محمد اصغر مغل، دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی، 02:394

اہل جنت کو بچشمِ سر دیکھتا ہوں کہ وہ ایک دوسرے سے ملاقات کررہے ہیں اور اہلِ جہنم کو دیکھتا ہوں کہ وہ آہ وبکا کررہے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تجھے بصیرت مل گئی، عبد رہنے پر ہی اکتفا کیجئے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تیرے دل میں ایمان کا بیج بو دیا ہے۔

حارثہؓ نے عرض کی کہ یارسول اللہ! میرے لیے شہادت کی دعا کیجئے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں شہادت کی دعا کی، غزوہ بدر بپا ہوا، حارثہؓ اپنی والدہ کی دعائیں لے کر روانہ ہوئے، جب معرکہ شروع ہوا تو وہ شہادت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ حارثہؓ کے حق میں آپ ﷺ کی دعا قبول ہوگئی۔ ابن اسحاقؒ کہتے ہیں: معرکہ میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ بن خطاب کے غلام مہجع رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، ان پر ایک تیر پھینکا گیا جس نے انہیں قتل کردیا، ان کے بعد ایک گمنام تیر حارثہؓ بن سراقہ پر پھینکا گیا جو ان کے گلے میں لگا اور اس نے انہیں شہید کردیا۔[1]

اُمِ حارثہؓ اور ان کی بیٹی کو حارثہؓ کے شہید ہونے کی خبر مدینہ منورہ میں ملی، تو ان کی والدہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس وقت تک نہیں روؤں گی جب تک رسول اللہ ﷺ مدینے تشریف نہیں لے آتے اور میں آپ ﷺ سے دریافت نہ کرلوں، اگر میرا بیٹا جنت میں ہے تو اس کے لئے نہیں روؤں گی، بلکہ میں صبر کروں گی اور اجر وثواب کی نیت رکھوں گی اور اگر خدانخواستہ جہنم میں ہے تو پھر میں جی بھر کر آنسو بہاؤں گی۔ نبی کریم ﷺ بدر سے کامیاب ہوکر مدینہ تشریف لائے، یہ آپ ﷺ کے پاس آئیں، جیسا کہ بخاری شریف میں مذکور ہے کہ عرض کی: یارسول اللہ! کیا آپ حارثہؓ کے بارے میں مجھے نہیں بتائیں گے؟ اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں اور اگر اس کے علاوہ کچھ ہے تو میں جی بھر کر روؤں اور جگر کو پیٹوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے اُمِ حارثہؓ! وہ جنت میں روپوش ہے اور تیرا بیٹا اعلیٰ درجے کی جنت یعنی فردوس میں ہے۔ اُمِ حارثہؓ ہنستی مسکراتی ہوئی واپس

1۔ ابن سعدؒ، طبقات ابن سعد، مترجم: مولانا راغب رحمانی، 08:217

آئیں۔ ان کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے: اے حارثہؓ! تجھے مبارک ہو۔

پھر رسول کریم ﷺ نے پانی کا ایک برتن منگوایا۔ اس میں اپنا ہاتھ ڈالا، کلی کی، پھر وہ پانی اُمِ حارثہ رضی اللہ عنہا کو پکڑایا۔ اس نے وہ پانی خود بھی پیا اور اپنی بیٹی کو بھی پلایا۔ پھر ان دونوں کو یہ حکم دیا کہ بقیہ پانی سے اپنے گریبانوں پر چھینٹیں ماریں، انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر وہ نبی کریم ﷺ کے پاس سے واپس آگئیں۔ مدینہ منورہ میں یہ دونوں عورتیں سب سے زیادہ خوش اور مطمئن تھیں، اس لئے کہ انہیں اس بات کا علم ہوگیا تھا کہ ان کا عزیز بہترین ٹھکانے پر پہنچ گیا ہے۔[1]

اُمِ کجہ الانصاریہ رضی اللہ عنہا:

اسلام سے پہلے جو دور تھا، وہ جاہلیت کا تھا، جس کے معاشرے میں بے انتہا برائیاں تھیں اور انسانیت کی دھجیاں بکھیر دی جاتی تھیں۔ خاص طور پر اس زمانے میں عورتوں کے ساتھ بہت برا سلوک کیا جاتا تھا۔ عورت کو اس کے حقوق سے محروم رکھا جاتا تھا۔ جب کسی کے ہاں بھی بیٹی پیدا ہوتی تھی تو وہ اسے بچپن ہی میں زندہ دفن کردیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ عورت کو حقیر سمجھ کر نہ اس کو باپ کی میراث سے کچھ ملتا تھا اور نہ ہی شوہر کی میراث سے بلکہ اسے خود میراث میں تقسیم کردیا جاتا تھا۔

ظہورِ اسلام کے بعد عورت کو معاشرے میں اس کا مقام دیا گیا اور رشتوں کے حوالے سے عورت کی عزت اور تکریم کی گئی۔ اُم کجہ انصاریہ رضی اللہ عنہا مسلمان خواتین کی سردار تھیں جنہوں نے اسلام اور اس کی شریعت حنفیہ کی پیروی کی۔ آپؓ کی شادی ایک جلیل القدر صحابی اوس بن ثابت انصاریؓ سے ہوئی، اللہ نے انہیں مال ودولت سے خوب نوازا تھا، اُم کجہؓ اور ان کے خاوند کی زندگی گذر رہی تھی کہ ''یوم احد'' آن پہنچا۔ حضرت اوسؓ نے بدر کی طرح اس غزوہ کے لیے بھی اپنی بیوی کو الوداع کہا، چھوٹی بیٹیوں کو پیار کیا اور لڑائی کے میدان میں جا پہنچے۔ معرکہ شروع ہوا اور فرشتوں نے شہید مومنوں کی ارواح

1۔ ابن سعدؒ، طبقات ابن سعد، مترجم: مولانا راغب رحمانی، 08:218

کو اپنی حفاظت میں لینا شروع کر دیا اور جنت کی طرف پرواز کرنی شروع کر دی۔ حضرت اوس بن ثابتؓ بھی احد کی زمین کو اپنے لہو سے سرخ کر کے شہید ہو گئے اور ان کی روح شہادت کا پروانہ لے کر جنت کی طرف پرواز کر گئی۔ اُم کجہؓ اس آزمائش کے وقت میں ایمان پر قائم رہیں اور اپنی دونوں بیٹیوں کو بہتے ہوئے آنسوؤں، فخر اور محبت کے ساتھ بتایا کہ ان کا باپ دشمنوں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گیا۔ ام کجہؓ کی اپنے شوہر سے جدائی بلاشبہ تکلیف دہ تھی لیکن وہ اپنے شوہر کو جنت ملنے کی وجہ سے بہت خوش تھیں اور قرآن کریم کی اس آیت کو یاد کرتیں کہ:

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ :[1]

"یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ ہی کے ہیں اور ہم کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"۔

ایک مرتبہ اوس رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی سوید اور عرفجہ ان کے گھر داخل ہوئے اور اوسؓ کا مال و متاع اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے اور ان ماں بیٹیوں کو بغیر مال و متاع کے چھوڑ گئے۔ لیکن اُم کجہؓ جلیل القدر صحابیہ تھیں، وہ اسلام کا عدل و انصاف دیکھ چکی تھیں، اللہ کی رحمت کو جان چکی تھیں اور یہ بھی جان چکی تھیں کہ حق تعالیٰ عادل ہے جو اپنے بندوں پر ظلم کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ لہٰذا وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنا شکوہ لے کر پہنچیں کیونکہ انہیں اس دربار سے انصاف کا یقین تھا۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری دو بچیاں ہیں، ان کے والد کا انتقال ہو چکا ہے، ان کا باپ بہت ساری دولت چھوڑ کر گیا تھا جو اس کے چچا کے بیٹوں "سوید اور عرفجہ" کے پاس ہے۔ وہ ان دونوں کو کچھ نہیں دیتے کہ اس سے اشیاء خور و نوش لی جائیں۔

نبی کریم ﷺ نے ان دونوں کو بلوا بھیجا۔ وہ آئے اور کہنے لگے "یا رسول اللہ! اوس کے بچے نہ سواری کر سکتے ہیں، نہ بوجھ اٹھا سکتے ہیں، نہ دشمن سے بچاؤ کر سکتے ہیں۔

1۔ البقرہ، 02:156

ہم تو ان کے لیے کما رہے ہیں۔ یہ خود کما نہیں سکتے"۔

اس پر انصاف بھری یہ آیت نازل ہوئی:

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۔[1]

"مردوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، چاہے وہ (ترکہ) تھوڑا ہو یا زیادہ، یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے میراث کی تقسیم کا حکم فرما دیا اور ام کجہؓ کو آٹھواں، بچیوں کو دو ثلث اور باقی ماندہ اوس بن ثابت شہید کے چچا زادوں کو دے دیا گیا۔ اس طرح قرآن نے مسلمانوں کی مشکل کو حل کر دیا تا کہ مسلمان اس پر عمل کر کے کسی بڑے فتنے میں نہ پڑیں اور عورتوں کو مردوں کی طرح وراثت ملنے لگی۔ اس جلیل القدر صحابیہؓ نے حق کے علاوہ کسی چیز کو ماننے سے انکار کیا، آپؓ صبر و استقامت پر ڈٹی رہیں، اس لیے کہ وہ اپنی فطرت اور ایمان کے باعث سمجھتی تھیں کہ اسلام عدل و انصاف کا دین ہے اور وہ ظلم پر کس طرح چپ رہ سکتا ہے؟ جاہلیت کا دور گیا جب عورتوں کے حقوق غصب کیے جاتے تھے تو پھر اب یتیموں کے حقوق اور اموال کیسے غصب ہو سکتے ہیں؟[2]

قرآن نے تو یتیم کا مال کھانے والے کے لئے دردناک عذاب کی وعید سنا دی:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۔[3]

1۔ النساء، 04:07

2۔ ابن اثیرؒ، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہؓ، مترجم: پروفیسر غلام ربانی عزیز، 10:340

3۔ النساء، 04:10

"یقین رکھو کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، اور انھیں جلد ہی ایک دہکتی آگ میں داخل ہونا ہوگا"۔

صحابیاتؓ کا زہد وقناعت پسندی:

گھریلو معاملات میں اس وقت بہت پیچیدگی پائی جاتی ہے جب رہن سہن انتہائی پر تکلف ہو، عیش وعشرت کا ہر سامان میسر ہو اور خواہشات لامحدود ہوں لیکن اگر خواہشات کو محدود رکھا جائے اور رہن سہن میں سادگی پائی جائے تو پھر گھر کے انتظامات میں بہت آسانی رہتی ہے۔ صحابیاتؓ اور ان کے گھر کا رہن سہن انتہائی سادہ تھا، نہ کوئی آرائش تھی اور نہ زیبائش۔ توکل وقناعت کا سہارا تھا، گھر کے معاملات بھی سادہ تھے اور ان میں کوئی پیچیدگی نہ پائی جاتی تھی۔ اس کی چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رخصتی کے بعد جس حجرے میں لایا گیا، اس کی وسعت چھ، سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی۔ دیواریں مٹی کی بنی ہوئی تھیں اور چھت کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں سے بنائی گئی تھی۔ چھت کو بارش سے محفوظ رکھنے کے لئے اوپر کمبل ڈال دیا گیا تھا، بلند اتنا کہ کوئی کھڑا ہو کر ہاتھ اونچا کرے تو چھت کو لگ جائے۔ دروازہ صرف ایک کواڑ تھا۔ پردے کے لئے ایک کمبل لٹکا دیا گیا تھا، ایک چٹائی، ایک بستر، ایک چھال بھرا تکیہ، پانی کا ایک مشکیزہ اور ایک پیالہ تھا، یہ گھر اگرچہ روحانی دولت سے مالا مال تھا لیکن دنیوی مال ومتاع سے اکثر خالی رہتا۔ دراصل مالی وسائل کی کمی خود رسول کریم ﷺ کو دلی طور پر مرغوب تھی اور آپ ﷺ کے لبوں پر اکثر وبیشتر یہ دعا ہوتی تھی کہ اے الٰہی! مجھے مسکین زندہ رکھنا اور حالتِ مسکینی ہی میں اپنے پاس بلا لینا اور مسکینوں کے ساتھ ہی قیامت کو اٹھانا۔ حضرت عائشہؓ نے اگرچہ دولت وثروت کے ماحول میں آنکھ کھولی تھی مگر آنحضرت ﷺ کے مبارک عقد میں آنے کے بعد آپؓ نے

اپنے آپ کو سرورِ کائنات ﷺ کے اُسوہ حسنہ کے رنگ میں مکمل طور پر ڈھال لیا اور تمام زندگی مسکینی اور قناعت کی حالت میں رہ کر گزار دی۔ حالت یہ تھی کہ آسودگی کے ایام میں بھی بے شمار مال آیا لیکن وہ شام سے پہلے فقراء ومساکین میں تقسیم کر دیا جاتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کاشانۂ نبوت میں آئیں تو وہاں یہ حال تھا کہ دو دو ماہ تک چولہا نہ جلتا تھا اور زندگی فقر وفاقہ میں بسر ہوتی تھی۔ کبھی آنحضرت ﷺ کے شیدائی کھجوریں بھیج دیتے، کبھی کہیں سے تھوڑا سا دودھ آجاتا تو انہی چیزوں سے گزر ہو جاتی۔ تاہم آپؓ نے اپنی خداداد قابلیت اور فطری ذہانت سے گھر کو اس طرح سے چلایا کہ ہمیشہ آپؓ کی تعریف ہی کی جاتی۔ آپؓ کھانا پکانے کے علاوہ کپڑے خود دھوتیں، گھر کو صاف ستھرا رکھتیں، اس میں جھاڑو دیتیں، کبھی مرمت اور لپائی کی ضرورت پڑتی تو اپنے ہاتھ سے کرتیں، آپؓ کپڑوں کو رفو کرنا، پیوند لگانا اور سینا خوب جانتی تھیں، رسول کریم ﷺ کی پوشاک مبارک میں پیوند لگانے اور اسے رفو کرنے کی ذمہ داری عام طور پر آپؓ ہی کے سپرد ہوتی۔

ایک دفعہ آنحضور ﷺ کمبل اوڑھ کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ ایک صحابیؓ نے دیکھا تو عرض کی: یارسول اللہ! کمبل، پر داغ دھبے دکھائی دیتے ہیں، سرورِ کائنات ﷺ نے فوراً کمبل اتار کر حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج دیا کہ وہ اسے دھو کر اور سوکھا کر بھجوا دیں۔ حضرت عائشہؓ نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ اسے دھویا، دھوپ میں سکھایا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیج دیا۔ کوئی مہمان آجاتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فوراً کھانا تیار کرنے لگ جاتیں۔ ایک دفعہ بہت سے مہمان مسجد میں ٹھہر گئے۔ آنحضرت ﷺ گھر پر موجود نہ تھے۔ حضرت عائشہؓ نے سنا تو جلدی سے سامانِ خوراک اکٹھا کیا اور کھانا پکا کر مہمانوں کو بھیج دیا۔ رسول کریم ﷺ تشریف لائے تو مہمانوں سے کھانے کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت عائشہؓ نے کھانا بھیج دیا تھا جس سے ہم شکم سیر ہو گئے۔[1]

1۔ واقدیؒ، محمد بن عمر، کتاب المغازی، تحقیق: ڈاکٹر مارسدن جونس، آکسفورڈ، 01: 267-264

زہد وقناعت کا یہ عالم تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک ہی موٹے کپڑے کا کرتہ تھا، ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ وہ کرتہ پہنے ہوئے تھیں، جس کی قیمت پانچ درہم ہوگی، انہوں نے کہا ذرا میری لونڈی کو دیکھو وہ یہ کرتہ گھر میں پہننے سے نخرہ کرتی ہے اور آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں میرے پاس ایک ایسا ہی کرتہ تھا، جس عورت کو مدینہ میں (شادی بیاہ کے وقت) سنورنے کی ضرورت ہوتی تو یہ کرتہ مجھ سے مستعار منگوا لیتی۔[1]

آنحضرت ﷺ کی جب وفات ہوئی، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کو کوئی کھا کر بسر کر سکے، البتہ مچان پر (یا محراب یا موکھے پر) آدھے وسق جو پڑے تھے، مہینہ بھر اسی میں سے کھاتی رہیں۔ ایک مدت گزر گئی میں نے ان کو ماپا جب وہ ختم ہو گئے۔[2]

حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؓ نے میرے لیے کھانا منگوایا اور فرمایا میں جب سیر ہو کر کھانا کھاتی ہوں تو رونے کو جی چاہتا ہے اور پھر رو پڑتی ہوں۔ مسروقؒ نے پوچھا آپ ایسا کیوں کرتی ہیں؟ ام المومنینؓ نے فرمایا: میں اس حالت کو یاد کرتی ہوں جس میں آنحضرت ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے، اللہ کی قسم! رسول کریم ﷺ نے کبھی بھی ایک دن میں دو مرتبہ روٹی اور گوشت نہیں کھایا اور نہ ہی کبھی دو دن متواتر جو کی روٹی سیر ہو کر کھائی۔ اسی طرح سے آپ ﷺ کے اہل خانہ نے بھی کبھی تین دن مسلسل گندم کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی، یہاں تک کہ آپ ﷺ دنیا سے رخصت ہوئے۔[3]

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے پاس کسی نے کھجوریں بھیجیں تو انہوں نے

1۔ ابن سعدؒ، طبقات ابن سعد، مترجم: مولانا راغب رحمانی نفیس اکیڈمی، کراچی، 08:108

2۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الھبہ، مترجم: مولانا وحید الزمان، باب ''شادی میں دلھن کو پہنانے کے لئے کوئی چیز مانگنا''، 01: 1041، 1042

3۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، مترجم: مولانا وحید الزمان، باب ''آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی ازواج کے خرچے کا بیان''، 02:195

اللہ کا شکر ادا کیا کہ کچھ تو کھانے کو ملا ہے، ہماری غذا پانی اور کھجور کے علاوہ کچھ نہ ہوتی تھی، آگ سلگانے کی تو نوبت ہی نہیں آتی تھی البتہ اگر ایک ماہ کے بعد کہیں سے تھوڑا سا گوشت آ جائے تو کھا لیتے تھے۔ اسی طرح ایک دن حضرت عائشہؓ نے عروہ سے کہا: اے میرے بھانجے! ہم پر ایسا وقت گزر چکا ہے، ہم ایک چاند دیکھتے پھر دوسرا چاند پھر تیسرا چاند، دو مہینے تک آنحضرت ﷺ کے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی (کھانا نہیں پکایا جاتا تھا) عروہ نے کہا: خالہ پھر آپؓ کی گزر کس پر ہوتی تھی؟ انہوں نے کہا: یہی دو کالوں پر کھجور اور پانی۔ اتنا تھا کہ چند انصاری لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسایہ تھے ان کے پاس دودھ کی بکریاں تھیں، وہ آنحضرت ﷺ کے لیے اپنی بکریوں کا دودھ (تحفہ کے طور پر) بھیجا کرتے، آپ ﷺ ہم کو بھی پلاتے۔[1]

یہ واقعات سیدہ عائشہؓ کے زہد وتقویٰ کو ظاہر کرتے ہیں۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا:

خاتونِ جنت کی ساری زندگی بھی فقر وقناعت سے بھری پڑی ہے۔ ایک مرتبہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ساری رات ایک باغ سینچا اور اُجرت میں تھوڑے سے جو حاصل کیے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان کا ایک حصہ لے کر آٹا پیسا اور کھانا تیار کیا۔ عین کھانے کے وقت ایک مسکین نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا: میں بھوکا ہوں، حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وہ سارا کھانا اسے دے دیا۔ پھر باقی اناج کا کچھ حصہ لے کر پیسا اور کھانا پکایا، ابھی کھانا پک کر تیار ہوا ہی تھا کہ ایک یتیم نے دروازہ پر آ کر دست سوال دراز کیا۔ وہ سب کھانا اسے دے دیا۔ پھر باقی اناج پیسا اور کھانا تیار کیا، اتنے میں ایک مشرک قیدی نے اللہ کی راہ میں کھانا مانگا۔ وہ سب کھانا اس کو دے دیا گیا۔ غرض سب اہلِ خانہ نے اس دن فاقہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ اس سارے گھر کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

1۔ ابن سعدؒ، طبقات ابن سعد، مترجم: مولانا عبداللہ عمادی، 03:190

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا۔[1]

''اور وہ اللہ کی راہ میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں''۔

حضرت فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس مشقت کی شکایت کی خاطر آئیں جو چکی کی وجہ سے ہاتھوں کو پہنچی تھی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رسول کریم ﷺ سے ملاقات نہ ہوئی۔ یہ سارا قصہ حضرت عائشہؓ کے سامنے پیش کر دیا، جب آپ ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے اس قصے کی خبر دی۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ آپ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے کہ ہم اپنے بچھونوں پر لیٹے ہوئے تھے، ہم نے اٹھنے کا ارادہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسی حالت پر رہو، آپ ﷺ ہمارے درمیان بیٹھ گئے یہاں تک کہ میں نے اپنے پیٹ پر آپ ﷺ کے قدم مبارک کی ٹھنڈک محسوس کی، فرمایا کیا میں تم کو اس چیز سے بہتر نہ بتلاؤں جو تم نے مانگی ہے وہ یہ ہے کہ جب تم اپنے بستر پر جاؤ (تو 33 بار سبحان اللہ، 33 بار الحمد للہ، 34 بار اللہ اکبر) یہ وظیفہ پڑھ لو، یہ خادم سے بہتر ہے۔[2]

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ حضرت فاطمہؓ کے پاس ایک غلام کے ساتھ تشریف لائے جو آپ ﷺ نے انہیں ہبہ کر دیا تھا اور حضرت فاطمہؓ ایسا (چھوٹا سا) کپڑا اوڑھے تھیں کہ اگر اس سے سر ڈھانکیں تو وہ کپڑا ان کے پیروں تک نہ پہنچتا اور اگر پیروں کو ڈھانکتیں تو سر تک نہ پہنچتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے جو حضرت فاطمہؓ کی (بدن ڈھانکنے میں) مشقت دیکھی تو فرمایا: (اے فاطمہؓ) کچھ ڈر نہیں (جن سے تو شرما رہی ہے) وہ صرف تیرا باپ اور تیرا غلام ہے۔[3]

اسی طرح سیدہ زہراؓ نکاح کے بعد جس مسکن میں تشریف لائیں، وہاں دولت فقر کے سوا کچھ نہ تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اکثر مزدوری کر کے گزارہ کرتے تھے، یا از فر گھاس کی تجارت کرتے تھے۔

1۔ الانسان، 76:08
2۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، 02:700
3۔ ابن سعد، طبقات ابن سعد، 08:43

ابن السراج نے عمران بن حصینؓ سے روایت کی ہے کہ: ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ کی طبیعت علیل ہوئی، سرور کائنات ﷺ عیادت کے لیے تشریف لائے۔

آپ ﷺ نے پوچھا: بیٹی، کیا حال ہے؟

انہوں نے جواب دیا: مجھے سخت درد ہے، فاقہ زدہ ہوں اور گھر میں کھانے کو کچھ نہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹی! کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ تم تمام جہاں کی خواتین کی سردار ہو؟

انہوں نے پوچھا: مریم بنت عمران کیا ہوئیں؟

فرمایا: مریم اپنے زمانہ کی سیدۃ النساء تھیں اور تم موجودہ عالم کی سیدۃ النساء ہو اور میں نے تمہیں ایسے شخص کی زوجیت میں دیا ہے جو دنیا اور آخرت کا سردار ہے۔[1]

خلاصہ کلام:

ایثار کے لغوی معنی کسی کو اپنے اوپر ترجیح دینے کے ہیں، یعنی اپنی ذاتی ضروریات پر دوسروں کو مقدم رکھ کر ان کی ضروریات کو پورا کیا جائے۔ اپنے آرام پر دوسروں کے آرام کو مقدم رکھنا، تکلیف اٹھا کر دوسروں کو راحت و آرام پہنچانا وغیرہ۔ اس قسم کی باتیں جن میں ایک مسلمان اپنی ذات کی بجائے اپنے بھائی کو مقدم رکھے، ایثار کہلاتی ہیں۔ اچھے معاشرے کی تشکیل و تعمیر کے لیے مسلمانوں میں ایثار و قربانی کا جذبہ بھی بڑا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ و صحابیاتؓ میں یہ جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔

غرض یہ کہ صحابیاتؓ کی ساری زندگی تقویٰ، پرہیزگاری، صبر و استقلال اور قناعت سے بھری پڑی ہے۔ صحابیاتؓ کی مبارک زندگی سے ہم نے چیدہ چیدہ امثال کو یہاں پر بیان کیا ہے۔ اگلے باب میں ہم صحابیاتؓ کے اسلوبِ دعوت کی روشنی میں عصری خواتین بالخصوص پاکستانی خواتین کی کردار سازی کو بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

1۔ ابن سعد، طبقات ابن سعد، 08:43

صحابیاتؓ کے اسلوبِ دعوت ''انسانی نفسیات کا لحاظ'' کی روشنی میں

پاکستانی خواتین کی کردار سازی

درحقیقت دعوت کے دو بنیادی کردار ہوتے ہیں۔ ایک داعی (یا داعیہ) اور دوسرا مخاطب، تاہم دعوت کی کامیابی کا مکمل انحصار داعی کی ذات پر ہے کیوں کہ دعوت کے مضامین کتنے ہی پرکشش کیوں نہ ہوں، اگر داعی کا طریقۂ دعوت مناسب نہیں ہے اور وہ مدعو کو حالات کے مطابق اسالیب اختیار کر کے بات سمجھانے کی قدرت نہیں رکھتا تو اس کو دعوت کے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوتے۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ جو بات ایک پہلو سے سمجھ نہیں آتی، وہی بات جب دوسرے انداز سے سامنے آتی ہے تو سیدھی دل میں اتر جاتی ہے۔

قرآن کریم بھی اس اسلوب کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔[1]

''اسی طرح ہم آیتیں مختلف طریقوں سے بار بار واضح کرتے ہیں (تاکہ تم انھیں لوگوں تک پہنچا دو) اور بالآخر یہ لوگ تو یوں کہیں کہ: تم نے کسی سے سیکھا ہے اور جو لوگ علم سے کام لیتے ہیں ان کے لیے ہم حق کو آشکار کر دیں۔

1۔ الانعام، 06:105

قرآن مجید کے اولین مخاطب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ و صحابیاتؓ ہیں، اس لیے قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کو دعوت کے طریق کار اور اسالیب کی تعلیم دی تاکہ وہ اس کلامِ الٰہی کو لوگوں کے سامنے احسن انداز میں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اچھی طرح سے سمجھا بھی سکیں۔ اس سلسلے میں سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں کہ:

''یہ نکتہ کہ کس طرح لوگوں کو سچائی کے قبول کرنے کی دعوت دینی چاہیے، دنیا میں پہلی دفعہ محمد ﷺ کی زبان سے ادا ہوا۔ وہ مذاہب بھی جو الہامی اور تبلیغی ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں، یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کے صحیفوں نے ان کے لیے تبلیغ کے اہم اصولوں کی تشریح کی ہے، لیکن صحیفہ محمدی ﷺ نے نہایت اختصار لیکن پوری تشریح کے ساتھ اپنے پیروؤں کو بتایا کہ پیغام الٰہی کو کس طرح لوگوں تک پہنچایا جائے اور ان کو قبولِ حق کی دعوت کس طرح دی جائے۔''[1]

قرآن مجید نے اپنے مخصوص اور معجزانہ دعوت کے اسلوب ان الفاظ میں بیان فرمائے ہیں:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ۔[2]

''اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو، اور (اگر بحث کی نوبت آئے تو) ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔ یقینا تمہارا پروردگار ان لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹک گئے ہیں، اور ان سے بھی خوب

1۔ سید سلیمان ندویؒ، سیرت النبی ﷺ، دارالندوہ، لکھنؤ، 04:91
2۔ النحل، 16:125

واقف ہے جو راہ راست پر قائم ہیں''۔

اس آیت کریمہ میں تین بنیادی اصولِ دعوت بیان کئے گئے ہیں:

i. حکمت

ii. موعظہ حسنہ اور

iii. مجادلہ بطریق احسن

اگر رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا مطالعہ ایک داعیِ اسلام کی حیثیت سے کیا جائے تو یہ بات بڑی واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے کہ آپ ﷺ نے دعوت کے فریضے کو ادا کرتے ہوئے ان اصولوں سے کبھی بھی انحراف نہیں کیا اور اسی طرح آپ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ و صحابیاتؓ کے دعوتی کردار میں بھی انہی اصولوں کا غلبہ نظر آتا ہے۔ ایک غیر تربیت یافتہ داعی دعوتِ دین کے لئے کس قدر غیر موزوں ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے پیر کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں کہ:

''ایک نادان اور غیر تربیت یافتہ مبلغ اپنی دعوت کے لیے اس دعوت کے دشمنوں سے بھی زیادہ ضرر رساں ہوسکتا ہے اگر اس کے پیش کئے ہوئے دلائل بودے اور کمزور ہوں گے، اگر اس کا اندازِ خطابت معاندانہ ہوگا، اگر اس کی تبلیغ اخلاص سے محروم ہوگی تو وہ اپنے سامعین کو اپنی دعوت سے متنفر کرے گا کیونکہ اسلام کی نشر و اشاعت کا انحصار محض تبلیغ ہے۔'' [1]

یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ دعوت کی کامیابی میں مرکزی کردار ایک داعی کا ہے۔ داعی جس قدر تربیت یافتہ اور انسانی نفسیات کا عالم ہوگا، اس قدر اس کی دعوت مؤثر ہوگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مؤثر ہونے کی ایک اہم وجہ اگر ایک طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی کردار تھا تو دوسری بنیادی وجہ آپ ﷺ کا اسلوبِ دعوت ہی تھا۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ مخاطبین کی ذہنی استعداد، قلبی میلانات و رجحانات اور ان کے خاندانی

1۔ پیر محمد کرم شاہؒ، ضیاء القرآن، ضیاء پبلی کیشنز، 02:671

وعلاقائی پس منظر کو سامنے رکھ کر دعوت کا کام کیا۔ سیرت طیبہ ﷺ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا کوئی متعین طریقِ دعوت نہ تھا بلکہ مخاطبینِ دعوت کے تبدیل ہونے کے ساتھ ہی آپ ﷺ کا اسلوبِ دعوت بھی تبدیل ہوجاتا تھا۔ ایک جاہل اور ان پڑھ مخاطب کو دعوت دینے کا انداز پڑھے لکھے مخاطب سے مختلف ہوتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ مخاطب کی صلاحیت کو پیش نظر رکھ کر اس کو دعوت پیش کی، یہی وجہ ہے کہ مخاطبین آپ ﷺ سے ملنے کے بعد آپ ﷺ کی دعوت سے مطمئن ہو کر واپس جاتے تھے۔

چونکہ صحابیاتؓ بھی دعوت و تبلیغ میں ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت اور طرز عمل کو پیش نظر رکھتی تھیں، انہوں نے دعوت و تبلیغ کے اس منصب کو احسن انداز سے نبھایا اور جس طرح انسانی نفسیات کا لحاظ کرتے ہوئے دعوت دی، اس کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ عصر حاضر میں چونکہ دعوت دین کا کام اپنے زور و شور پر ہے، جس طرح مرد حضرات دعوت و تبلیغ کا کام کر رہے ہیں، اسی طرح خواتین بھی اس میدان میں پیش پیش ہیں لیکن موجودہ دور میں دعوت و تبلیغ کا طریقہ کار جس پر صحابیاتؓ کاربند تھیں، اس کا کافی حد تک فقدان نظر آتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ صحابیاتؓ کا وہ اسلوب کہ جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سیکھا تھا کہ مخاطب کی ذہنی سطح اور نفسیاتی پہلو کو سامنے رکھ کر اس سے گفتگو کی جائے، ، بہت سی عصر حاضر کی داعیہ اس سے ناآشنا ہیں۔

چونکہ دعوت و تبلیغ انبیاء کرام علیہم السلام کا فریضہ ہے، اس لیے اب موجودہ دور میں دعوت دیتے وقت وہی آداب و اصول کارگر ثابت ہوں گے، جنہیں انبیاء کرام علیہم السلام نے اختیار کیا یا اختیار کرنے کا حکم دیا۔ دراصل قرآن مجید نے دعوت کے اصول و آداب کسی باقاعدہ ضابطے کی شکل میں بیان نہیں فرمائے ہیں بلکہ داعی کے اوپر چھوڑا ہے کہ جہاں جس قسم کی دعوت مؤثر ہوسکتی ہے وہاں وہی طریقہ اختیار کیا جائے۔ پیچھے ہم نے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ صحابیاتؓ کا اسلوبِ دعوت اسی بات کے گرد گھومتا تھا۔ اس بات کو مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ:

''میرا خیال ہے کہ دعوت کے طریق کار کو قانون وضابطہ کی زبان میں نہیں بیان کیا گیا ہے اور نہ ہی ایسا کرنا قرینِ مصلحت وحکمت تھا، دعوت وتبلیغ و انداز ماحول اور گردوپیش کے حالات، مخاطبین کی طبائع کے مطابق متعین ہوتا ہے، چونکہ داعی کو صورتحال کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور صورتِ حال ہمیشہ بدلتی رہتی ہے اس لیے دعوت کے کام میں ''حاضر کلامی اور حاضر دماغی'' دونوں کی ضرورت ہے، مزید یہ کہ دعوت پیش کرنے والوں کو انسانی نفسیات کے لیے گہری واقفیت اور اس کی دکھتی رگوں اور سوسائٹی کے کمزور پہلوؤں پر انگلی رکھ کر بتانا ہوتا ہے۔ اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مبلغ کو یہ بات کرنی چاہیے، یہ نہیں کرنی چاہیے۔'' [1]

اسی حوالے سے امین احسن اصلاحیؒ اپنی کتاب میں تحریر کرتے ہیں کہ:

''انبیاء کرامؑ نے دعوت کے جو طریقے اپنائے، وہ ان کے زمانے کے لحاظ سے نہایت اعلیٰ اور ترقی یافتہ تھے اور یہ طریقے حالات اور تمدنی ترقیوں کے ساتھ ساتھ بدلتے بھی رہے ہیں، پھر اس بات کا ثبوت ہے کہ اس معاملہ میں کسی ایک ہی طریقے پر اسرار صحیح نہیں ہے بلکہ داعیانِ حق کو چاہیے کہ وہ ہر زمانے میں دعوت وتبلیغ کے وہ طریقے اختیار کریں جو ان کے زمانے میں پیدا ہو چکے ہیں اور جن کو اختیار کر کے وہ اپنی کوششوں اور قابلیتوں کو زیادہ سے زیادہ مفید اور نتیجہ خیز بنا سکتے ہوں۔'' [2]

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ طریقہ جس کے ذریعے لوگوں کو دین کی طرف متوجہ کیا جائے اور اپنی بات ان کو آسانی کے ساتھ سمجھائی جاسکے، اس کو اختیار کرنا چاہیے۔ صحابیاتؓ کے اسی اسلوبِ دعوت کی عصرِ حاضر میں کیسے تطبیق کی جائے اور انسانی نفسیات کا لحاظ رکھتے ہوئے دعوت دینے کا کیا لائحہ عمل بنایا جائے کہ دعوت مخاطب

1۔ ابوالحسن ندویؒ، مولانا، تبلیغ ودعوت کا معجزانہ اسلوب، مجلس نشریات اسلامی، کراچی، ص:19
2۔ امین احسن اصلاحیؒ، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی، لاہور، ص:62

کے دل میں اثر انداز ہو جائے، اس سلسلے میں چند اسالیب ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں جن کو اپنا کر عصرِ حاضر اور بالخصوص پاکستانی خواتین ان تمام ترخوبیوں کو جان سکتی ہیں جو ایک بہترین داعیہ میں ہونا بہت ضروری ہیں اور جن کے بغیر وہ اپنے دعوت کے اہداف کو پوری طرح حاصل نہیں کرسکتیں، صحابیاتؓ کی زندگی انہی خوبیوں سے بھری پڑی تھی، یہی وجہ تھی کہ اسلام کی تبلیغ میں وہ بھی مردوں کے شانہ بشانہ کھڑی رہیں۔

1۔ اُصول تدریج کا لحاظ رکھنا:

عصر حاضر کی داعیات کا فرض ہے کہ دعوتِ دین میں اصولِ تدریج کا پہلو سامنے رکھیں۔ تدریج کا مطلب یہ ہے کہ داعی ایک ہی بار میں شریعت کے تمام احکامات کو بیان نہ کردے کہ سامع کے لئے ان کو سننا اور سمجھنا ناممکن ہو جائے بلکہ آہستہ آہستہ اس کے سامنے سارے احکام پیش کرے۔ اگر اس نظام کو حکیمانہ ترتیب سے پیش نہ کیا جائے تو مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہوسکتے بلکہ الٹا اس کا شدید نقصان ہوتا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

حدثنا إبراهيم بن موسى، اخبرنا هشام بن يوسف، ان ابن جريج اخبرهم، قال: واخبرني يوسف بن ماهك، قال: إني عند عائشة ام المؤمنين رضي الله عنها إذ جاءها عراقي، فقال: اي الكفن خير؟ قالت: ويحك، وما يضرك؟ قال: يا ام المؤمنين، اريني مصحفك، قالت: لم؟ قال: لعلي اولف القرآن عليه فإنه يقرا غير مؤلف، قالت: وما يضرك ايه قرات قبل، إنما نزل اول ما نزل منه سورة من المفصل، فيها ذكر الجنة والنار، حتى إذا ثاب الناس إلى الإسلام نزل الحلال والحرام، ولو نزل اول شيء لا تشربوا الخمر، لقالوا: لا ندع الخمر ابدا ولو نزل لا تزنوا، لقالوا: لا ندع الزنا ابدا، لقد نزل بمكة على محمد صلى الله عليه وسلم،

وإنى لجارية العب بل الساعة موعدهم والساعة ادهى وامر سورة القمر آية 46، وما نزلت سورة البقرة والنساء إلا وانا عنده. قال: فاخرجت له المصحف فاملت عليه آي السورة.[1]

''ہم سے ابراہیم بن موسیٰ نے بیان کیا، کہا ہم کو ہشام بن یوسف نے خبر دی، انہیں ابن جریج نے خبر دی، ان سے کیسان نے کہا کہ مجھے یوسف بن ماہک نے خبر دی، انہوں نے بیان کیا کہ میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک عراقی ان کے پاس آیا اور پوچھا کہ کفن کیسا ہونا چاہئے؟ ام المؤمنین نے کہا: افسوس اس سے مطلب! کسی طرح کا بھی کفن ہو تجھے کیا نقصان ہوگا۔ پھر اس شخص نے کہا ام المؤمنین مجھے اپنے مصحف دکھا دیجیے۔ انہوں نے کہا کیوں؟ (کیا ضرورت ہے) اس نے کہا تا کہ میں بھی قرآن مجید اس ترتیب کے مطابق پڑھوں کیونکہ لوگ بغیر ترتیب کے پڑھتے ہیں۔ انہوں نے کہا پھر اس میں کیا قباحت ہے جونسی سورت تو چاہے پہلے پڑھ لے (جونسی سورت چاہے بعد میں پڑھ لے اگر اترنے کی ترتیب دیکھتا ہے) تو پہلے مفصل کی ایک سورت، اتری (''اقراء باسم ربک'') جس میں جنت و دوزخ کا ذکر ہے۔ جب لوگوں کا دل اسلام کی طرف رجوع ہو گیا (اعتقاد پختہ ہو گئے) اس کے بعد حلال و حرام کے احکام اترے، اگر کہیں شروع شروع ہی میں یہ اترتا کہ شراب نہ پینا تو لوگ کہتے ہم تو کبھی شراب پینا نہیں چھوڑیں گے۔ اگر شروع ہی میں یہ اترتا کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے ہم تو زنا نہیں چھوڑیں گے اس کے بجائے مکہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت جب میں بچی تھی اور کھیلا کرتی تھی یہ آیت نازل ہوئی ''بل الساعة موعدهم و الساعة أدهى و أمر'' لیکن سورۃ البقرہ اور سورۃ نساء اس

1۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب فضائل القرآن، باب تالیف القرآن، رقم الحدیث:4993

وقت نازل ہوئیں، جب میں (مدینہ میں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی۔ بیان کیا کہ پھر انہوں نے اس عراقی کے لیے اپنا مصحف نکالا اور ہر سورت کی آیات کی تفصیل لکھوائی۔

حضرت مفتی محمد شفیع عثمانیؒ بھی اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''دعوت و تبلیغ میں تدریج کے اصول کا لحاظ رکھا جائے تو صحیح اور درست نتائج پیدا ہوں گے، اگر اسے نظر انداز کیا جائے تو نتائج بھی حوصلہ افزا نہیں ہوں گے۔''[1]

شریعت اسلام نے تمام احکام کے اندر انسانی طبائع اور جذبات کی بڑی حد تک رعایت فرمائی ہے تا کہ انسان کو ان پر عمل کرتے ہوئے کسی قسم کی کوئی تکلیف اور پریشانی نہ ہو۔ لہٰذا عصر حاضر کی داعیات کے لیے ضروری ہے کہ اصول تدریج کے پہلو کو نظر انداز نہ کریں بلکہ اس کو ہر جگہ اور ہر لمحہ اسے موقع کے مطابق نافذ کریں۔

2۔ ترغیب و ترہیب کے ذریعے دعوت دینا:

عصر حاضر کی داعیات کے لیے لازم ہے کہ وہ دعوت میں وعدے اور وعیدوں والے مضامین کو اچھے اور سہل انداز میں بیان کریں جیسا کہ صحابیاتؓ لوگوں کو دین حق کی طرف آنے کی نا صرف ترغیب دیتیں بلکہ دین حق کی طرف نہ آنے کے برے نتائج سے بھی آگاہ کرتی تھیں۔ مثلاً اُم سلیمؓ کا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو اسلام کا پیغام دینا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرنا وغیرہ۔

یہ امر اس لئے ضروری ہے کہ ترغیب و ترہیب سے مخاطب کے دل میں احکام کے قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، پھر عمل کرنے کی توفیق ہو جائے گی، کیونکہ شروع شروع میں طبیعت کے خلاف کام کرنے سے طبیعت مکدر ہوتی ہے اور طبیعت پر اس کا کرنا گراں گزرتا ہے لہٰذا اگر کوئی اس امر پر آمادہ کرنے والا اور ابھارنے والا ہو تو طبیعت

1۔ عثمانی، محمد شفیع، مفتی، احکام القرآن، ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی، 05:92

اس کی طرف مائل ہوتی ہے۔ ورنہ طبیعت کے خلاف کوئی بھی کام بغیر لالچ یا بغیر خوف کے نہیں ہوتا، پھر عادت ہوجاتی ہے۔ اس حوالے سے مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

”ترغیب وترہیب ایک حیثیت سے احکام ہی میں سے ہیں۔ مثلاً جنت اور دوزخ کا مضمون عقیدہ کے درجہ میں تو احکام میں ہی داخل ہے اور عقائد میں سے ہے اور دوسری حیثیت سے ترغیب وترہیب ہے۔ یعنی جہاں احکام سنانا اور جنت ودوزخ کا مقصد بتانا مقصود نہ ہو، وہاں ترغیب وترہیب ہے۔“ [1]

حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ سے مروی ہے کہ بنی حارث کے وفد کی واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو ان کا والی مقرر کیا تاکہ ان سے زکوٰۃ وصدقات کی وصولی کے ساتھ ساتھ ان کو اسلامی تعلیمات سے بھی روشناس کرائیں، آپ ﷺ نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو بنی حارث کی طرف ایک طویل مکتوب دے کر روانہ فرمایا، جس میں ان کو دعوت میں ترغیب وترہیب کا انداز اختیار کرنے کا بھی حکم دیا:

ویبشر الناس بالجنة وبعملها، وینذر بالنار وبعملها، ویستألف الناس حتیٰ یتفقهوا فی الدین۔[2]

”لوگوں کو جنت کی بشارت دیں اور اس کے اعمال سے آگاہ کریں، اور دوزخ سے ڈرائیں اور اس کے اعمال سے متنبہ کریں۔ لوگوں کے ساتھ نہایت اخلاق سے پیش آئیں تاکہ وہ ارکانِ دین کو سمجھ سکیں“۔

یعنی بیک وقت ایک داعیہ کو اپنے مخاطبین کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے جبار و قہار ہونے کی صفات سے متنبہ کروانا چاہیے اور خوف اور امید کے درمیان کی ایک فضا میں دعوت کا فریضہ سرانجام دینا چاہیے۔

1۔ تھانویؒ، مولانا اشرف علی، دینی دعوت وتبلیغ کے اصول واحکام، ص:329

2۔ ابوجعفر، الطبری، تاریخ الرسل والملوک، دارالکتب العربیہ، بیروت، 03:129

3۔ موقع محل کا لحاظ رکھنا:

عصر حاضر کے ہر داعی اور داعیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ دیکھے کہ کیا دعوت وتبلیغ کے لیے یہ وقت اور موقع مناسب ہے یا نہیں؟ صحابیاتؓ اس امر کو لازمی ملحوظ خاطر رکھتی تھیں کہ دعوت کس موقع پر کیسے دی جائے۔ مثلاً اُم حکیمؓ نے اپنے شوہر کو دین حق کی طرف اس وقت مدعو کیا، جب وہ مایوس ہو کر یمن بھاگ رہے تھا لیکن ان کی دعوت کے انداز نے انہیں اس قدر متاثر کیا کہ وہ مسلمان ہوگئے۔ لیکن اگر مخاطب اعتراض اور نکتہ چینی کی طرف مائل ہو تو جذبے کی سچائی اور اندرونی لگن کے باوجود داعی کی دعوت غیر مؤثر ہوگی۔ اس وقت مناسب یہ ہوگا کہ داعی بحث کو بڑھانے کے بجائے اسی جگہ بات کو ختم کر کے وہاں سے ہٹ جائے اور کسی مناسب موقع کا انتظار کرے، جب کسی دوسرے موقع پر مخاطب کا ذہن نکتہ چینی کی طرف مائل نہ ہو تو پھر اس کے سامنے حق کو پیش کرے۔ اس سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ۔[1]

”اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کو برا بھلا کہنے میں لگے ہوئے ہیں، تو ان سے اس وقت تک کے لیے الگ ہوجاؤ جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہوجائیں۔ اور اگر کبھی شیطان تمہیں یہ بات بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو“۔

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بے موقع دعوت وتبلیغ جیسے نازک کام سے منع کیا ہے۔ فطری بات ہے کہ جب مخاطب کسی کاروباری یا کسی اور ایسی دلچسپی میں مصروف ہو جس کو چھوڑ کر دعوت حق کی طرف متوجہ ہونا اس کی طبیعت پر گراں گزرے،

1۔ الانعام، 06:68

ظاہر ہے کہ اس صورت میں مخاطب داعی کی بات کو کبھی بھی دل کی گہرائیوں اور حقیقی جذبے سے نہیں سنے گا، اسی لیے صحابیاتؓ بھی پہلے حالات کا جائزہ لیتی تھیں پھر دعوت و تبلیغ کا کام کرتیں، اس لئے داعی اور داعیہ کو چاہیے کہ اگر دعوت کے لئے ماحول سازگار ہو تو دعوت دیں ورنہ مناسب وقت کا انتظار کریں۔

اسی سلسلے میں مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

”دعوت دین کے لیے ایسا موقع اور وقت تجویز کیا جائے جس میں مخاطب کے قبول کی امید ہو، گو کہ ضرر کا خوف نہ ہو لیکن یہ اندیشہ ہو کہ وہ شخص شریعت کو گالیاں بکنے لگے گا تو ایسی حالت میں تبلیغ نہ کرے، اس لیے کہ اب وہ منکر میں مبتلا ہے تو وہ حالت گناہ میں ہے، لیکن اب اگر وہ شریعت کو گالیاں بکنے لگے تو اس صورت میں کفر تک نوبت آ گئی۔“ [1]

اسی لئے ایک داعی کو کہاں دعوت دینی چاہیے اور کہاں سکوت اختیار کرنا چاہیے؟ اس مسئلہ کو علامہ ابن قیمؒ نے کچھ یوں بیان کیا ہے:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم شرع لأمته إيجاب إنكار المُنْكَرِ ليحصل بإنكاره من المعروف ما يحبه الله ورسوله. فإذا كان إنكار المنكر يستلزم ما هو أنكر منه وأبغض إلى الله ورسوله فإنه لا يسوغ إنكاره۔ [2]

”نبی ﷺ نے انکارِ منکر کو اُمت پر اس لیے واجب قرار دیا ہے کہ اس کے ذریعہ معروف، جو خدا اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے پسندیدہ ہے، حاصل ہو سکے، لیکن اگر کسی منکر پر نکیر کی وجہ سے کوئی ایسا منکر لازم آ جائے، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک اس سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ ہو تو انکارِ منکر کی اجازت نہیں ہے“۔

1۔ تھانوی، مولانا اشرف علی، الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، 02:54

2۔ الجوزی، ابن القیم، اعلام المعوقین، دمشق، 03:302

عصر حاضر کی داعیات کے لیے یہ ایک نہایت اہم نقطہ ہے کہ اگر موقع محل کا لحاظ نہ رکھا جائے گا اور فتنہ وفساد کرنے والے طور طریقے رائج کیے جائیں گے تو دعوت کا حقیقی مقصد مخاطب تک نہیں پہنچ سکے گا بلکہ اس کے خیالات و احساسات میں انتشار پیدا ہوگا اور وہ دین سے متنفر ہو جائے گا۔ ایک داعی یا داعیہ کی اس سے بڑی اور کوئی ناکامی نہ ہوگی کہ اس کی بات مخاطب کے دل پر اثر نہ کر سکی۔ مخاطبین کی تین اقسام ہو سکتی ہیں اور ہر قسم کے مخاطب کو اس کے احوال کے مطابق دعوت دینی چاہیے، اس حوالے سے ابن القیمؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

جعل الله سبحانه مراتب الدعوة بحسب مراتب الخلق، فالمستجيب القابل الذكى الذى لا يعاند الحق ولا يأباه يدعى بطريق الحكمة والقابل الذى عنده نوع غفلة وتأخر يدعى بالموعظة الحسنة وهى الأمر والنهى المقرون بالترغيب والترهيب، والمعاند الجاحد يجادل بالتى هى أحسن۔ [1]

”اللہ تعالیٰ نے دعوت کے مراتب مخلوق کے مراتب کے لحاظ سے بنائے ہیں، اگر مخاطب ذہین ہو اور حق کو ٹھکرانے والا نہ ہو اور انکار کرنے والا نہ ہو تو اسے حکمت کے ساتھ دعوت دی جائے، اگر مخاطب غبی اور مغفل ہو تو اسے موعظہ حسنہ کے ساتھ دعوت دو، اگر مخاطب ضدی ہو اور حق کا انکار کرنے والا ہو تو اسے مجادلہ کے ساتھ دعوت دو“۔

4۔ جذبہ خیر خواہی اور نرمی کے ذریعے دعوت دینا:

داعی دعوت کا کوئی بھی اسلوب اختیار کرے، جب تک وہ مخاطب سے نرمی اور خیر خواہی کے جذبہ سے بات نہیں کرے گا، اس کی دعوت مؤثر نہ ہوگی، سختی اور شدت مخاطب کے دل میں نفرت اور عداوت کے جذبات پیدا کرتی ہے جس سے مخاطب اپنی ضد

1۔ الجوزی، ابن القیم تفسیر القرآن الکریم، دار مکتبہ الہلال، بیروت، 01:359

پر اثر جاتا ہے۔جس کی وجہ سے دعوت کا سارا فائدہ اور نصیحت کا سارا اثر زائل ہوجاتا ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیاء علیہم السلام کو بدترین مخالفین سے بھی نرم انداز میں گفتگو کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کو فرعون جیسے باغی کے سامنے پیغام ربانی لے کر جانے کا حکم دیا تو یہ ہدایت بھی فرمائی کہ:

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى. فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى.[1]

''دونوں فرعون کے پاس جاؤ، وہ حد سے آگے نکل چکا ہے۔جا کر دونوں اس سے نرمی سے بات کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کرے، یا (اللہ سے) ڈر جائے''۔

دعوت وتبلیغ میں اس سے بہتر مثال نہیں ہوسکتی کہ نہ انبیاءؑ سے بہتر کوئی داعی ہو سکتا ہے اور نہ فرعون سے بڑھ کر کوئی سرکش اور باغی ہوسکتا ہے، اگر ایسے مجرم کے سامنے وعظ ونصیحت کرتے وقت نرمی اختیار کرنے کا حکم ہے تو عام مجرم اور گمراہ لوگوں سے تو کہیں بڑھ کر نرمی اختیار کرنی چاہیے، چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ وصحابیاتؓ کو ہمیشہ نرمی اختیار کرنے کا حکم دیا۔اس سلسلے میں سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں:

''نرمی، سہولت، آہستگی، دانشمندگی اور ایسے اسلوب سے گفتگو کی جائے کہ جس سے مخاطب پر داعی کے خلوص ومحبت کا اثر پڑے اور بات مخاطب کے دل میں اثر کر جائے۔''[2]

حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ اپنے قبیلہ دوس کو اسلام کی دعوت دیتے رہے (لیکن وہ انکار کرتے رہے) اور انھوں نے بہت دیر کر دی۔آخر میں انہوں نے حضور ﷺ کی

1۔طہ،20: 43-44

2۔سید سلیمان ندویؒ، اسلام کا نظام دعوت وتبلیغ، دارالندوہ، دہلی، ص:15

خدمت میں مکہ حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! قبیلہ دوس نے مجھے ہرا دیا (میں نے انھیں بہت دعوت دی، لیکن وہ ایمان نہ لائے) آپ ان کے لیے بددعا کر دیں۔آپ ﷺ نے (بجائے بددعا کرنے کے) ان کے لیے دعا فرمائی: اے اللہ! دوس کو ہدایت دے (اور مجھ سے فرمایا) اپنی قوم میں واپس جاؤ اور ان کو دعوت دیتے رہو لیکن ان کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔[1]

قاری محمد طیبؒ فرماتے ہیں:

''شفقت لسانی میں قول کی نرمی آتی ہے جو درحقیقت مبلغ کی تبلیغ کا زیور ہے، جس سے تبلیغ آراستہ ہو کر محبوب قلوب بن جاتی ہے اور قلوب کو اپنی طرف جذب کر لیتی ہے، جب کہ اس کے بالمقابل آواز کی کرختی، زبان کی تیزی اور اخلاق کی شدت، تبلیغ ومبلغ سے بیگانہ ہی نہیں متنفر کر دیتی ہے''۔[2]

عصر حاضر میں نرمی کے ساتھ دعوتِ دین دینے کی اشد ضرورت ہے۔بہت سے اہل علم داعی اور داعیات مکتبہ فکر کے اختلافات کے باعث ایک دوسرے کے خلاف نامناسب الفاظ استعمال کرتے ہیں یا اگر مخاطب میں کوئی خامی نظر آئے تو نرمی وشفقت سے سمجھانے کی بجائے سخت الفاظ کا استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے مخاطب ان کی بات سننے کی بجائے ان سے دور بھاگتا ہے اور بعض اوقات تو داعی مخاطب کے ساتھ سختی کا رویہ روا رکھنے کو دین کی خدمت کرنا سمجھ بیٹھی ہیں، درحقیقت انہیں اپنی ذاتی پسند وناپسند کو ایک طرف رکھ کر اپنے اس عمل پر غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔جیسا کہ صحابیاتؓ نے ہمیشہ غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے دعوتِ دین کا کام کیا، ہمیشہ نرمی ومحبت کے ساتھ مخاطبین کو دین حق کی طرف بلایا۔ان کی دعوت کی کامیابی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ لوگ وقتاً فوقتاً صحابیاتؓ سے مختلف مسائل دریافت بھی کرتے حتیٰ کہ ان سے بہت اہم

1۔ابن اثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ، 03:55

2۔محمد طیبؒ، قاری، دینی دعوت کے قرآنی اصول، مکتبہ اصلاح وتبلیغ، حیدرآباد، ص:76

امور پر مشورہ بھی لیتے اور وہ نہایت محبت اور غیر جانبداری کے ساتھ ان کے مسائل کا حل پیش کرتیں۔

5۔مخاطب کی آسانی اور سہولت کو مدنظر رکھنا:

عصر حاضر میں ایک داعیہ کے لیے اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ وہ مخاطب کی سہولت اور آسانی کو پیش نظر رکھے، دین کو مشکل نہ بنائے، یہی دعوتی عمل اس کی قبولیت کا ایک اہم ذریعہ بن سکتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے عام مسلمانوں کے لیے ہمیشہ آسانی اور سہولت کے پہلو کو پیش نظر رکھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نبی کریم ﷺ کے اس طرز عمل کے متعلق ارشاد فرماتی ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ مَا خُيِّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَأْثَمْ فَإِذَا كَانَ الْإِثْمُ كَانَ أَبْعَدَهُمَا مِنْهُ وَاللهِ مَا انْتَقَمَ لِنَفْسِهِ فِي شَيْءٍ يُؤْتَى إِلَيْهِ قَطُّ حَتَّى تُنْتَهَكَ حُرُمَاتُ اللهِ فَيَنْتَقِمُ لِلهِ۔[1]

سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: نبی ﷺ کو جب بھی دو چیزوں میں سے ایک کے اختیار کرنے کا حکم دیا جاتا تو آپ ﷺ ان میں سے آسان کو اختیار کرتے، بشرطیکہ اس میں گناہ کا کوئی پہلو نہ ہوتا۔ اگر اس میں گناہ ہوتا تو آپ ﷺ اس سے بہت دور رہتے، اللہ کی قسم! آپ ﷺ نے کبھی اپنے ذاتی معاملے میں کسی سے بدلہ نہ لیا، البتہ (جب) اللہ کی حرمتوں کو پامال کیا جاتا تو آپ ﷺ اللہ کے لیے ضرور انتقام لیتے تھے''۔

کیونکہ انسان فطرتاً سہولت پسند ہے اس لئے عصر حاضر کی داعیہ کا فرض ہے کہ وہ دین کو مشکلات کا مجموعہ نہ بنائے بلکہ جہاں تک ممکن ہو، دین کو لوگوں کے لیے آسان بنا کر پیش کرے۔ دینی معاملات میں تشدد پسندی اور سختی سے حتی الوسع پرہیز کرے اور اگر کسی سے

1۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الحدود، باب إقامة الحدود والانتقام لحرمات الله، رقم الحدیث: 6786

کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو جو حل سب سے آسان ہو، اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل سے اس کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ:

أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَامَ أَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي الْمَسْجِدِ، فَتَنَاوَلَهُ النَّاسُ، فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "دَعُوهُ وَهَرِيقُوا عَلَى بَوْلِهِ سَجْلًا مِنْ مَاءٍ، أَوْ ذَنُوبًا مِنْ مَاءٍ، فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ، وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ۔[1]

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ایک دیہاتی کھڑا ہوا اور اس نے مسجد ہی میں پیشاب کر دیا۔ لوگوں نے اسے روکنا چاہا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی سے بھرا ہوا ایک ڈول بہا دو کیونکہ تم لوگ آسانی پیدا کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو، تمہیں سختی کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا''۔

کیونکہ درحقیقت جہالت یا عدم واقفیت ایک مرض ہے، اسے ایک قسم کی معذوری سمجھ کر ازالے کی کوشش کرنا ہی انسانیت کی خدمت ہے لیکن اس سے اظہارِ بیزارگی یا نفرت گویا اس کی اصلاح کے تمام راستے بند کرنے والی بات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

خير دينكم ايسره وخير العبادة الفقه۔[2]

تمہارا دین آسان ہے اور اچھی عبادت دینی بصیرت حاصل کرنا ہے۔

صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ نے اگر کبھی دینی معاملات میں اعتدال سے ہٹ کر تشدد

1۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الوضوء، باب صب الماء على البول في المسجد، رقم الحدیث: 220

2۔ ابن عبد البر، جامع بیان العلم وفضلہ، باب تفضیل العلم علی العبادۃ، دار ابن الجوزی، المملکہ العربیہ السعودیہ، رقم الحدیث: 91

کی راہ اپنائی بھی تو آپ ﷺ نے انتہائی سختی سے منع فرما دیا جیسا کہ حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبلؓ نے ایک مرتبہ انصار کو نماز مغرب پڑھائی اور قرأت کو خوب طول دیا، حضرت حازم انصاریؓ نہ ٹھہر سکے اور اپنی نماز علیحدہ پڑھ کر چل دیئے، حضرت معاذ بن جبلؓ ان سے سخت ناراض ہوئے، حضرت حازمؓ بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ معاذؓ ہمیں بہت طویل نماز پڑھاتے ہیں، جس کی ہم طاقت نہیں رکھتے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

یَا مُعَاذُ أَفَتَّانٌ أَنْتَ، أَفَتَّانٌ أَنْتَ، اقْرَأْ بِكَذَا، اقْرَأْ بِكَذَا [1]

"اے معاذ! کیا تم لوگوں کو فتنے اور آزمائش میں ڈالو گے! کیا تم لوگوں کو فتنے اور آزمائش میں ڈالو گے؟ فلاں اور فلاں سورۃ پڑھا کرو"۔

6۔ مخاطب کی ذہنی استعداد کا لحاظ رکھنا:

دعوت و تبلیغ کے میدان میں حکمت کا یہ بھی تقاضہ ہے کہ داعی مخاطب کی ذہنی استعداد کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی دعوت پیش کرے۔ عصر حاضر میں اس امر کی بہت ضرورت ہے کہ ایک داعی یا داعیہ مخاطب کی ذہنی استعداد کے مطابق دعوت دے، اگر داعی عام مخاطب کی ذہنی استعداد کو نظر انداز کرتے ہوئے منطقی استدلال اور فلسفیانہ انداز میں گفتگو شروع کر دے یا کسی صاحبِ علم اور دانشور شخص کو دعوت دیتے وقت گفتگو کا غیر علمی اور غیر عقلی اسلوب اختیار کرے تو اس صورت میں دعوت یقیناً غیر مؤثر ہو جاتی ہے، اس لئے داعی اور داعیہ کا فرض ہے کہ وہ مخاطب کی ذہنی استعداد اور کیفیات کا لحاظ کرتے ہوئے دعوت کا فریضہ بالکل اسی نہج پر اسی طرح ادا کرے جیسے صحابیاتؓ نے کیا۔ داعی درحقیقت ایک بے مثال استاد اور مربی کی طرح ہوتا ہے جو سامع کا نفسیاتی جائزہ لیتے ہوئے اس کے ذہنی پس منظر، اس کی استعداد اور اس کے مزاج کو سامنے رکھ کر بات کرتا ہے۔ وہ ایک

1۔ ابوداؤد، سنن، باب فی تخفیف الصلاۃ، رقم الحدیث: 790

بدوی اور شہری، پڑھے لکھے اور ان پڑھ اور عقل و تجربہ کے مختلف مدارج رکھنے والے انسانوں سے مختلف طریقوں اور اسالیب سے گفتگو کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی ہمیشہ مخاطب کے ذہنی معیار کی رعایت فرمائی، اسی لئے ہر شخص آپ ﷺ سے مطمئن ہوتا تھا، صرف یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ مخاطب کی ذہنی استعداد کا لحاظ رکھتے ہوئے عمدہ مثالوں اور روزمرہ کے مشاہدات سے اس انداز میں استدلال فرماتے کہ بات سامع کے دل میں اترتی چلی جاتی تھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

"ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ہاں سیاہ فام لڑکا پیدا ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تیرے پاس کوئی اونٹ ہے؟ اس نے کہا جی ہاں، آپ ﷺ نے پوچھا وہ کس رنگ کے ہیں؟ اس نے کہا: سرخ۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ ان میں کوئی سفید مائل سیاہ بھی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا کیوں کر ہوا؟ اس نے کہا شاید کسی رگ نے اس کو کھینچا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس طرح ممکن ہے تیرے اس بیٹے کے ساتھ بھی ایسا ہوا ہو"۔ [1]

چنانچہ وہ بدو مطمئن ہو کر چلا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کو بھی یہی تلقین فرمائی کہ وہ لوگوں کی عقل اور ذہنی استعداد کے مطابق ان کو دعوت دیں۔

صحابہ کرامؓ کہتے ہیں:

أمرنا أن نكلم الناس على قدر عقولهم۔ [2]

"آپ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم لوگوں کی ذہنی استعداد کے مطابق ان سے بات کریں"۔

1۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الطلاق، باب إذا عرض بنفی الولد، رقم الحدیث: 5305

2۔ علاؤالدین متقی الہندی، کنز العمال، رقم الحدیث 29282

7۔مخاطب کے مقام ومرتبہ کالحاظ رکھنا:

عصر حاضر کے داعی حضرات اور داعیات کا فرض ہے کہ وہ ہر ممکن حد تک مخاطب کے معاشرتی وسیاسی مقام ومرتبہ کا خیال رکھیں کیونکہ ایسے لوگ عزت افزائی کے عادی ہو چکے ہوتے ہیں، جیسا کہ صحابیاتؓ دعوت دیتے وقت مخاطب کے مقام ومرتبہ کالحاظ رکھ کر ان تک اپنا موقف پہنچاتی تھیں۔مثلاً حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا عبدالملک کی عزتِ نفس کا خیال رکھتے ہوئے انھیں نصیحت کرنا وغیرہ۔اگر داعی مخاطب کے مقام ومرتبہ کو نظر انداز کرے گا تو ممکن ہے کہ شیطان اسے گمراہ کردے اور اسے حق بات ماننے سے روک دے۔اس لئے داعی حق کو چاہئے کہ وہ ایک خاص حد تک ان کی اس کمزوری کالحاظ رکھے، خود رسول اللہ ﷺ کا یہ عمل تھا کہ آپ ﷺ وفودِ عرب، جو عام طور پر قبائلی رؤسا اور سرداروں پر مشتمل ہوتے تھے، کی پیشوائی فرماتے اور ان کی عزت افزائی فرماتے، چنانچہ کئی وفود جو محض معاہدہ صلح کے لیے آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے، آپ ﷺ کے حسنِ اخلاق اور عزت افزائی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔مثلاً ایک وفد اشجع نامی معاہدہ صلح وامن کے لیے آیا تھا لیکن آپ ﷺ کے حسنِ اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرلیا۔[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابیاتؓ کی بھی اسی نہج پر تربیت فرمائی اور ان کو حکم دیا کہ وہ لوگوں سے ان کے مقام ومرتبہ کے مطابق سلوک کریں۔آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ:

انزلوا الناس منازلھم۔[2]

لوگوں سے ان کی قدر ومنزلت کے مطابق پیش آؤ۔

لیکن یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ مخاطب کے مقام ومرتبہ کالحاظ رکھے

1۔ابن سعد،طبقات کبریٰ،01:306

2۔ابوداؤد،سنن، کتاب الادب، باب فی تنزیل الناس منازلہم ،رقم الحدیث:4842

اور دعوت کو اسی انداز میں پیش کرنے کا جو حکم ہے اس کا جواز صرف اس تک ہے جہاں تک حق کے وقار کو ٹھیس نہ پہنچے، اگر اس اسلوب کو اختیار کرنے سے دعوتِ حق کا وقار مجروح ہونے کا اندیشہ ہو تو داعی کو ایسے تمام کاموں سے پرہیز کرنا چاہیے۔

8۔ایجاز واختصار:

ایک بہترین داعی یا داعیہ کے لیے عصر حاضر میں اس امر کالحاظ رکھنا ضروری ہے کہ دعوت کی فضول تکرار اور بے فائدہ وطویل بیان کہیں لوگوں کو دعوت کے مضامین ہی سے متنفر نہ کردے۔نبی اکرم ﷺ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے صحابیاتؓ بھی اپنی دعوت کو مختصراً مخاطب کے سامنے رکھتی تھیں۔مثلاً حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کا اپنی اولاد کو مختصراً نصیحت کرنا، حضرت معاذہؓ کا اپنی رضاعی بیٹی کو نصیحت کرنا وغیرہ۔لہٰذا عصر حاضر کے داعی اور داعیہ کے لیے لازم ہے کہ اس کا کلام معقول اور دل کو لگنے والے دلائل ہوں۔بلاشبہ فصاحت وبلاغت ایک ایسا وصف ہے کہ جو دعوت کو مؤثر بنا سکتا ہے، انسان کی زبان، اندازِ تخاطب اور طرزِ گفتگو کا اثر اس کے مخاطب پر بہت زیادہ ہوتا ہے اور وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، اس لیے ایک داعی کو چاہیے کہ اپنا لہجہ میٹھا اور الفاظ نرم رکھے۔اسی عنوان پر کلام کرتے ہوئے قاری طیب صاحب فرماتے ہیں کہ:

> "مبلغ اپنے کلام کو فصاحت وبلاغت سے آراستہ کرے، خواہ وہ حکمت سے کام لے یا موعظت اور مجادلہ کے میدان میں آئے، بہر حال بے تکلفانہ انداز سے فصاحت لسانی اس کا شعار ہونا چاہیے، تا کہ مخاطب صحیح عنوان سے صحیح مقاصد ہی اخذ کرسکے۔اگر کلام میں پیچیدگی اور بے ترتیبی ہوگی تو مخاطب صحیح اثر قبول نہ کرسکیں گے۔[1]

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے خطبے بھی نہایت مختصر ہوا کرتے تھے اور بعض روایات میں آپ ﷺ نے خطبہ کے اختصار کو دانشمندی کی علامت

1۔محمد طیبؒ، قاری، قرآنی اصول، مکتبہ رحمانیہ، لاہور،ص:66

قرار دیتے ہوئے فرمایا:

إن من البیان سحر... [1]

''بعض خطبے جادو ہوتے ہیں''۔

اس حدیث میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر داعی کا خطبہ مختصر، جامع اور بلیغ ہوگا تو وہ جادو کی طرح اثر کرے گا جبکہ طویل خطبہ نا صرف سامع کی طبیعت پر بوجھ محسوس ہوگا، بلکہ بعض اوقات بے اثر بھی ہوسکتا ہے۔ چونکہ آپ ﷺ جوامع الکلم ہیں، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے دعوت وتبلیغ میں ہمیشہ اختصار سے کام لیا نیز صحابہ کرامؓ و صحابیاتؓ کی بھی اسی نہج پر تربیت فرمائی۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أمرنا رسول الله باقصار الخطب۔ [2]

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبے میں اختصار کا حکم دیا۔

یعنی جتنی بات مدلل اور مختصر ہوگی، سامع کو اسی قدر وہ متاثر کرے گی، عموماً لوگ لمبی گفتگو سے اُکتا جاتے ہیں اور دعوت چاہے کتنی ہی ضروری کیوں نہ ہو، اس کے قابل قدر اثرات مرتب نہیں ہوتے۔

9۔ جبر واکراہ سے اجتناب کرنا:

دینِ اسلام کو جملہ الہامی وغیر الہامی مذاہب میں اس لحاظ سے انفرادیت حاصل ہے کہ اس نے اپنی ترویج واشاعت کے باقاعدہ اصول بیان کیئے ہیں اور کھل کر اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ دین ایسی چیز نہیں جس کو زبردستی کسی پر ٹھونسا جائے، کیونکہ دینِ اسلام کا اولین جز وایمان ہے اور ایمان نام ہی یقین کا ہے، دنیا کی کوئی طاقت کسی کے دل میں یقین کا ایک ذرہ بھی زبردستی پیدا نہیں کرسکتی اسی لئے قرآن کریم کا واضح حکم ہے کہ:

1۔ ابوداؤد، سنن، کتاب الادب، باب ماجاء فی الشعر، رقم الحدیث: 5011

2۔ ابوداؤد، سنن، کتاب الصلوۃ، باب اقصار الخطب، رقم الحدیث: 1106

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ [1]

''دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے، ہدایت کا راستہ گمراہی سے ممتاز ہوکر واضح ہوچکا، اس کے بعد جو شخص طاغوت کا انکار کرکے اللہ پر ایمان لے آئے گا، اس نے ایک مضبوط کنڈا تھام لیا جس کے ٹوٹنے کا کوئی امکان نہیں، اور اللہ خوب سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے''۔

دعوتِ دین کا یہ وہ اسلوب ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے خود بھی اختیار فرمایا اور صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کو بھی اس کی تلقین فرمائی، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے جب عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو بنو حارث کی طرف دعوت وتبلیغ اور صدقات کی وصولی کے لیے روانہ کیا تو ان کو ایک تحریر لکھ کردی جس میں یہ ہدایت واضح طور پر درج تھی کہ:

وإنه من أسلم من يهودي أو نصراني فإنه من المؤمنين له ما لهم وعليه ما عليهم ومن كان على يهوديته أو نصرانيته فإنه لا يردعنها۔ [2]

''اور جو یہودی ونصرانی اپنی طرف سے مخلصانہ اسلام لے آئے اور دین اسلام کو اپنا دین بنالے، وہ مومنوں میں شمار ہوگا، اس کے وہی حقوق ہوں گے جو مومنوں کے ہوں گے، اور جو اپنی یہودیت ونصرانیت پر قائم رہے گا، اسے اس یہودیت یا نصرانیت سے پھیرا نہ جائے گا''۔

لہٰذا عصر حاضر کی داعیات اور داعی حضرات کو چاہیے کہ جب وہ دعوتِ دین کا کام کریں تو جبر واِکراہ سے گریز کریں، مخاطب پر اپنی رائے مسلط کرنے کی بجائے اسے مدلل دلائل اور بہترین حکمت عملی کے ذریعے اپنی بات سمجھائیں۔

1۔ البقرۃ، 02:256

2۔ ابن اثیر، البدایہ والنہایہ، 05:88

10۔مخاطب کی عزت نفس کا خیال رکھنا:

بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ داعی جب مخاطب سے بات کرتا ہے تو مخاطب داعی کے ساتھ غیر فطری سلوک کرتا ہے اور اس کی بات کو ذرا برابر بھی توجہ نہیں دیتا، ایسی صورت میں اگر داعی غلطی کرنے والے اس مخاطب کو براہِ راست مخاطب کرنے کی بائے اشارے کنائے میں اس کی غلطی کو واضح کرتا ہے تو اس صورت میں غلطی کرنے والے کی عزتِ نفس مجروح نہیں ہوتی، نیز وضاحت کے اس عمومی انداز سے مخاطب کی طرف سے کسی قسم کے منفی ردعمل کا بھی کوئی خطرہ نہیں رہتا اور شیطان اس کے انتقامی جذبات کو مزید ہوا دے کر انتقام کی طرف مائل نہیں کر سکتا، ویسے بھی اس اسلوب سے مخاطب کے دل میں داعی کی قدر و منزلت بڑھ جاتی ہے اور وہ اس کی بات کو اور زیادہ توجہ سے سنتا ہے۔البتہ ایک داعی یا داعیہ کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ دعوت کا یہ اسلوب صرف اس وقت موثر ہوتا ہے جب مخاطب کی غلطی عام لوگوں سے پوشیدہ ہو، لیکن اگر اکثر لوگوں کو اس کا علم ہو اور اسے یہ معلوم ہو کہ اکثر لوگ اسے جانتے ہیں تو ایسی صورت میں دعوت وتبلیغ کا یہ اسلوب سخت زجر وتوبیخ کا حامل اور غلطی کرنے والے کے لیے رسوائی کا باعث بن جاتا ہے۔

اگر بات بھلائی اور خیر خواہی کے جذبے سے کی جائے تو یہ ایسا انداز تربیت ہے کہ جس سے غلطی کرنے والے کو بھی فائدہ ہوتا ہے اور عام لوگوں کو بھی، بشرطیکہ اسے استعمال کرتے ہوئے حکمت سے کام لیا جائے۔صحابیاتؓ نے بارہا اس اسلوب کو اختیار کیا اور غلطی کرنے والے کو براہِ راست مخاطب کرنے کی بجائے عمومی وضاحت پر اکتفا کیا، تا کہ مخاطب کی عزتِ نفس بھی مجروح نہ ہو اور اس کی اصلاح بھی ہو جائے۔

11۔مخاطب کی تعریف یا حوصلہ افزائی کرنا:

ایک داعی یا داعیہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ دعوت میں سامعین کی تعریف یا

حوصلہ افزائی کا بھی خصوصی طور پر خیال رکھے البتہ اس سلسلے میں مبالغہ آرائی سے پرہیز کرنا چاہیے۔مناسب حدتک تعریف یا حوصلہ افزائی سامع کو فطری طور پر پسند آجاتی ہے اور وہ گفتگو میں غیر ارادی طور پر دلچسپی لیتا ہے، صحابیاتؓ کی سیرت سے بھی یہ اسلوبِ دعوت نظر آتا ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب لوگ دور دراز سے صحابیاتؓ کی خدمت میں طلبِ علم، مسائل دینیہ کی سوجھ بوجھ حاصل کرنے کے لیے آتے تو وہ نہایت کشادہ دلی اور خندہ پیشانی سے ان کا خیر مقدم کرتی تھیں۔بنیادی طور پر دیکھا جائے تو سیدہ خدیجہؓ نے بھی رسول اللہ ﷺ کی حوصلہ افزائی فرمائی تھی جب کہ آپ ﷺ اس وقت پہلی وحی کی شدت سے شدید پریشان تھے۔اس حوالے سے مصطفی سباعی لکھتے ہیں کہ:

> ’’حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ایک خاص مقام تھا، کیونکہ انھوں نے ایسے وقت میں نبی اکرم ﷺ کا ساتھ دیا جب سب نے منہ موڑ لیا۔آپؓ نے دین کی دعوت کی اشاعت میں مکمل ساتھ دیا اور ان کی حوصلہ افزائی کی تا کہ آپ ﷺ کو تقویت حاصل ہو اور آپ ﷺ دعوت خیر کا کام احسن انداز سے نبھا سکیں‘‘۔[1]

اسی طرح ہم نے دوسرے باب میں بیان کیا کہ بعض لوگ مختلف مسائل میں ازواج مطہراتؓ بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف رجوع کرتے تھے اور آپؓ ان کے مسائل کا تسلی بخش جواب دیتی تھیں۔اسی طرح اگر ایک داعیہ بھی مخاطب کی حوصلہ افزائی کرے گی تو مخاطب میں یہ ہمت پیدا ہو جائے گی کہ وہ دین کی بات کو سن بھی سکے اور پھر اس پر عمل بھی کر سکے۔

12۔سوال وجواب اور باہمی گفتگو کے ذریعے دعوت دینا:

بلا شبہ یہ اسلوبِ دعوت اثر انگیزی میں واعظانہ اسلوب دعوت کے مقابلہ میں کہیں بڑھ کر ہے کیونکہ اس صورت میں داعی اور سامع کے درمیان براہ راست گفتگو ہوتی

1۔مصطفی السباعی، السیرۃ النبویہ ﷺ، مکتب الاسلامی، بیروت، ص:56

ہے اور حقائق کو ہلکے پھلکے انداز میں مخاطب کے ذہن میں بٹھا دیا جاتا ہے۔مکالمہ کا انداز اور سوال و جواب کا اسلوب مخاطب کے ذہن وفکر کو متوجہ کرنے میں کافی مددگار ثابت ہوتا ہے، بالخصوص اگر وہ سوال اور بحث کسی پوشیدہ حقیقت کی نقاب کشائی کے لیے ہو تو اس سے نہ صرف سائل بلکہ دوسرے لوگ بھی گمراہ ہونے سے محفوظ ہو جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ صحابیاتؓ نے مثبت اور تعمیری سوالات کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی اور ان کو پورے علمی اور تحقیقی انداز میں جوابات مرحمت فرمائے۔لہٰذا ایک داعی یا داعیہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ بھی میدان دعوت کے اس اسلوب پر دسترس حاصل کرے اور بذریعہ سوال و جواب یا باہمی گفتگو کے ذریعے مخاطب کو ہمہ وقت اپنی طرف متوجہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کو دین کی دعوت بھی دے۔اس حوالے سے صحابیاتؓ کس قدر اہتمام کرتی تھیں، اس بات کا اندازہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے اس فرمان سے ہوتا ہے، فرماتی ہیں:

''انصار کی عورتیں کیا ہی بہتر ہیں اُنہیں دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرنے اور دینی مسئلہ کو دریافت کرنے میں کوئی شرم وحیا مانع نہیں ہوتی۔'' [1]

اسی طرح اُمِ سلیمؓ نے بھی اسی اسلوب کو اختیار کر کے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو دینِ حق کی طرف دعوت دی اور وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے بھی مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ اگر وہ کسی دین کے معاملے میں علم نہیں رکھتے تو کسی اہلِ علم (عالم) سے پوچھ لیں۔

اس سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ [2]

لہٰذا اگر تمہیں خود علم نہیں ہے تو نصیحت کا علم رکھنے والوں سے پوچھ لو۔

1۔ عبدالرزاق بن ہمام، مصنف عبدالرزاق: 1208

2۔ الانبیاء، 21:07

13۔مخاطب کی طلب یا ذہنی آمادگی کا ہونا:

عمومی طور پر کہا جاتا ہے کہ جب پیالہ سیدھا پڑا ہو، اسی صورت میں اس کے اندر پانی ڈالا جا سکتا ہے، اگر پیالہ ہی الٹا ہو تو ایسی صورت میں اس کے اندر ہرگز پانی نہیں ڈالا جا سکتا۔ایسے ہی جب کوئی شخص کسی مسئلہ کو جاننے کی خواہش کرے، اس کے بارے میں سوال کرے اور اس کا دل اس کی طرف متوجہ ہو، اس وقت مسئلہ بتانے سے اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور زیادہ پختگی سے ذہن نشین ہو جاتا ہے۔اس کے برعکس اگر سوال کئے بغیر اور اس کی توجہ اور آمادگی کے بغیر اس کو معلومات دی جائیں تو اس قدر فائدہ نہیں ہوتا۔ اس لئے ایک داعی یا داعیہ کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ دعوت وتبلیغ کے لیے ذہنی آمادگی اولین شرط ہے۔صحابیاتؓ کی سیرت سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ جب تک مخاطب کی ذہنی آمادگی اور خلوص نیت کا جائزہ نہ لے لیتیں، اس وقت تک اس کو دعوت نہ دیتی تھیں۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسی وقت امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی جب انہوں نے خود سیدہ سے نصیحت کی درخواست کی۔

14۔دعوت کیلئے مناسب وقت کا انتظار یا موقع کی مناسبت کا ہونا:

ایک داعی یا داعیہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ دعوت الی اللہ کے لئے مناسب وقت یا موقع کا انتظار کرے کیونکہ بے محل بات کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہو، مخاطب کے لئے اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔صحابیاتؓ کی سیرت کے تفصیلی مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انھوں نے بھی دعوت وتبلیغ کے لئے بارہا اس اسلوب کو اختیار کیا ہے۔

15۔استعارہ، تشبیہ وتمثیل سے وضاحت کرنا:

تعلیم وتعلم اور دعوت وتبلیغ میں ہر مکتبہ فکر اور مختلف رجحانات وخیالات کے افراد سے واسطہ پڑتا ہے جس میں خواندہ وناخواندہ، خضری وبدوی ہر طرح کے لوگ ہوتے

ہیں، چنانچہ داعی کو ہر ایک کی ذہنی سطح کے مطابق گفتگو کرنی پڑتی ہے جس سے وہ بات سمجھ جائے اور پیغام کی طرف متوجہ ہو۔ اس ضمن میں استعارہ، تشبیہ اور تمثیل فصیح و بلیغ کلام کا لازمی عنصر ہیں جو کلام کی زیب و زینت مزید سنوار دیتے ہیں، ان کی وجہ سے معنی و مفہوم قریب الفہم ہو جاتا ہے، تشبیہ و تمثیل اور لطیف استعارے سے کلام میں جو وسعت اور قوت پیدا ہوتی ہے وہ کسی اور ذریعے سے ممکن نہیں۔ صحابیاتؓ دعوت و تبلیغ اور لوگوں کی تربیت میں اس اسلوب کو اختیار کرتی تھیں، یہ ایسا اسلوبِ دعوت ہے جس میں مشکل ترین بات کو بھی عام فہم چیز کی مثال دے کر آسانی سے سمجھایا جا سکتا ہے۔

قرآن حکیم نے بھی اسی اسلوب کو اختیار کرتے ہوئے مشکل اور پیچیدہ خیالات کو معمولی چیزوں کے ساتھ تشبیہ دے کر نہایت عمدگی کے ساتھ سمجھایا ہے، مثلاً قرآن مجید نے اسی اسلوب کو اختیار کرتے ہوئے کلمہ طیبہ کی مثال ایک عمدہ اور اعلیٰ نسل کے درخت سے دی ہے جس کی جڑیں زمین میں گہری جمی ہوئی ہیں۔ اسی طرح کلمہ خبیثہ کی مثال بد ذات درخت سے دی گئی ہے، جو بے کار سمجھ کر زمین سے اکھاڑ پھینکا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورہ ابراہیم میں فرماتے ہیں:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۔[1]

”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی کیسی مثال بیان کی ہے؟ وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ (زمین میں) مضبوطی سے جمی ہوئی ہے، اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں“۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ نِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۔[2]

1۔ ابراہیم، 14:24

2۔ ابراہیم، 14:26

”اور ناپاک کلمے کی مثال ایک خراب درخت کی طرح ہے جسے زمین کے اوپر ہی اوپر سے اکھاڑ لیا جائے، اس میں ذرا بھی جماؤ نہ ہو“۔

لہٰذا عصر حاضر کے داعی یا داعیہ کو چاہیے کہ وہ بھی اپنی دعوت کے دوران اس اسلوب کا استعمال کرے کیونکہ فطری بات بھی یہی ہے کہ جب مثال دے کر کوئی بات سمجھائی جاتی ہے تو وہ جلد سمجھ آ جاتی ہے۔

16۔ حکمت و بصیرت کے ساتھ دعوت دینا:

حکمت و بصیرت کے ساتھ دعوت الی اللہ کا کام کرنا فائدے سے خالی ہے ہی نہیں، حکمت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسی نعمت ہے جو وہ اپنے خاص خاص بندوں پر انعام کرتا ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا مبارک ارشاد ہے:

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۔[1]

”وہ جس کو چاہتا ہے دانائی عطا کر دیتا ہے، اور جسے دانائی عطا ہو گئی اسے وافر مقدار میں بھلائی مل گئی۔ اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو سمجھ کے مالک ہیں“۔

کسی کام کو اس کے مناسب طریقہ پر اور اس کے مناسب وقت میں انجام دینے کو حکمت کہتے ہیں۔ لہٰذا ایک داعی یا داعیہ کو چاہیے کہ وہ مدعو کو اس کی ذہنی حالت، اس کے فہم اور اس کے قبول کرنے اور مان لینے کی صلاحیت کے مطابق دعوت پیش کرے اور حکمت میں یہ سب امور شامل ہیں کہ علم و بصیرت کے ساتھ دعوت دی جائے، اہم چیزوں سے بات کا آغاز کیا جائے، پہلے آسان باتیں رکھی جائیں، پہلے ایسی باتیں رکھی جائیں جسے لوگ جلدی قبول کرنے والے ہوں اور نرم گفتاری سے کلام کیا جائے۔ بالفرض اگر حکمت کے یہ مذکورہ طریقے کارگر ثابت نہ ہوں تو پھر ایسی صورت حال میں عمدہ نصیحت

1۔ البقرۃ، 02:269

کے ذریعہ دعوت پیش کی جائے اور عمدہ نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ بھلائیوں کا حکم دینے اور برائیوں سے روکنے میں ترغیب وترہیب کا طریقہ استعمال کیا جائے۔ دعوت الی اللہ میں حکمت ہی امر مطلوب ہے اور ہر داعی کو من جانب اللہ دعوت پیش کرنے میں حکمت اپنانے کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ۔ [1]

''اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو اور (اگر بحث کی نوبت آئے تو) ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔ یقیناً تمہارا پروردگار ان لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹک گئے ہیں اور ان سے بھی خوب واقف ہے جو راہ راست پر قائم ہیں''۔

ایک داعی یا داعیہ کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ حکمت ہی وہ اصول ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کو اپنی امت کو دعوت دینے کی تلقین کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ فرمایا ہے کہ اگر آپ ﷺ حکمت و بصیرت، نرم دلی اور خوش اخلاقی کے ساتھ اپنی امت سے پیش نہ آتے تو لوگ آپ ﷺ سے اس قدر متاثر کبھی نہ ہوتے، چنانچہ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہوا کہ:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ۔ [1]

1۔ النحل، 16:125

1۔ آل عمران، 03:159

''(ان واقعات کے بعد) اللہ کی رحمت ہی تھی جس کی بنا پر (اے پیغمبر ﷺ) تم نے ان لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کیا۔ اگر تم سخت مزاج اور سخت دل والے ہوتے تو یہ تمہارے آس پاس سے ہٹ کر تتر بتر ہو جاتے۔ لہٰذا ان کو معاف کر دو، ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو اور ان سے (اہم) معاملات میں مشورہ لیتے رہو۔ پھر جب تم رائے پختہ کر کے کسی بات کا عزم کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ اللہ یقیناً توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔

مذکورہ آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ حکمت اللہ تعالیٰ کا احسان اور اس کی ایسی عظیم نعمت ہے جسے اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔ اسالیبِ دعوت میں اس کو نمایاں مقام حاصل ہے۔

خلاصہ کلام:

درحقیقت دعوت کے دو بنیادی کردار ہوتے ہیں، ایک داعی یا داعیہ اور دوسرا مخاطب، تاہم دعوت کی کامیابی کا مکمل انحصار داعی کی ذات پر ہے کیوں کہ دعوت کے مضامین کتنے ہی پُرکشش کیوں نہ ہوں، اگر داعی کا طریقہِ دعوت مناسب نہیں ہے اور وہ مدعو کو حالات کے مطابق اسالیب اختیار کر کے بات سمجھانے کی قدرت نہیں رکھتا تو اس کو دعوت کے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوتے۔

بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ جو بات ایک پہلو سے سمجھ نہیں آتی، وہی بات جب دوسرے انداز سے سامنے آتی ہے تو سیدھی دل میں اتر جاتی ہے۔ قرآن مجید کے اولین مخاطب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ وصحابیاتؓ ہیں، اس لیے قرآن مجید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کو دعوت کے طریق کار اور اسالیب کی تعلیم دی تاکہ وہ اس کلام الٰہی کو لوگوں کے سامنے احسن انداز میں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اچھی طرح سے سمجھا بھی سکیں۔ آپ ﷺ نے دعوت کے فریضے

کوادا کرتے ہوئے ان اصولوں سے کبھی بھی انحراف نہیں کیا اور اسی طرح آپ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ وصحابیاتؓ کے دعوتی کردار میں بھی انہی اصولوں کا غلبہ نظر آتا ہے۔ چونکہ صحابیاتؓ بھی دعوت وتبلیغ میں ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت اور طرزِ عمل کو پیش نظر رکھتی تھیں، انہوں نے دعوت وتبلیغ کے اس منصب کو احسن انداز سے نبھایا اور جس طرح انسانی نفسیات کا لحاظ کرتے ہوئے دعوت دی، اس کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ عصر حاضر میں چونکہ دعوت دین کا کام اپنے زور وشور پر ہے، جس طرح مرد حضرات دعوت وتبلیغ کا کام کر رہے ہیں، اسی طرح خواتین بھی اس میدان میں پیش پیش ہیں۔ البتہ ضرورت اس امر کی ہے کہ عصر حاضر کی داعیات صحابیاتؓ کے اسوہ پر مکمل طور پر عمل پیرا ہوں۔

صحابیاتؓ کی مذہبی ودعوتی خدمات کی روشنی میں

پاکستانی خواتین کی کردار سازی

ہم دیکھتے ہیں کہ صحابیاتؓ کی زندگی میں ان کی جہاں دینی خدمات ہیں، وہیں پر ان کی علمی ومذہبی خدمات ہیں، پیچھے گزر چکا کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرامؓ اماں عائشہ صدیقہؓ کے پاس علمی مسائل پوچھنے کے لئے آتے تھے۔ اسی طرح دیگر صحابیاتؓ نے بھی اس میدان میں شاندار خدمات انجام دیں۔ عصرِ حاضر میں پاکستان کی خواتین اور بالخصوص داعیات کے لئے دعوت کے میدان میں بھی صحابیاتؓ کی زندگی عملی نمونہ پیش کرتی ہے۔ بنیادی طور پر ہم اگر آج کے ماڈرن اور جدید ترقی یافتہ دور کی بات کریں تو وقت کے تقاضے بدلنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے معیار زندگی بھی بدل گئے ہیں، اب لوگ سوشل میڈیا کی زندگی میں رہتے ہیں لہٰذا داعیات کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس علمی میدان میں قدم رکھنے سے پہلے جدید دور کے تقاضوں سے اچھی طرح باخبر ہوں اور ان تمام وسائل اور ذرائع کو اچھی طرح جان لیں جو اس دعوت کے میدان میں ان کے لئے معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

دعوت کے مختلف وسائل وذرائع:

عمومی طور پر دعوت وتبلیغ کے تین وسائل وذرائع بیان کئے جاتے ہیں۔

i. زبانی تبلیغ

ii. تحریری تبلیغ

iii. عملی تبلیغ (داعی یا داعیہ کی مثالی سیرت وکردار کے ذریعے تبلیغ)

اسی بات کو ذرا مختلف انداز میں ڈاکٹر عبدالکریم زیدان یوں بیان کرتے ہیں کہ:

تبلیغ الدعوة إلى الله تکون بالقول و بالعمل وبسیرة الداعی التی تجعله قدوة حسنه لغیره فتجذهم إلى الإسلام۔[1]

"یعنی دعوت الی اللہ زبان کے ذریعے سے ہو، عمل کے ذریعے سے ہو اور داعی مخلصین کی اعلیٰ سیرت وکردار کے ذریعے ہو"۔

زبانی تبلیغ:

زبانی تبلیغ کا مطلب یہ ہے کہ زبان کے ذریعے لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا، ان کو وعظ ونصیحت کرنا، ان کی اصلاح کرنا، ان پر مناسب موقع پر نکیر کرنا وغیرہ، یہ زبانی تبلیغ ہے۔ دعوت وتبلیغ میں قولی اور زبانی دعوت کو بہت اہمیت حاصل ہے، اور تمام انبیاء کرامؑ نے اپنی اپنی امتوں کو احکامِ الٰہی زبانی طور پر پہنچائے۔

اس ضمن میں مولانا اشرف علی تھانویؒ نے کچھ اس طرح فرمایا کہ:

"کہنے کا بھی طریقہ ہوتا ہے، کہنا کبھی صراحۃً ہوتا ہے اور کسی تدبیر سے موقع محل کا خیال کرنا چاہیے، یاد رکھو نصیحت میں سختی ہرگز نہ کرو، لطافت اور نرمی سے کہو اور اگر ممکن ہو تو زبان سے کہہ کر اپنی بات سناؤ اور بعض اوقات کچھ نہ کہنے کا بھی اثر ہوتا ہے، جہاں جو طریقہ مناسب ہو، اسی کو اختیار کرنا چاہیے"۔[2]

البتہ ایک داعی یا داعیہ کے لئے زبانی تبلیغ میں چند امور کو مدِ نظر رکھنا بہت ضروری ہے ورنہ بجائے فائدے کے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔ وہ امور درج ذیل ہیں:

1۔ عبدالکریم زیدان، اصول الدعوة، دار الکتاب العربیہ، بیروت، 01:452

2۔ تھانویؒ، مولانا اشرف علی دینی، دعوت وتبلیغ کے احکام، 01:183

1۔ زبان کی حفاظت کرنا:

عام طور ہر دیکھا جاتا ہے کہ زبان کی بے احتیاطی کی وجہ سے اختلاف ونزاع پیدا ہوتا ہے، اگر کوئی داعی یا داعیہ معمولی سی توجہ بھی اس طرف دے تو کبھی بھی اختلاف کی نوبت نہ آئے۔ اس سلسلے میں ترمذی کی روایت ہے کہ:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَبِي الصَّهْبَاءِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَفَعَهُ قَالَ إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَإِنَّ الْأَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُولُ اتَّقِ اللَّهَ فِينَا فَإِنَّمَا نَحْنُ بِكَ فَإِنْ اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا وَإِنْ اعْوَجَجْتَ اعْوَجَجْنَا۔[1]

"ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "انسان جب صبح کرتا ہے تو اس کے سارے اعضاء زبان کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں: تو ہمارے سلسلے میں اللہ سے ڈر اس لیے کہ ہم تیرے ساتھ ہیں، اگر تو سیدھی رہی تو ہم سب سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگئی تو ہم سب بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے"۔

اس حدیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ ایک داعی یا داعیہ کے لئے زبان کی حفاظت کا اہتمام کرنا کس قدر ضروری ہے۔ اسی طرح ترمذی ہی کی ایک اور حدیث مبارکہ میں زبان کی حفاظت سے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا:

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَتَكَفَّلُ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَتَكَفَّلُ لَهُ بِالْجَنَّةِ۔[2]

"سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مجھ سے اپنی

1۔ ترمذی، سنن، ابواب الزہد عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی حفظ اللسان، رقم الحدیث: 2407

2۔ ایضاً، رقم الحدیث: 2408

دونوں ڈاڑھوں اور دونوں ٹانگوں کے بیچ کا ضامن ہو، میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں"۔

ان احادیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ زبان کی حفاظت کرنا اور اس کو لغویات سے پاک رکھنا ایک مسلمان اور بالخصوص ایک داعی یا داعیہ کے لئے کس قدر ضروری ہے۔

2۔ بلا تحقیق گفتگو نہ کرنا:

عمومی طور پر دیکھا گیا ہے کہ بعض دفعہ ایک داعی یا داعیہ کسی کے بارے میں سنی سنائی بات پر عمل درآمد کر لیتے ہیں، اس سے بدگمان ہوجاتے ہیں، یہاں تک کہ دوسروں سے بھی اس کو بیان کرتے ہیں جس کی وجہ سے باہم نزاع ولڑائی کا ماحول پیدا ہوجاتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ بلا تحقیق گفتگو کرنے سے اجتناب کیا جائے۔ اسی طرح ایک داعی کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کلام بہتان تراشی اور لعن طعن پر مشتمل نہ ہو بلکہ اس کی زبان آسان فہم اور قرآن وسنت سے مزین ہو۔ اس حوالے سے مولانا امین احسن اصلاحیؒ لکھتے ہیں:

"ایک داعی کا مقصد مجرد ایک حقیقت کو ظاہر کر دینا ہی نہیں ہے بلکہ یہ ہوتا ہے کہ وہ حقیقت پوری طرح آشکار ہوجائے تاکہ خواص بھی اس کو اچھی طرح سمجھ لیں اور عوام کے لئے بھی اس کے سمجھنے میں کوئی دقت باقی نہ رہے نیز یہ حقیقت نہایت خوبصورت طریق پر ظاہر ہو، تاکہ سننے والوں میں سے جن کے دِلوں میں قبولِ حق کی کچھ بھی صلاحیت ہے، وہ اس کو قبول کر لیں۔ اس مقصد کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ دعوت کی زبان مؤثر اور داعی کا طرزِ کلام دل نشین ہو"۔ [1]

پھر اس کے ساتھ ساتھ زبانی تبلیغ میں اسلوبِ ادبی، اسلوبِ علمی اور اسلوب

1۔ امین احسن اصلاحیؒ، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، 01:76

خطابی کے اصول کو مدنظر رکھنا چاہیے اور داعی کو ایسے اسالیب کو اختیار کرنا چاہیے کہ مخاطبین کے لئے قابلِ فہم بھی ہو اور وہ اس کو قبول بھی کرلیں۔ ویسے بھی قرآن کریم نے بلا تحقیق بات کو آگے کرنے سے منع فرمایا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ۔ [1]

"اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے، تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نادانی سے کچھ لوگوں کو نقصان پہنچا بیٹھو، اور پھر اپنے کیے پر پچھتاؤ۔

اسی طرح حدیث مبارکہ میں بھی ایسے شخص کو جھوٹا قرار دیا گیا ہے کہ جو سنی سنائی بات کو بلا تحقیق آگے بیان کردے، اس ضمن میں صحیح مسلم کی ایک روایت دیکھیں:

عن ابی هریرة رضی الله عنه، قال: قال رسول الله ﷺ: کفی بالمرء کذبا، ان یحدث بکل ما سمع۔ [2]

"ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے یہ کافی ہے کہ جو سنے اس کو بیان کرے"۔

لہٰذا یہاں سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ بلا تحقیق گفتگو کرنا قرآن وحدیث کی روشنی میں بذاتِ خود ایک بہت بڑا گناہ ہے لہٰذا ایک داعی یا داعیہ کو دوران تبلیغ اس سے بچنا چاہیے، تاکہ اس کی بات مؤثر ہو سکے۔ ویسے بھی عام مشاہدہ ہے کہ جب کسی شخص کے بارے میں یہ بات عام ہوجائے کہ اس کی بات کی سند مضبوط نہیں ہوتی یا یہ کہ یہ شخص جھوٹ بھی بولتا ہے تو اس کے بعد معاشرے میں اس شخص کی اپنی شخصیت متنازعہ ہوجاتی ہے۔

1۔ الحجرات، 49:06

2۔ مسلم، الجامع الصحیح، باب النہی عن الحدیث بکل ما سمع، رقم الحدیث: 8956

3۔ تمثیلی اسلوب کا اختیار کرنا:

عصر حاضر کی داعیات کو اپنی گفتگو میں تمثیلی انداز بھی اختیار کرنا چاہیے کیونکہ صحابیاتؓ نے بھی اپنی بات سمجھانے کے لئے جا بجا تمثیلی اسلوب اختیار کیا ہے جیسے اُمِ سلیمؓ نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو اسلام قبول کرنے کے لئے یہی انداز اپنایا تھا۔ عصر حاضر میں زبانی دعوت میں اس انداز کو اپنانا نہایت اہم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَن يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ۔[1]

”بے شک اللہ اس بات سے نہیں شرماتا کہ وہ (کسی بات کو واضح کرنے کے لئے) کوئی بھی مثال دے، چاہے وہ مچھر (جیسی معمولی چیز) کی ہو، یا کسی ایسی چیز کی جو مچھر سے بھی زیادہ (معمولی) ہو۔ اب جو لوگ مومن ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ مثال ایک حق بات ہے جو ان کے پروردگار کی طرف سے آئی ہے۔ البتہ جو لوگ کافر ہیں وہ یہی کہتے ہیں کہ بھلا اس (حقیر) مثال سے اللہ کا کیا مطلب ہے؟ (اس طرح) اللہ اس مثال سے بہت سے لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کرتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے (مگر) وہ گمراہ انہی کو کرتا ہے جو نافرمان ہیں“۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے بھی حق کو بیان کرنے کے لئے تمثیلی اسلوب اختیار کیا ہے۔

4۔ داعی کا کلام ”کلامِ ایجاز“ ہو:

داعی یا داعیہ کو چاہیے کہ وہ مختصر مگر جامع انداز میں اپنی بات سامعین تک پہنچائے۔

1۔ البقرہ، 02:26

پہنچائے۔ ایجاز سے مراد یہ ہے کہ کم سے کم الفاظ میں معنی کو واضح کر دیا جائے یعنی مخاطبین کے سامنے بہت لمبی چوڑی گفتگو کرنے کی بجائے مختصر الفاظ کا چناؤ کیا جائے تاکہ مخاطب داعی یا داعیہ کی بات سن کر فوراً سمجھ جائے اور کسی قسم کا ابہام باقی نہ رہے۔

اس ضمن میں امین احسن اصلاحیؒ لکھتے ہیں:

”کلام مبین کا مطلب ہے کہ وہ اپنے وقت کی اس بولی میں گفتگو کرتے ہیں جو زیادہ خوبی اور صفائی کے ساتھ حروف مدعا کو قوم کے ہر حلقہ تک پہنچا سکے، اس میں نہ اجمال وابہام ہوتا ہے، نہ غیر ضروری طوالت۔“[1]

لہٰذا مختصر مگر جامع اور پر تاثیر انداز اختیار کرتے ہوئے ایک داعی یا داعیہ کو اپنی دعوت مخاطب کے سامنے رکھنی چاہیے اور رسول اللہ ﷺ کا وہ طرزِ عمل یاد رکھنا چاہیے، جس کی نصیحت انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کی تھی کہ مختصر خطبہ دیا کرو۔ جب الفاظ نپے تلے ہوں اور پر اثر ہوں تو بات سیدھی مخاطب کے دل میں اتر جاتی ہے۔

5۔ استفہامی اسلوب کا استعمال:

ایک داعی یا داعیہ کے لئے مناسب ہے کہ وہ استفہامی اسلوبِ دعوت کو بھی اپنائے۔ یعنی مخاطبین کو سوالیہ انداز اپناتے ہوئے دعوت دینا، تاکہ ان سوالوں کے ذریعے وہ خود جوابات تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ صحابیاتؓ کے اسلوبِ دعوت میں بھی یہ انداز ملتا ہے۔ خود قرآن کریم میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں، جیسا کہ سورہ حدید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ۔[2]

1۔ امین احسن اصلاحیؒ، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، 01:76

2۔ الحدید، 57:16

''جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، کیا ان کے لیے اب بھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے اور جو حق اُترا ہے اس کے لیے پسیج جائیں؟ اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ بنیں جن کو پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ان پر ایک لمبی مدت گزر گئی، اور ان کے دل سخت ہو گئے، اور (آج) ان میں سے بہت سے نافرمان ہیں''۔

زبانی تبلیغ کی مختلف اقسام:

اب ہم زبانی تبلیغ کی مختلف اقسام بیان کرتے ہیں۔

1. خطبہ
2. لیکچر
3. درس
4. بحث ومباحثہ یا ٹیبل ٹاک
5. علمی سیمینارز یا کانفرنسز
6. آن لائن آڈیو یا ویڈیو بیانات

1۔خطبہ:

داعی کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ اس کا خطبہ یا تقریر زیادہ لمبی نہ ہو جس سے سامعین اُکتا جائیں، دوسرا یہ کہ موسم کا بھی لحاظ رکھا جائے، کبھی سخت سردی یا سخت گرمی میں بھی کوئی چیز سننا مشکل ہوتا ہے۔ اس ضمن میں امین احسن اصلاحیؒ کا قول پہلے گزر چکا کہ:

''کلام مبین کا مطلب ہے کہ وہ اپنے وقت کی اس بولی میں گفتگو کرتے ہیں جو زیادہ خوبی اور صفائی کے ساتھ حروف مدعا کو قوم کے ہر حلقہ تک پہنچا سکے، اس میں نہ اجمال و ابہام ہوتا ہے، نہ غیر ضروری طوالت۔'' [1]

1۔امین احسن اصلاحیؒ، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، 01:76

2۔لیکچر:

زبانی تبلیغ کا ایک ذریعہ لیکچر ہے، اس میں کوئی متعین موضوع ترتیب سے جمع کر لیا جاتا ہے۔ یہ ایک علمی بیان ہوتا ہے جو جوش وجذبات سے بالکل عاری ہوتی ہے۔ لیکن وہ ایک متعین موضوع پر مشتمل ہوتا ہے جس میں اس موضوع کے تمام دلائل بیان کیے جاتے ہیں۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر احمد عمر لکھتے ہیں:

''لیکچر دیتے وقت ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ وہ درس ہو، اس میں زائد از ضرورت اور جذباتی گفتگو نہ ہو کیونکہ جذباتی طرزِ گفتگو تقریر میں ہوتا ہے۔ لیکچر کی ایک ضرورت یہ ہے کہ موضوع کے مقدمات اور اس کے نتائج میں سامعین کو شریک رکھا جائے تا کہ جن نتائج پر لیکچر منتج ہوا، سامعین بھی ان نتائج تک پہنچ سکیں''۔ [1]

3۔درس:

درس بھی زبانی تبلیغ کا ایک بہترین ذریعہ ہے، اس لئے کہ درس کے اندر جتنے مخاطبین ہوتے ہیں، داعی حضرات یا داعیات ان کی ضرورتوں اور دلچسپیوں سے واقف ہوتے ہیں اور ساتھ ساتھ ان سامعین کو اپنے معلم یا داعی سے ایک خاص اُنسیت بھی ہوتی ہے۔

اس حوالے سے ابوالفتح البیانونی لکھتے ہیں:

''اکثر درس کی یہ صورت ہوتی ہے کہ قرآن کی آیت یا حدیث یا فقہی مسائل کی تشریح کر دی جائے اور حاضرین کی تعداد مختصر ومحدود ہے تو داعی کو یہ موقع میسر آ جاتا ہے کہ وہ حاضرین کو اچھی طرح نصیحت کر سکے۔ داعی درس کو طویل نہ کرے کیونکہ زیادہ طوالت سے سامعین اکتا جاتے ہیں''۔ [2]

1۔ احمد عمر، ڈاکٹر، الدعوة الاسلامیہ منہجا، مکتبہ غریب الفجالہ، ص:200

2۔ابوالفتح البیانونی، مدخل الی علم الدعوة، مؤسسہ الرسالہ، ص:510

اسی طرح بعض اوقات تربیتی نشستوں کا بھی ایک محلے کی مسجد کی سطح پر یا علاقے کی جامع مسجد کی سطح پر انعقاد کیا جاتا ہے، جس میں مختلف اسکالرز تشریف لاتے ہیں اور دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں، لہٰذا داعیات کو بھی اس میدان کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ عمومی طور پر خواتین کی تربیتی نشستوں کا اہتمام مردوں کے مقابلے میں نسبتاً کم ہے، لہٰذا داعیات کو چاہیے کہ وہ اس سلسلے میں آگے بڑھ کر اپنی خدمات انجام دیں۔

4۔ بحث ومباحثہ یا ٹیبل ٹاک:

کبھی کبھی ایک خاص عنوان کے تحت تیاری کر کے اہل علم حضرات آمنے سامنے گفتگو کرتے ہیں اور اس کو بحث ومباحثہ یا ٹیبل ٹاک کا نام دیا جاتا ہے، لیکن ایک داعی یا داعیہ کو اس سلسلے میں یہ اصول یاد رکھنا چاہیے کہ یہ مباحثہ یا مناظرہ صرف اس نیت سے کیا جائے کہ حق بات کو واضح کیا جائے نہ کہ دل میں فریقِ مخالف کو ہرانے کا یا نیچا دکھانے کا جذبہ ہو۔ اس ضمن میں ڈاکٹر محی الدین رقم طراز ہیں کہ:

> ''بحث ومناظرہ دو یا زیادہ افراد کے درمیان ہوتا ہے اور اس میں ہر فریق اپنی رائے اور نقطہ نظر کی وضاحت کرتا ہے اور جب داعی مخاطب کو اللہ کی جانب بلاتا ہے اور وہ حق کو قبول نہیں کرتا اور داعی سے بحث ومناظرہ پر تیار ہو جاتا ہے، اس صورتحال میں داعی کو سکون واطمینان اور مخاطب پر شفقت ونرمی ترک نہیں کرنی چاہیے۔ اگر مخاطب اپنے باطل پر مصر ہے تو پھر داعی کے لئے مناسب ہے کہ وہ اس سے مزید بحث نہ کرے''۔[1]

5۔ علمی سیمینارز یا کانفرنسز:

آج کل سوشل میڈیا کا دور ہے، تمام شعبہ ہائے زندگی میں جدت آگئی ہے۔ عوام الناس بھی اب بہت حد تک سمجھدار ہوگئی ہے اور بہت سے ایسے نام نہاد اسکالرز سے

1۔ محی الدین، ڈاکٹر، الدعوۃ الاسلامیہ والاعلام الدولی، دار الفکر العربی، قاہرہ، ص:180

جو دینِ حق کی صحیح ترجمانی نہیں کرتے، ان سے متنفر ہو کر ان کو سننا چھوڑ چکے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اب عوام کے لئے علمائے حق کی جانب سے علمی سیمینارز یا کانفرنسز کا اہتمام بہت نچلی سطح تک ہو رہا ہے۔ لوگ اب خصوصی دلچسپی کے ساتھ ان سیمینارز میں شرکت کرتے ہیں لہٰذا عصر حاضر کی داعیات کو چاہیے کہ وہ بالخصوص خواتین کی اصلاح و تربیت کی نیت سے ایسی کانفرنسز کا اہتمام کریں جن میں بالخصوص خواتین کو مدعو کیا جائے، کیونکہ ایک عورت کی اصلاح سے پورا خاندان اصلاح پا جاتا ہے۔ آج کل تو آن لائن سیمینارز اور کانفرنسز بھی ہو رہے ہیں جن میں تمام سامعین اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ کر انٹرنیٹ کے ذریعے ان میں شامل ہو جاتے ہیں لہٰذا بہت زیادہ اخراجات سے بھی داعیات اپنے آپ کو بچاتے ہوئے اس طرح سے تبلیغِ دین کا فریضہ سرانجام دے سکتی ہیں۔

6۔ آن لائن آڈیو یا ویڈیو بیانات:

اسی طرح تبلیغ دین کے ذرائع میں دور حاضر میں ایک جدید اور پر اثر ذریعہ آن لائن ویڈیو بیانات کا ہے جس میں داعی یا داعیہ براہِ راست یا ویڈیو ریکارڈنگ کے ذریعے انٹرنیٹ پر اپنے بیانات پھیلا دیتے ہیں اور عوام الناس جب چاہیں، انٹرنیٹ کا استعمال کر کے ان بیانات کو سن سکتے ہیں۔ لہٰذا داعیات کو بھی چاہیے کہ وہ شرعی پردے کا خیال رکھتے ہوئے اس میدان میں بھی اپنی خدمات سرانجام دیں۔ اگر انٹرنیٹ پر ان کے بیانات میسر ہوں گے تو ہماری وہ خواتین، جو گھریلو مصروفیات کی وجہ سے گھروں سے نہیں نکل سکتیں، وہ بھی ان بیانات سے مستفید ہو سکیں گی۔ چند داعیات اس میدان میں پہلے سے موجود ہیں اور اپنی خدمات سرانجام دے بھی رہی ہیں لیکن یہ تعداد تسلی بخش نہیں، لہٰذا داعیاتِ اسلام کو اس طرف بھی متوجہ ہونا چاہیے۔

تحریری تبلیغ:

قلم و تحریر اور صحافت کے ذریعے تبلیغ، دعوت الی اللہ کی ایک تحریری قسم ہے۔

اس کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔مثلاً خطوط، رسائل، کتابیں وغیرہ۔آجکل دنیا میں کتابوں کی کمی نہیں ہے، ہر گھر میں بلکہ ایک چھوٹے سے مکتب میں بھی کتابوں کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہوتا ہے۔کتاب اور چھپائی کی حیرت انگیز ایجاد نے کتابت کی صنعت کو مزید ترقی دی، آج کی دنیا ایک ترقی یافتہ دنیا ہے، روزانہ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں کتابیں چھپتی ہیں، موجودہ صورت حال کو دیکھتے ہوئے دو چیزیں داعیانِ حق کیلئے نہایت اہم ہیں:

1:...... موجود وسائل وذرائع کو بہتر ڈھنگ سے استعمال کریں، جن کے ذریعے ہم مخاطبین کی شخصیت کی تعمیر کرسکیں اور نئی نسل کی بہتر تربیت کرسکیں۔

2:...... کتابوں کے اس بازار میں جو ظاہری خامیاں ہیں، ان کی اصلاح کریں۔

تحریری دعوت کی چند صورتیں درج ذیل ہیں:

- خطوط اور رسائل
- تصنیف وتالیف
- صحافت

1۔خطوط اور رسائل:

خطوط ورسائل دعوت وتبلیغ کا نہایت ہی مؤثر طریقہ ہے۔رسالہ کبھی تو کسی متعین موضوع پر ایک کتابچہ ہوتا ہے اور کبھی ایک شخص دوسرے کو خطاب کر کے کچھ لکھتا ہے، جس کو خط سے تعبیر کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے بھی از خود دعوت الی اللہ کے سلسلے میں خطوط ورسائل سے مدد لی ہے، آپ ﷺ نے دنیا کے مختلف بااثر لوگوں، بادشاہوں اور حکمرانوں کو دعوتی خطوط لکھے اور تبلیغِ حق کا فریضہ انجام دیا۔لہٰذا ایک داعی یا داعیہ خطوط و رسائل کے ذریعے دعوت کا کام سرانجام دے سکتے ہیں۔خود صحابیاتؓ کی سیرت سے بھی یہ اسلوب ہمیں ملتا ہے۔اس ضمن میں اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا وہ خط مشہور ہے جو انہوں نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت طلب کرنے پر لکھا تھا۔اسی طرح آج کل بعض مدارس یا یونیورسٹیز ماہانہ سطح پر مختلف دعوتی عنوانات کے تحت رسائل کا اجراء بھی کرتے

ہیں، لہٰذا داعیات کو چاہیے کہ وہ بھی اس میدان میں خلوصِ نیت کے ساتھ ایسے رسائل کا اجراء کریں جو بالخصوص خواتین کے معاملات سے متعلق ہوں۔

2۔تصنیف وتالیف:

اس میں کوئی شک نہیں کہ دینی موضوعات پر مشتمل تحریکی ودعوتی کتب کا جو خلاء ہے، اس کا پُر ہونا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہ میدان وسیع اور کھلا ہوا ہے، ضرورت صرف صبر اور احتیاط کی ہے۔اس لیے لازم ہے کہ ہم دین میں گہری بصیرت حاصل کریں۔کسی موضوع پر لکھتے ہوئے اس بات کی کوشش کی جائے کہ ہم اس میں ایسا مواد اکھٹا کریں جو اس سے پہلے کسی اور نے نہ کیا ہو اور اسی طرح اپنی تحریر یا کتاب کو منظر عام پر لانے سے پہلے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اپنے علماء و محققین کے نقطہ ہائے جان لیں تا کہ اس کتاب کو اہلِ علم حضرات کی جانب سے تنقید کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ ایسا مواد اکٹھا کیا جائے جو دعوتی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے سلسلے میں معاون ثابت ہو۔

اس ضمن میں سید قطب شہیدؒ تحریر کرتے ہیں:

"قلم وتحریر کے ذریعے دعوت کی کئی صورتیں ہیں۔مثلاً داعی جن کو دعوت حق دینا چاہتا ہے انہیں خطوط لکھے، کتابیں اور مضامین تحریر کرے، دعوتی مقالات تحریر کرتے وقت اس امر کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ان تحریروں کی زبان سادہ ہو اور لوگ ان کو بخوبی سمجھ سکیں"۔ [1]

لہٰذا عصر حاضر کے داعی یا داعیہ کو چاہیے کہ وہ میدانِ دعوت میں ان باتوں کا خصوصی خیال رکھے۔

3۔صحافت:

فنِ صحافت کی اہمیت میں عالمی پیمانے پر روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، خصوصاً وہ

1۔سید قطبؒ، دعوت کا منہج کیا ہو؟، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ص:283

ممالک جنہیں فکر وعمل کی پوری آزادی ہے، وہ اس میدان میں سب سے آگے ہیں، اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک کامیاب صحافی پوری قوم کی نمائندگی کرتا ہے۔لہٰذا دعوت وتبلیغ کے میدان میں بھی اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا البتہ اس سلسلے میں چند اصول ایک داعی یا داعیہ کو ہمیشہ یاد رکھنے چاہئیں۔

صحافت کے اصول:

اب ہم اسلامی نقطہ نظر سے صحافت کے چند اصول ذکر کرتے ہیں جن کو اپنا کر ایک داعی یا داعیہ صحافت کے میدان میں بھی دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دے سکتے ہیں۔

1۔داعی کو ظلم کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے:

ظلم قیامت کے اندھیروں میں سے ایک اندھیرا ہے، لہٰذا اس گناہ سے خود بھی بچنا اور امت کو بھی اس سے بچانا ایک داعی یا داعیہ کا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ظلم کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ۔[1]

''سب لوگ سن لیں کہ اللہ کی لعنت ہے ان ظالموں پر۔

اسی ضمن میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک ہمہ وقت ایک داعی کے پیشِ نظر رہنا چاہیے جو انہوں نے حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف گورنر بنا کر بھیجتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ۔[2]

1۔سورۃ ھود، 11:18

2۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المظالم والغصب، باب الاتقاء والحذر من دعوۃ المظلوم، رقم الحدیث:2448

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن (کا گورنر بنا کر) بھیجا تو ان سے فرمایا: ''مظلوم کی بددعا سے بچتے رہنا کیونکہ اس کی بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔''

پردہ حائل نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مظلوم کی بددعا بہت جلد قبول ہوتی ہے، چنانچہ امام ابن ابی شیبہؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مظلوم اگرچہ فاجر ہو اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ اپنے فسق کا وبال وہ خود بھگتے گا، بہرحال اس کی دعا مسترد نہیں ہوتی۔''[1]

2۔فحاشی وعریانی کا سدِ باب کرنا چاہیے:

ایک داعی کو معاشرے میں فحاشی وعریانی پھیلانے والوں کا بھی سدِ باب کرنا چاہیے کیونکہ اس کے سدباب کا حکم درحقیقت اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔[2]

''بیشک اللہ انصاف کا، احسان کا، اور رشتہ داروں کو (ان کے حقوق) دینے کا حکم دیتا ہے، اور بے حیائی، بدی اور ظلم سے روکتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو''۔

اسی طرح ایک داعی یا داعیہ کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بے حیائی کا قلع قمع اس لئے بھی کیا جائے کہ دراصل بے حیائی عذاب الٰہی کو دعوت دیتی ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے کہ:

1۔ عبداللہ بن محمد، ابی شیبہ، مصنف ابن ابی شیبہ، 96:10

2۔ النحل، 16:90

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔[1]

"یادرکھو کہ جولوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے"۔

اسی سلسلے میں مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں:

"قرآن حکیم نے فواحش کے انسداد کا خاص نظام بنایا ہے کہ اول اس قسم کی خبر کہیں مشہور نہ ہونے پائے اور شہرت ہو تو ثبوت شرعی کے ساتھ ہو۔ جہاں ثبوت شرعی نہیں ہوگا، وہاں بے حیائی کی خبروں کو چلتا کر دینا اور شہرت دینا اور جرائم پر اقدام کرنے کا موجب ہوتی ہے، جس کا مشاہدہ آج کل کے اخبارات میں روزانہ ہوتا ہے"۔ [2]

3۔ صحافت کے ذریعے کسی کی دل آزاری نہ کی جائے:

اس میدان میں کام کرنے والوں کو یہ بات یادرکھنی چاہیے کہ ان کی کسی تحریر یا تقریر سے کسی مخاطب کو یہ محسوس نہیں ہونا چاہیے کہ اس کا مذاق اڑایا جارہا ہے یا کسی کی دل آزاری نہ ہو۔ ایک داعی یا داعیہ کو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یادرکھنا چاہیے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔[3]

1۔ النور، 24:19
2۔ شفیع عثمانیؒ، مفتی، معارف القرآن، 06:380
3۔ الحجرات، 49:11

"اے ایمان والو! نہ تو مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ (جن کا مذاق اڑا رہے ہیں) خود ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ (جن کا مذاق اڑا رہی ہیں) خود ان سے بہتر ہوں۔ اور تم ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو، اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا بہت بری بات ہے۔ اور جو لوگ ان باتوں سے باز نہ آئیں تو وہ ظالم لوگ ہیں"۔

ان آیات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ صحافت کے میدان میں کام کرنے والے اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ کسی کی بلاوجہ دل آزاری نہ ہو بلکہ یہ کوشش ہونی چاہیے کہ صحافت کے ذریعے تعمیر سیرت اور دعوت الی اللہ کا کام ہو۔ ایک داعی صحافی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اچھائی کی دعوت دیں اور برائی سے روکیں، لیکن کسی کی برائی تلاش کرنے کا کام ان کے لیے مفید نہیں ہے اور نہ وہ کسی کے نجی معاملات میں تجسس کرے۔ قرآن مجید میں اس سے بھی منع کیا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ۔[1]

"اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور کسی کی ٹوہ میں نہ لگو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو خود تم نفرت کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، بہت مہربان ہے"۔

اسی ضمن میں سید عامر نجیب لکھتے ہیں:

1۔ الحجرات، 49:12

"لوگوں کے راز نہ ٹٹولو، ایک دوسرے کے عیب تلاش نہ کرو، دوسروں کے حالات اور معاملات کی ٹوہ نہ لگاتے پھرو، کسی کے ذاتی معاملات کو ٹٹولنا ایک بڑی بداخلاقی ہے"۔ [1]

4۔ بلا تحقیق کوئی خبر یا بات شائع نہ کی جائے:

صحافت کے اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ کوئی خبر بغیر تحقیق کے شائع نہ کریں، اگر وہ خبر واقعی سچی ہے تو اسے شائع کیا جائے اور اس میں کوئی ایسا پہلو ضرور رکھیں جس سے دعوت کا پہلو نکلتا ہو۔ مثلاً عبرت یا رغبت وغیرہ۔ کیونکہ بغیر تحقیق کے بات کرنا حکمِ الٰہی کی بھی خلاف ورزی ہے، جیسا کہ سورہ حجرات ہی میں اللہ تعالیٰ مومنین کو حکم فرماتے ہیں کہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ جَآءَكُمۡ فَاسِقٌ ۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوۡۤا اَنۡ تُصِيۡبُوۡا قَوۡمًا ۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصۡبِحُوۡا عَلٰى مَا فَعَلۡتُمۡ نٰدِمِيۡنَ۔ [2]

"اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے، تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نادانی سے کچھ لوگوں کو نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کئے پر پچھتاؤ"۔

5۔ لوگوں کو بلیک میل نہ کیا جائے:

صحافت کو اسلامی تناظر میں اگر دیکھا جائے تو اس کا ایک اہم اصول یہ بھی ہے کہ لوگوں کی کسی برائی یا مجبوری سے فائدہ اٹھا کر ان کو بلیک میل نہیں کرنا چاہیے بلکہ ایسی صورت میں اسلام ہمیں پردہ پوشی کا حکم دیتا ہے۔ ایک داعی یا داعیہ کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے عیوب پر پردہ ڈالتے ہوئے ان کو حکمت کے

1۔ عامر نجیب، دعوتی تحریک۔ضرورت اور طریقہ کار، الصراط پبلشرز 7 ناظم آباد، کراچی، ص:45
2۔ الحجرات، 49:06

ساتھ نصیحت کرنے کا حکم دیا ہے بلکہ اس ضمن میں تو اس حد تک احتیاط کی گئی ہے کہ کسی کی غیبت تک کرنے سے منع کیا گیا ہے چہ جائیکہ اس کے عیوب کو سرِعام اچھالا جائے اور اخبارات کی زینت بنایا جائے یا پھر اس کو ان عیوب کی بنیاد پر بلیک میل کر کے اس سے فائدہ حاصل کیا جائے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اجۡتَنِبُوۡا كَثِيۡرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوۡا وَلَا يَغۡتَبْ بَّعۡضُكُمۡ بَعۡضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمۡ اَنۡ يَّاۡكُلَ لَحۡمَ اَخِيۡهِ مَيۡتًا فَكَرِهۡتُمُوۡهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيۡمٌ۔ [1]

"اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور کسی کی ٹوہ میں نہ لگو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو خود تم نفرت کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، بہت مہربان ہے"۔

اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی غیبت سے منع کیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ کی ایک مبارک حدیث اس ضمن میں ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَتَدْرُونَ مَا الْغِيبَةُ؟ قَالُوا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ، قِيلَ أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ، قَالَ إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ فَقَدْ بَهَتَّهُ۔ [2]

"سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم جانتے ہو

1۔ الحجرات، 49:12
2۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم الغیبۃ، رقم الحدیث: 6593

غیبت کیا ہے؟'' لوگوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔
آپ ﷺ نے فرمایا: ''غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا ذکر کرے اس طرح پر کہ (اگر وہ سامنے ہو تو) اس کو ناگوار ہو''۔ لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! اگر ہمارے بھائی میں وہ عیب موجود ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب ہی تو غیبت ہوئی، نہیں تو بہتان اور افترا ہے۔''

یعنی اگر کسی مسلمان میں کوئی عیب موجود بھی ہے تو ایسی صورت میں بھی اس کی غیر موجودگی میں اس کا تذکرہ کرنے سے اسلام نے منع کیا ہے۔ لہٰذا اس شخص کے ان عیوب کو صرف اسی کے سامنے اس حکمتِ عملی کے ساتھ پیش کیا جائے کہ گناہ گار سے گناہ گار شخص بھی تائب ہو کر اپنی اصلاح کر لے۔

عمل کے ذریعے دعوت:

دعوت وتبلیغ کا تیسرا ذریعہ عمل ہے کہ داعی اپنے کردار اور عمل کو اتنا اعلیٰ اور اچھا بنائے کہ لوگ اس کے طرزِ زندگی کو دیکھ کر متاثر ہو جائیں اور دعوتِ الٰہی کو خود بخود قبول کرتے چلے جائیں۔ صحابیاتؓ کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ وہ عوام کے درمیان اپنے اخلاق وعادات اور مضبوط کردار کی وجہ سے ضرب المثل ہوتی تھیں، اس لیے عصر حاضر کی داعیہ کی سب سے پہلی ذمہ داری اپنی ذات کی اصلاح ہے اور پھر اپنی شخصیت کو عوام کے سامنے نمونے کے طور پر پیش کر کے دعوت دینا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جب دعوت کا آغاز کیا تو سب سے پہلے مشرکینِ مکہ کے سامنے اپنا کردار پیش کیا اور کردار ایسا تھا کہ شدید دشمن بھی آپ ﷺ کو صادق اور امین کہتے تھے۔ خود اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی مبارک ذات کو امت کے لئے آئیڈیل اور قابلِ تقلید قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ

وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۔[1]

''حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ سے اور یوم آخرت سے امید رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو''۔

اس ضمن میں مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

''داعی دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک صاحبِ عمل اور ایک غیر صاحبِ عمل، اول دعوت تو احسن ہے جبکہ بے عمل داعی کی دعوت غیر احسن ہے۔ مشاہدہ ہے کہ اگر ناصح خود عمل نہ کرے تو اس کی نصیحت میں اثر نہیں ہوتا، عمل وہ چیز ہے جس کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا ہے''۔[2]

اسی طرح عبدالبدیع لکھتے ہیں:

''دعوت الی اللہ کا سب سے مؤثر اور مفید ذریعہ خود داعی حق کی شخصیت، اس کے افعالِ حمیدہ اور اس کی سیرت عالیہ ہیں جو لوگوں کے لئے نمونہ ہو، حقیقت یہ ہے کہ عمل کی تاثیر کلام کی تاثیر سے زیادہ گہری اور بلیغ ہوتی ہے''۔[3]

ویسے بھی ایک فطری بات ہے کہ جب سامع یہ دیکھتا ہے کہ نصیحت کرنے والا بذاتِ خود اس بات پر عمل نہیں کر رہا تو ایسی صورت میں اس کے اپنے دل میں بھی وہ نصیحت زیادہ اثر انداز نہیں ہوتی۔ اسی بات کو قرآن کریم نے یوں بیان کیا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ بات نہ کریں کہ جس پر وہ خود عمل نہیں کرتے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

1۔ الاحزاب، 33:21

2۔ تھانوی، مولانا اشرف علی، الدعوات الی اللہ، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ص:29

3۔ عبدالبدیع صقر، کیف ندعوا الناس، الدار العالمیہ، ریاض، ص:156

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ. كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ.[1]

''اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں؟ اللہ کے نزدیک یہ بات بڑی قابل نفرت ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کرو نہیں''۔

لہٰذا ایک داعی یا داعیہ کو اپنا کردار سب سے پہلے عوام الناس کے سامنے بطور مثال پیش کرنا چاہیے، اس کے بعد ان کو دعوت الی اللہ کی طرف راغب کرنا چاہیے، اس بات سے اس داعی کے کلام میں تاثیر بھی زیادہ ہوگی اور سامعین پر بھی گہرا اثر پڑے گا۔

جدید ذرائع ابلاغ اور دعوت وتبلیغ:

بیسویں صدی درحقیقت سائنس اور ٹیکنالوجی کی صدی ہے۔ اس صدی کے اوائل سے سائنس کی انقلابی ایجادات نے تہلکہ مچا رکھا ہے اور نت نئی ایجادات ہو رہی ہیں۔ ان ایجادات نے زندگی کے تمام شعبہ جات کو متاثر کیا ہے۔ روزمرہ زندگی میں کام کرنے والی اشیاء زندگی کا لازمی بن گئی ہیں۔ انٹرنیٹ، ریڈیو، ٹی۔وی، وی۔سی۔آر، ٹیپ ریکارڈر، موبائل فون اور الیکٹرانکس نے تمام ٹیکنالوجی کی دنیا میں اپنا لوہا منوالیا ہے۔ آدھی سے زیادہ دنیا اس وقت گلوبل ویلیج کی شکل اختیار کر کے انٹرنیٹ کی بدولت ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، 4۔جی (4G) اور اب اس کے بعد 5۔جی (5G) نے دنیا کے تمام فاصلے مٹا دیئے ہیں۔ سمندر پار رہنے والے لوگ بھی اب ایک دوسرے کے پل پل کے حالات سے باخبر رہتے ہیں۔ لہٰذا ایسی صورت میں ایک داعی یا داعیہ کو انٹرنیٹ سمیت جدید ذرائع ابلاغ کی اہمیت کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔ اس حوالے ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی کہتے ہیں:

''آج کا دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے، دنیا میں نت نئے ایجادات

1۔ الصّف، 61: 03-02

روز کا معمول بن گیا ہے، جس کے نتیجے میں زندگی کے تمام شعبوں میں غیر معمولی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ کل تک بادشاہوں اور حکمرانوں کو باخبر رکھنے کے لئے ہرکاروں اور وقائع نگاروں کا اہتمام کیا جاتا تھا اور حالات وواقعات سے صرف اہلِ اقتدار ہی مستفید ہوتے تھے لیکن آج کے دور نے ابلاغ کے تمام ذرائع کو ہر امیر غریب کے گھر تک پہنچا دیا ہے''۔[1]

اب ہم ان ذرائع ابلاغ کو الگ الگ بیان کرتے ہیں۔

1۔ دعوت وتبلیغ کے لیے ریڈیو کا استعمال:

دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں ریڈیو سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اس کام کے لیے الگ ریڈیو سٹیشن قائم کرسکتے ہیں اور اس کے قیام کے دوران اس بات کا اہتمام ہونا چاہیے کہ مفید اور عام فہم پروگرام سامعین کو سنائے جائیں اور ہر ماہ اور ہر موسم کے خاص حالات کے متعلق احکام ومسائل کو بیان کیا جائے۔

ریڈیو کے بارے میں مفتی محمد شفیع عثمانیؒ لکھتے ہیں:

''ریڈیو کا استعمال اگرچہ عام حکومتوں اور عوام کی بدمذاقی سے مخرب اخلاق اور غیر مشروع چیزوں میں زیادہ تر کیا جا رہا ہے، لیکن خبروں اور دوسری مفید اور جائز معلومات کا درجہ بھی اس میں خاص اہمیت رکھتا ہے''۔[2]

اسی طرح مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ دعوت وتبلیغ کے لیے ریڈیو اسٹیشن کے قیام پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''موجودہ دور میں ریڈیو اسٹیشن کی یہی حیثیت ہے جو ایک نشر واعلام کا آلہ ہے، جس کا استعمال برائی کے لئے بھی کیا جا سکتا ہے اور بھلائی کے لئے بھی۔ اس کے ذریعے دینی پروگرام پیش کئے جائیں، ملی غیرت بیدار کرنے

1۔ لیاقت علی نیازی، ڈاکٹر، اسلام کا قانونِ صحافت، 130:01

2۔ عثمانیؒ، محمد شفیع، مفتی، آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ادارہ المعارف، کراچی، ص:17

اور صالح ومثبت فکر کی تعمیر کرنے کے لئے استعمال کیا جائے تو ایسے مقاصد کے لئے ریڈیو اسٹیشن قائم کرنا مستحب اور مستحسن ہوگا''۔ [1]

2۔دعوت وتبلیغ کے لیے ٹی-وی کا استعمال:

اس ٹیکنالوجی سے فائدہ اٹھا کر ایک داعی یا داعیہ دعوت الی اللہ کا کام بہترین انداز میں کرسکتے ہیں اور بلاشبہ اس کا استعمال آج بہت سے مذہبی اسکالرز دعوت کے لئے کر بھی رہے ہیں۔اس معاملے میں ٹی-وی کو چند خصوصیات حاصل ہیں جن کو ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

- اندرونِ ملک اسلامی خبروں اور حالات حاضرہ سے باخبر رہنا
- بیرونِ ملک اسلامی خبروں اور عالمی حالاتِ حاضرہ سے باخبر رہنا
- امت مسلمہ سے متعلق اہم خبروں، حالات وحادثات کی ویڈیوز کو براہِ راست دیکھنا
- دنیا بھر کے ممتاز اور جید علماء اوا سکالرز کے بیانات سے براہِ راست مستفید ہونا

ان خصوصیات کی وجہ سے یہ بات مانی جا چکی ہے کہ ٹی-وی نے آج کی دنیا پر اپنا تسلط قائم کرلیا ہے۔ٹی-وی پر چلنے والی خبریں کچھ اس انداز میں پیش کی جاتی ہیں کہ سامعین کو ان کی سچائی میں ذرہ برابر بھی شک نہیں رہتا لیکن دوسری طرف اس کے نقصانات میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے، کیونکہ ٹی-وی کے تعلیمی وتربیتی اور معلوماتی پروگرام بے حیائی اور فحاشی کی گندگیوں (اشتہارات) سے خالی نہیں ہیں۔اسی (ٹی-وی) کے ذریعے ہی ملٹی نیشنل کمپنیز تجارت کی بلندیوں پر پہنچی ہیں۔ٹی وی کے جواز کے سلسلے میں ایک بات یہ کی جاتی ہے کہ ہم ٹی-وی رکھیں گے لیکن اس پر تفریحی پروگرام، فلم، سیریل، ناچ گانا نہیں دیکھیں گے، لیکن ایسی صورت میں ان حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان میں نسبتاً کم لیکن تمام خرابیاں موجود ہیں۔عرب کے اکثر علماء ٹیلی ویژن کی تصویر کو

1۔ یوسف لدھیانویؒ، مولانا، آپ کے مسائل اور ان کا حل، دار المعارف، کراچی، 08:258

تصویر کے حکم میں نہیں مانتے، اس لیے وہ ٹیلی ویژن پر ہر اس پروگرام کو جائز سمجھتے ہیں، جس میں کوئی قباحت اور غیر شرعی افعال نہ ہوں اور یہی وجہ ہے کہ وہ اس ذریعہ سے تبلیغِ دین اور درس وتدریس کو جائز سمجھتے ہیں بلکہ بالفعل اس میں حصہ بھی لیتے ہیں، ان علماء کرام میں علامہ یوسف قرضاوی، شیخ صالح فوزان، شیخ ابراہیم الشریم جیسے نام قابل ذکر ہیں۔

3۔دعوت وتبلیغ کے میدان میں انٹرنیٹ کی اہمیت:

جس طرح اخبار، کتب، رسالے، ٹی-وی وغیرہ ابلاغ کے ذرائع ہیں ایسے ہی انٹرنیٹ دورِ حاضر کا سب سے جدید اور تیز ترین ذریعہ ابلاغ ہے۔ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہماری صدی انٹرنیٹ کی صدی ہے۔انٹرنیٹ اپنے خیالات کو پھیلانے اور مختلف مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا ایک آلہ ہے، اس پر باطل اقوام کی اجارہ داری ہونے کی وجہ سے اس کو بسا اوقات اسلام کے خلاف استعمال کیا جاتا ہے لیکن صرف اسی بات پر اسے شجرممنوعہ قرار دینا درست نہیں ہے، بلکہ ہمیں چاہیے کہ ہم اس کے ذریعے متلاشیانِ حق کو صحیح غذا پہنچانے کا بندوبست کریں۔لہٰذا ایک داعی یا داعیہ کے لئے اس کا استعمال نہ صرف درست ہے بلکہ یہ دعوت وتبلیغ کا ایک مؤثر ذریعہ بھی ہے۔یہ بات مانی جا چکی ہے کہ سوشل میڈیا کے انسانی زندگی پر بے شمار اثرات ہوتے ہیں، ہر عمر کے انسان، چاہے وہ بچہ ہو، جوان ہو یا پھر بوڑھا ہو، سوشل میڈیا ان کی زندگی میں بہت سی تبدیلی لا سکتا ہے۔ لہٰذا اس میدان میں بھی دعوت کا کام فائدے سے خالی نہیں۔

انٹرنیٹ پر دعوت کا کام مختلف طریقوں سے ہوسکتا ہے:

4۔فیس بک:

عصرِ حاضر میں فیس بک ایک ایسا پلیٹ فارم ہے جس پر دنیا کی ایک بڑی تعداد (مسلم وغیر مسلم) موجود ہیں۔فیس بک پر اسلامی عنوانات سے اپنے ویڈیو بیانات اور مختلف موضوعات پر اپنی تحریرات اور کالمز سے عوام الناس کو مستفید کیا جاسکتا ہے، جیسا

کہ آج کل بہت سے اسکالرز (داعی اور داعیات) اس طرح سے دعوت الی اللہ کا کام کررہے ہیں۔ فیس بک کا استعمال عصرِ حاضر میں تقریباً ہر طبقہ ہائے زندگی کے افراد کرتے ہیں، امیر وغریب سبھی اس وقت اسمارٹ فونز کی مدد سے فیس بک کا استعمال کرتے ہیں، اس لئے ایک داعی یا داعیہ اگر اس پلیٹ فورم پر کام کریں گے تو ان کی دعوت تقریباً ہر خاص وعام تک پہنچے گی اور اس میں سامعین کو زیادہ تردد بھی نہیں کرنا پڑے گا۔

5۔ٹویٹر:

ٹویٹر بھی اس وقت دعوت کے لئے ایک موزوں ترین ذریعہ ہے۔ دنیا بھر کے لاکھوں لوگ ٹویٹر پر ہمہ وقت موجود ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کے اور بالخصوص عرب کے نامور علماء اور اسکالرز ٹویٹر کے ذریعے دعوت الی اللہ کا فریضہ بخوبی سرانجام دے رہے ہیں۔ لہٰذا پاکستان میں موجود داعی حضرات اور داعیاتِ اسلام کو بھی اپنی توجہ اس طرف مرکوز کرنی چاہیے۔ البتہ ٹویٹر کے معاملے میں یہ بات ایک داعی یا داعیہ کو یاد رکھنی چاہیے کہ اس کا استعمال عمومی سطح پر اتنا نہیں ہے جتنا اشرافیہ کے اندر ہے۔ دنیا کے تمام بااثر افراد اس وقت ٹویٹر پر موجود ہیں اور اس کے ذریعے تمام دنیا سے رابطہ استوار کئے ہوئے ہیں، لہٰذا ٹویٹر اس اعتبار سے فائدہ مند ہوسکتا ہے کہ اشرافیہ تک دعوتِ حق پہنچائی جاسکتی ہے اور ان کو دین اسلام سے صحیح معنوں میں روشناس کروایا جاسکتا ہے۔

6۔واٹس ایپ:

عصرِ حاضر میں واٹس ایپ بھی فیس بک کی طرح ایک ایسی سہولت ہے، جو امیر و غریب تمام ہی استعمال کرتے ہیں۔ اگر ایک داعیہ واٹس ایپ گروپ بنا کر اس میں مختلف خواتین کو شامل کرلے تو تمام خواتین بیک وقت اس داعیہ کے اصلاحی بیانات اور دیگر دعوتی مواد سے مستفید ہوسکتی ہیں۔ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ وقت کا تعین اس میں ضروری نہیں ہے بلکہ کسی بھی وقت میں داعیہ اپنے اوقات میں سے وقت نکال کر اس میں معلوماتی مواد

مہیا کرسکتی ہے، اس وقت بے شمار واٹس ایپ گروپس ایسے ہیں جو آن لائن درس وتدریس، حفظِ قرآن اور ناظرہ اور آن لائن دار الافتاء جیسی دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ داعیات کو بھی اس طرف توجہ کرنی چاہیے کہ یہ سب سہولیات خواتین کے لئے بھی مہیا کی جاسکیں، تاکہ مردوں کے ساتھ ساتھ گھریلو خواتین بھی ان سے مستفید ہوسکیں۔

7۔یوٹیوب:

یوٹیوب پر اپنا دینی چینل بنا کر اس میں اپنے ویڈیو بیانات اور اصلاحی دروس کو ڈال دیا جائے تو لوگ انٹرنیٹ کی مدد سے ان تک دسترس حاصل کرسکتے ہیں۔ اس پلیٹ فورم پر بھی بے شمار علماء اور اسکالرز دعوت وتبلیغ کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ لہٰذا داعیات کو بھی اپنی توجہ اس طرف مرکوز کرنی چاہیے۔ عمومی طور پر وہ گھریلو خواتین جو اپنی گھریلو مصروفیات کی وجہ سے گھر سے باہر جا کر کسی باقاعدہ مکتب کے ذریعے درس و تدریس نہیں کرسکتیں، وہ یوٹیوب کے ذریعے گھر بیٹھ کر اسلامی معلومات حاصل کرسکتی ہیں۔ ویسے بھی دیکھا گیا ہے کہ خواتین کسی بھی معاملے میں رہنمائی لینے کے لئے سب سے پہلے یوٹیوب کا دروازہ ہی کھٹکھٹاتی ہیں، جیسا کہ مختلف انواع واقسام کے کھانے بنانے کی ترتیب وغیرہ عام طور پر عورتیں یوٹیوب سے سیکھتی ہیں، لہٰذا اگر یوٹیوب پر ان کے لئے دعوتی واصلاحی مواد مہیا کردیا جائے تو یقیناً وہ اس سے بھی مستفید ہوں گی۔ ایک داعیہ کو چاہیے کہ وہ اس حوالے سے غور وفکر کرے۔

دعوت کے اہداف جو ایک داعیہ کے پیشِ نظر رہنے چاہئیں:

داعیات کو دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے مختلف اہداف کو بھی سامنے رکھنا چاہیے۔ بنیادی طور پر امتِ مسلمہ کو دین کی تبلیغ کرنے کے علاوہ دیگر بہت سے ایسے اہداف ہیں، جو ایک داعیہ کے پیشِ نظر ہونے چاہئیں۔ ہم یہاں دعوت کے چند اہداف کا اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں:

1۔ امت مسلمہ میں اتحاد و اتفاق کو پیدا کرنا:

اگر ایک طائرانہ نگاہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے موجودہ احوال پر ڈالی جائے تو ہمیں پتہ چلے گا کہ فلسطین سے لے کر برما اور کشمیر تک دنیا کے ہر خطہ میں مسلم قوم تاریخ کے بدترین دور سے گزر رہی ہے۔ مسلمان کا خون پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے اور پھر اس پر ظلم یہ کہ کسی بھی عالمی نظام انصاف کے پلیٹ فورم سے مسلمانوں کے حق میں کوئی آواز بلند نہیں ہوتی۔ امت مسلمہ کی جان، مال، عزت و آبرو کو بالکل بھی تحفظ نہیں ہے۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ ایسی صورتحال سے مسلم امہ بذاتِ خود بہت حد تک ناواقف ہے۔ مسلمان خود مسلمانوں کے حالات سے ناآشنا ہیں جس کی ایک بڑی وجہ مسلمانوں کی آپس کی رنجشیں اور بے حسی ہے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے امت مسلمہ کی باہمی محبت اور اتحاد کی مثال دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ، يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا۔ [1]

حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے ایک عمارت کے مانند ہے، جس کی ایک (اینٹ) دوسری (اینٹ) کو مضبوط کرتی ہے''۔

اسی طرح امت مسلمہ کی باہمی محبت اور اتحاد کے بارے میں صحیح مسلم ہی کی ایک روایت ہے کہ:

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا

1۔ مسلم، الجامع الصحيح، كتاب البر و الصلة والآداب، باب تراحم المومنين و تعاطفهم و تعاضدهم، رقم الحدیث: 6585

اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى۔ [1]

''سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومنوں کی مثال ان کی دوستی اور اتحاد اور شفقت میں ایسی ہے جیسے ایک بدن کی (یعنی سب مؤمن مل کر ایک قالب کی طرح ہیں) بدن میں جب کوئی عضو درد کرتا ہے تو سارا بدن اس میں شریک ہو جاتا ہے، نیند نہیں آتی، بخار آ جاتا ہے''۔

لیکن آج امت مسلمہ اس قدر بے حس کیوں ہو چکی ہے؟ بحیثیت قوم کیوں مسلمان ایک دوسرے سے ناآشنا ہو گئے؟ شاید اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کسی شاعر نے کہا تھا:

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے

ایک داعی یا داعیہ کو دورانِ تبلیغ اس بات کی طرف بھی توجہ ملحوظ خاطر رکھنی ہے کہ وہ امت مسلمہ میں یہ جذبہ دوبارہ سے ابھار سکے۔ ان میں یہ احساس دوبارہ سے پیدا کر سکے کہ ہم مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں اور ہمیں باہمی اتحاد اور محبت کی فضا کو دوبارہ سے قائم کرنا ہے۔ ایک داعیہ کا فرض ہے کہ وہ امت مسلمہ بالخصوص خواتین اسلام کو صحابیاتؓ کی مبارک زندگیوں سے متعارف کروائے اور انہیں علامہ اقبالؒ کے اس پیغام کی طرف متوجہ کروائے کہ: [2]

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبّر بھی کیا تُو نے
وہ کیا گردُوں تھا تُو جس کا ہے اک ٹُوٹا ہوا تارا

1۔ مسلم، الجامع الصحيح، كتاب البر و الصلة والآداب، باب تراحم المومنين و تعاطفهم و تعاضدهم، رقم الحدیث: 6586

2۔ محمد اقبالؒ، علامہ، بانگِ درا، خطاب بہ جوانانِ اسلام، ص: 166، الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبّت میں
کُچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا
تمدّن آفریں ، خلّاقِ آئینِ جہاں داری
وہ صحرائے عرب یعنی شتربانوں کا گہوارا
گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ مُنعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا
غرض مَیں کیا کہُوں تجھ سے کہ وہ صحرانشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا
اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیّل سے فزوں تر ہے وہ نظّارا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تُو گُفتار وہ کردار ، تُو ثابت وہ سیّارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثُریّا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مسلّم سے کوئی چارا
مگر وہ عِلم کے موتی ، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

یہی وہ نظریہ ہے جو ایک داعیہ کو اپنی امت کے سامنے پیش کرنا ہے۔ تاکہ وہ اپنا کھویا ہوا مقام واپس لے سکیں۔ امت کو یہ بات باور کروانا ایک داعیہ کا فرض ہے کہ ہم جب تک اپنے اسلاف بالخصوص صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کے نقش قدم پر نہیں چلیں گے، ذلت ورسوائی ہمارا مقدر بنی رہے گی۔

2۔ امت کو ''وہن'' کی بیماری سے نجات دلانا:

ایک داعی یا داعیہ کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ امت مسلمہ میں یقین محکم، عمل صالح، خوفِ الٰہی اور فکر آخرت کا شعور اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی باقاعدہ دعوت دینے کی ضرورت ہے کہ امت اپنے دل ودماغ سے ''وہن'' کی بیماری کو یعنی دنیا کی محبت اور موت کی ناپسندیدگی یا کراہت کو ختم کردے، کیونکہ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے، موت کی ناپسندیدگی بزدلی اور غیروں کی غلامی کا سبب بنتی ہے۔ جب ہم اس بیماری سے نجات پا جائیں گے تو اس کے نتیجے میں بہت سی مشکلات پر قابو پانا آسان ہو جائے گا۔ وہن کیا ہے اور اس کے کیا نقصانات ہیں، اس بات کو سمجھنے کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُوشِكُ الْأُمَمُ أَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ إِلَى قَصْعَتِهَا. فَقَالَ قَائِلٌ: وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ: بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ، وَلَكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ! وَلَيَنْزَعَنَّ اللهُ مِنْ صُدُورِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ، وَلَيَقْذِفَنَّ اللهُ فِي قُلُوبِكُمُ الْوَهْنَ. فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَمَا الْوَهْنُ؟ قَالَ: حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ.[1]

''ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قریب ہے کہ دیگر قومیں تم پر ایسے ہی ٹوٹ پڑیں جیسے کھانے والے پیالوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں'' تو ایک کہنے والے نے کہا: کیا ہم اس وقت تعداد میں کم ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ تم اس وقت بہت ہو گے، لیکن تم سیلاب کی جھاگ کے مانند ہو گے، اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کے سینوں سے تمہارا خوف نکال دے گا،

1۔ ابوداود، سنن، كِتَابُ الْمَلَاحِمِ، بَابٌ فِي تَدَاعِي الْأُمَمِ عَلَى الْإِسْلَامِ، رقم الحديث: 4297

اور تمہارے دلوں میں ''وہن'' ڈال دے گا''۔ تو ایک کہنے والے نے کہا: اللہ کے رسول! ''وہن'' کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ دنیا کی محبت اور موت کا ڈر ہے''۔

3۔ امت مسلمہ میں حصولِ علم کا جذبہ پیدا کرنا:

ایک شاعر نے کیا خوب کہا تھا:

حیرت ہے کہ تعمیر و ترقی میں ہے پیچھے
جس قوم کا آغاز ہی ''اقراء'' سے ہوا تھا

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہم ایک ایسی امت ہیں کہ جن کے نبی ﷺ کو استاد اور معلم بنا کر مبعوث کیا گیا لیکن اس کے باوجود آج ہماری امت تعمیر و ترقی تو ایک طرف، بنیادی دینی تعلیم سے بھی نابلد ہے۔ لوگوں کو بنیادی پاکی و ناپاکی، حلال و حرام، نماز و روزے کے احکام تک بھی معلوم نہیں ہیں۔ لہٰذا ایک داعی یا داعیہ کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اس عنوان پر پوری توجہ کے ساتھ کام کرے۔ حصولِ علم کا جذبہ لوگوں میں بیدار کرے تاکہ لوگ بالخصوص خواتین بنیادی ضروریاتِ دین کو جان لیں۔ قرآن نے بھی اہلِ علم اور ان پڑھ کو برابر قرار نہیں دیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ۔[1]

''کہو کہ: کیا وہ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے سب برابر ہیں؟ (مگر) نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں''۔

اسی طرح ایک داعیہ کا فرض ہے کہ وہ مخاطبین کو بتائے کہ حصولِ علم کا حکم ہمیں ہمارے پیارے نبی اور رسول ﷺ نے بھی دیا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

1۔ الزمر، 39:09

''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ''۔[1]

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''علم طلب کرنا ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے''۔

لہٰذا ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے کہ وہ حصولِ علم کے لئے اپنے آپ کو تیار کرے۔ یہی جذبہ ان لوگوں میں بیدار کرنا دراصل ایک داعیہ کی ذمہ داری ہے۔

4۔ امت سے سستی و کاہلی اور عیش پسندی کا خاتمہ کرنا:

اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ جو قوم خود سست اور کاہل ہو جاتی ہے اور عیش پسندی میں مبتلا ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اس قوم کے حالات کبھی بھی ٹھیک نہیں کرتے، بلکہ انسان کو سب سے پہلے خود ہمت کرنی پڑتی ہے۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کچھ یوں بیان کیا ہے:

لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ۗ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ ۚ وَمَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَالٍ۔[2]

''ہر شخص کے آگے اور پیچھے وہ نگران (فرشتے) مقرر ہیں جو اللہ کے حکم سے باری باری اس کی حفاظت کرتے ہیں، یقین جانو کہ اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے حالات میں تبدیلی نہ لے آئے اور جب اللہ کسی قوم پر کوئی آفت لانے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کا ٹالنا ممکن نہیں، اور ایسے لوگوں کا خود اس کے سوا کوئی رکھوالا نہیں ہو سکتا''۔

اسی بات کو مولانا ظفر علی خان نے کچھ یوں بیان کیا تھا کہ:

1۔ ابن ماجہ، سنن، کتاب السنہ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، رقم الحدیث: 224
2۔ الرعد، 13:11

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

امت مسلمہ کے مسائل میں سے ایک اور بڑا مسئلہ ہماری اجتماعی اور انفرادی سستی، کاہلی اور عیش پرستی بھی ہے، لہٰذا ایک داعی یا داعیہ کو اپنے دعوت کے اہداف میں یہ بھی شامل کرنا ہے کہ وہ امت مسلمہ کو دوبارہ سے فکری وجسمانی طور پر بیدار کریں کیونکہ حد سے زیادہ جسمانی عیش وآرام بھی درحقیقت سستی وکاہلی کا سبب بن جاتے ہیں۔ آج ہمارا المیہ یہ ہے کہ بوڑھے تو بوڑھے، جوان بھی سستی وکاہلی کی بدولت جسمانی قوت وطاقت بہت حد تک کھو چکے ہیں اور لغویات نے انہیں کہیں کا نہیں چھوڑا، لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ جوانوں میں دوبارہ سے جوش وجذبہ اور ایک تحریک پیدا کی جائے اور انہیں یہ سمجھایا جائے کہ بہترین اور طاقتور جسم ہی ایک طاقتور دماغ کو پیدا کرتا ہے۔ یہ حدیث رسول ﷺ اس سلسلے میں ہمیشہ ایک داعی کے سامنے رہنی چاہیے کہ:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ احْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ وَلَا تَعْجِزْ فَإِنْ غَلَبَكَ أَمْرٌ فَقُلْ قَدَرُ اللَّهِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ وَإِيَّاكَ وَاللَّوْ فَإِنَّ اللَّوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ۔[1]

”حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: ”کمزور مومن کی نسبت طاقتور مومن بہتر ہے اور اللہ کو زیادہ پیارا ہے۔ اور سب میں خیر موجود ہے۔ جو چیز تجھے نفع دے سکتی ہے اس کی (کوشش اور) حرص کر اور عاجز نہ بن۔ اگر تجھ پر (تیری مرضی کے خلاف) کوئی چیز غالب آجائے تو کہہ: یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ اس نے جو چاہا کیا۔ (لفظ لَوْ) ”اگر“ سے بچ کیونکہ ”اگر“ سے شیطان کا کام شروع ہوجاتا ہے“۔

1۔ ابن ماجہ، سنن، کتاب بالزھد، باب التوکل والیقین، رقم الحدیث:4168

فطری بات ہے کہ ایک طاقتور مومن اپنی ذہنی اور جسمانی قوتوں کو نیک کاموں کی انجام دہی، نیکیوں کے فروغ اور برائیوں کی راہ روکنے میں خرچ کرتا ہے جب کہ کمزور آدمی بہت سے ایسے کام نہیں کرسکتا جو طاقت ور آدمی انجام دے سکتا ہے۔ اس لحاظ سے طاقت ور مومن کمزور سے بہتر ہے۔ لہٰذا یہ ایک داعی یا داعیہ کا فرض ہے کہ وہ اس انفرادی اور اجتماعی کمزوری کا احساس کریں اور اس کی اصلاح کے لئے کوشش کریں۔

5۔ امت مسلمہ سے احساس کمتری کو ختم کرنا:

آج المیہ یہ ہے کہ امت کا ایک بڑا طبقہ غیروں کی ٹیکنالوجی اور قوت اور طاقت دیکھ کر ان سے خائف ہو چکا ہے اور ذہنی طور پر اپنے آپ کو انہوں نے غیروں کا غلام تسلیم کرلیا ہے، ہر بات میں غیروں کی مثالیں دیتے نظر آتے ہیں اور صورتحال ایسی ہے کہ امت نے انہی کو اپنے لئے آئیڈیل تسلیم کرلیا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ یہ کیفیت صرف عوام الناس ہی کی نہیں بلکہ بڑے بڑے حکمران بھی اپنی تقریروں میں یہی فلسفہ پیش کرتے نظر آتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے تو امت مسلمہ کو ”بہترین امت“ قرار دیا تھا۔ لہٰذا ایک داعی یا داعیہ کا فرض ہے کہ وہ امت مسلمہ میں پائی جانے والی اس محرومی کو دور کریں اور انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان باور کروائیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہترین امت قرار دیا ہے، لہٰذا تمہیں غیروں کے طریقوں پر چلنے کی بجائے دین اسلام ہی کو اپنا آئیڈیل بنانا ہے اور اسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا کر دنیا وآخرت کی کامیابیاں سمیٹنی ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ۔[1]

”مسلمانو! تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لیے وجود میں

1۔ آل عمران، 03:110

لائی گئی ہے، تم نیکی کی تلقین کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو یہ ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا، ان میں سے کچھ تو مومن ہیں، مگر ان کی اکثریت نافرمان ہے''۔

ایک داعی یا داعیہ کا فرض ہے کہ وہ امت کو باور کروائے کہ غیروں سے مرعوب ہو کر ان کی پیروی کرنے کی بجائے دین اسلام کی پیروی کرنے ہی میں ایک مسلمان کی بقا ہے۔ ویسے بھی اللہ تعالیٰ نے تمام مذاہبِ باطلہ کی پیروی نہ کرنے کا واضح حکم ارشاد فرمایا ہے کہ یہود و نصاریٰ کی پیروی ہرگز بھی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہر وقت ہر مسلمان کے سامنے رہنا چاہیے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ۔[1]

''اے ایمان والو! یہودیوں اور نصرانیوں کو یار و مددگار نہ بناؤ، یہ خود ہی ایک دوسرے کے یار و مددگار ہیں اور تم میں سے جو شخص ان کی دوستی کا دم بھرے گا تو پھر وہ انہی میں سے ہوگا۔ یقیناً اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا''۔

لہٰذا امت کے اندر خود اعتمادی اور دین اسلام کے ساتھ ایسی لگن پیدا کرنا کہ وہ اسلام ہی کو اپنا آئیڈیل تسلیم کریں اور اپنے جملہ معاملات میں اسی سے رہنمائی طلب کریں، یہ سب ایک داعی کی ذمہ داری ہے۔

6۔ جدید ٹیکنالوجی پر سے غیروں کے غلبے کو ختم کرنے کی سعی کرنا:

ایک داعیہ کا فرض ہے کہ وہ امت کو یہ نظریہ اچھی طرح سے سمجھائے کہ اسلام صرف مسجد اور مدرسے کی حد تک محدود نہیں بلکہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں رہنمائی کرنے والا دین ہے۔ آج لادین طبقہ یہی وسوسہ مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش کرتا

1۔ المائدہ، 05:51

ہے کہ آخر اسلام نے کونسی ٹیکنالوجی متعارف کروائی ہے؟ آج کی جدید دنیا میں اسلام نے لوگوں کی بقا کے لئے کیا خدمات سرانجام دی ہیں؟ یہ طبقہ لوگوں کو کفار کی طرف اس انداز میں متوجہ کرتا ہے کہ سادہ لوگ مسلمان کفار سے ذہنی و فکری طور پر مرعوب ہو جاتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی وہ دین اور مذہب ہے جس نے ٹیکنالوجی کی ترویج پر دراصل زور دیا ہے۔ ہم اگر اپنی تاریخ پر نظر ڈالیں تو بڑے بڑے سائنسدان، علمِ کیمیاء کے ماہرین، ریاضی دان، حکماء اور علماء کے نام ملتے ہیں۔ مثلاً امام محمد بن زکریا الرازی، ابونصر فارابی، جابر بن حیان، حکیم یحییٰ منصور، عباس بن سعید الجوہری، خالد بن عبدالملک المروزی، محمد بن موسیٰ خوارزمی، ابن خلدون، ابن جوزی، ابن تیمیہ، امام جلال الدین السیوطی، احمد بن موسیٰ شاکر، ابوعباس احمد بن کثیر فرغانی، ابوجعفر محمد بن موسیٰ شاکر، حجاج بن یوسف کے کارناموں سے دنیا واقف ہے۔ دنیا نے جتنی بھی ترقی کی، اس کی بنیاد ڈالنے والے یہی مسلمان رہنما تھے، البتہ المیہ یہ ہے کہ آج کے مسلمان اپنی تاریخ سے ناواقف ہیں، اقبالؒ نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تُو گفتار وہ کردار، تُو ثابت وہ سیّارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثُریّا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

یہی وہ بنیادی غلطی ہے جس کی وجہ سے آج کا مسلمان بجائے اس کے کہ وہ جدید تعلیم حاصل کر کے غیروں کے مقابلے میں اپنی خدمات دنیا کو پیش کرے، وہ اپنے ماضی کو بھلا کر غیروں سے امید لگائے بیٹھا ہے اور انہی کو اپنا پیشوا تسلیم کر چکا ہے۔ اس کے دل میں یہ جذبہ دوبارہ سے بیدار کرنا کہ اس کو دنیا کی امامت کے لئے بھیجا گیا

ہے، یہ ایک داعی یا داعیہ کا فرض ہے۔

خلاصہ کلام:

بنیادی طور پر ہم اگر آج کے ماڈرن اور جدید ترقی یافتہ دور کی بات کریں تو وقت کے تقاضے بدلنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے معیار زندگی بھی بدل گئے ہیں، اب لوگ سوشل میڈیا کی زندگی میں رہتے ہیں لہٰذا داعیات کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس علمی میدان میں قدم رکھنے سے پہلے جدید دور کے تقاضوں سے اچھی طرح باخبر ہوں اور ان تمام وسائل اور ذرائع کو اچھی طرح جان لیں جو اس دعوت کے میدان میں ان کے لئے معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرامؓ اماں عائشہ صدیقہؓ کے پاس علمی مسائل پوچھنے کے لئے آتے تھے۔ اسی طرح دیگر صحابیاتؓ نے بھی دعوتی میدان میں شاندار خدمات انجام دیں۔ عصرِ حاضر میں پاکستان کی خواتین اور بالخصوص داعیات کے لئے دعوت کے میدان میں صحابیاتؓ کی زندگی عملی نمونہ پیش کرتی ہے۔ دعوت کے مختلف وسائل اور ذرائع استعمال کر کے داعیات اپنی دعوت کو مؤثر بنا سکتی ہیں۔ البتہ اس کے ساتھ ساتھ چند مزید اہداف کا تعین کرنا بھی ضروری ہے تا کہ ایک داعیہ دعوت کے میدان میں کما حقہ نتائج حاصل کر سکے۔

صحابیاتؓ کی علمی خدمات کی روشنی میں

پاکستانی خواتین کی کردار سازی

ہم نے صحابیاتؓ کی علمی خدمات کے تحت یہ جان لیا کہ ان کے اسالیبِ دعوت میں سے ایک اسلوب درس و تدریس کا بھی تھا۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرامؓ اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن کے پاس احکامِ شریعت کو سیکھنے اور دینی مسائل کو پوچھنے کے لئے حاضر ہوتے تھے اور وہ (اُمہات المومنینؓ) ان کا تسلی بخش جواب دیتی تھیں۔ عصر حاضر میں صحابیاتؓ کے اس اسلوب کی تطبیق اس انداز میں ممکن ہے کہ داعیاتِ اسلام بالخصوص پاکستانی خواتین درس و تدریس کے شعبہ سے منسلک ہوں اور اس میدان میں دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دیں۔ پاکستان میں اس کی مروجہ صورت شعبہ تعلیم ہے، جہاں اس وقت مرد اور خواتین مل کر تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں البتہ ضرورت اس امر کی ہے کہ اساتذہ کو ان کے اہداف کی نشان دہی کروائی جائے اور ایک استاد یا استانی بچوں کی (خواہ وہ کسی بھی کلاس یا درجے کے ہوں) تعلیمی نشو ونما کے ساتھ ساتھ ان کی اخلاقی اور روحانی تربیت پر بھی زور دیں تا کہ جب طلباء و طالبات سکول، کالج، مدارس یا یونیورسٹیز سے فارغ التحصیل ہوں تو اپنے اپنے شعبے کے ماہرین ہونے کے ساتھ ہی ساتھ وہ ایک اچھے مسلمان بھی بن جائیں اور پھر یہی لوگ آگے چل کر ایک مثالی معاشرہ بھی تشکیل دے سکیں۔ استاد کا ایک معاشرے کی تشکیل میں وہی کردار ہے جو ایک انسان کے لئے آکسیجن کا ہے، یقینا جیسے آکسیجن کے بغیر بقائے انسانی ناممکن

ہے، ایسے ہی ایک استاد کے بغیر ایک معاشرہ تہذیب وثقافت کے مراحل کو عبور نہیں کر سکتا۔ ایک معلم یا معلمہ اگر غور کرے تو عصر حاضر میں اس سے بڑی کوئی دوسری خدمت شاید ممکن ہی نہ ہو کیونکہ معاشرے کی ایک کثیر تعداد اس وقت ایسی ہے جو اپنے بچوں کو ہر قسم کی مشکلات (خواہ وہ مالی ہوں یا علاقائی) کے باوجود بھی مکتب و مدرسے تک رسائی مہیا کرتے ہیں۔ ایک معلم اگر خلوصِ نیت سے اور صحیح نہج پر ان طلباء وطالبات کی تربیت کرے تو یقینا معاشرے میں بہت تیزی سے مثبت تبدیلی آسکتی ہے۔ ویسے بھی کہا جاتا ہے کہ ایک استاد ایک معاشرہ تشکیل دیتا ہے۔ بلاشبہ ایک استاد یا معلم خود تو بادشاہ نہیں ہوتا لیکن ایک طالبعلم کو بادشاہ بنا دیتا ہے، بلاشبہ ماں باپ بچے کو صرف پیدا کرتے ہیں اور اس کو بولنا چالنا سکھاتے ہیں لیکن صحیح معنی میں اس کی تعلیم وتربیت صرف ایک استاد ہی کرتا ہے اور اس کو ایک آدمی سے انسان بناتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے تمام کامیاب افراد اپنی کامیابی کا ذمہ دار اپنے اساتذہ کو ہی قرار دیتے ہیں۔ ایک استاد اپنے شاگرد کی فکری ونظریاتی ذہن سازی، اس کی شخصیت کی تعمیر اور اس کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے جیسے تمام امور سرانجام دیتا ہے۔ لہٰذا ایک داعی یا داعیہ بطور استاد اس میدان میں درس وتدریس کے ساتھ ساتھ دعوت الی اللہ کا فریضہ بھی بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔ البتہ اس ضمن میں ضروری ہے کہ ان کے پیشِ نظر چند اہداف رہیں، تاکہ درست سمت میں وہ دعوت اور اس کے مقاصد کا تعین کر سکیں۔

ایک معلم یا معلمہ کے اہداف:

اب ہم اس عنوان پر ایک معلم یا معلمہ کے چند اہداف کا ذکر کرتے ہیں جو اگر اس کے پیشِ نظر ہوں گے تو وہ درس وتدریس کے میدان میں دعوت کا کام تسلی بخش انداز میں کر سکیں گے۔

1۔ بطور نائبِ رسول اللہ ﷺ اپنی حیثیت کو پہچانے:

ایک معلم یا معلمہ کو چاہیے کہ وہ بطورِ استاد اس بات کو ہمیشہ ذہن میں رکھے کہ وہ

دراصل رسول اللہ ﷺ کا جانشین ہے اور اسی مسند پر کھڑا ہے جہاں رسول اللہ ﷺ کو تعینات کر کے دنیا میں بھیجا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد ''تعلم''، یعنی درس وتدریس بھی بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔[1]

''(یہ انعام ایسا ہی ہے) جیسے ہم نے تمہارے درمیان تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہارے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاکیزہ بناتا ہے، اور تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے''۔

اسی حوالے سے ایک حدیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ بذاتِ خود فرماتے ہیں کہ انہیں ایک معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ مِنْ بَعْضِ حُجَرِهِ، فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَإِذَا هُوَ بِحَلْقَتَيْنِ، إِحْدَاهُمَا يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، وَيَدْعُونَ اللّٰهَ، وَالْأُخْرَى يَتَعَلَّمُونَ وَيُعَلِّمُونَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلٌّ عَلَى خَيْرٍ، هَؤُلَاءِ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، وَيَدْعُونَ اللّٰهَ، فَإِنْ شَاءَ أَعْطَاهُمْ، وَإِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ، وَهَؤُلَاءِ يَتَعَلَّمُونَ وَيُعَلِّمُونَ، وَإِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا" فَجَلَسَ مَعَهُمْ۔[2]

''عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن اپنے کسی

1۔ البقرہ، 02:151

2۔ ابن ماجہ، سنن، کتاب السنہ، باب فضل العلماء والحثّ علی طلب العلم، رقم الحدیث: 229

کمرے سے نکلے اور مسجد میں داخل ہوئے، آپ ﷺ نے اس میں دو حلقے دیکھے، ایک تلاوتِ قرآن اور ذکر و دعا میں مشغول تھا اور دوسرا تعلیم و تعلم میں، نبی ﷺ نے فرمایا: ''دونوں حلقے نیکی کے کام میں ہیں، یہ لوگ قرآن پڑھ رہے ہیں اور اللہ سے دعا کر رہے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں دے اور چاہے تو نہ دے اور یہ لوگ علم سیکھنے اور سکھانے میں مشغول ہیں اور میں تو صرف معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔ پھر انہیں کے ساتھ بیٹھ گئے۔

یہاں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خود رسول کریم ﷺ کی ذات مبارک بھی درس و تدریس کو کس قدر پسند فرماتی تھی۔

2۔ اپنے کردار کو بطورِ مثال پیش کرے:

ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب رسول اللہ ﷺ کو دنیا میں مبعوث فرمایا تو آپ ﷺ کی ذاتِ مبارک کو بطورِ نمونہ بھی قرار دیا، جس کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ آپ ﷺ کے تلامذہ (صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ) اپنے استاد (جناب رسول اللہ ﷺ) کو دیکھ کر اور ان کی پیروی کر کے اپنی اصلاح کر لیں۔ یعنی خلاصہ کلام یہ ہے کہ استاد اگر خود اپنا کردار اچھا رکھے گا تو اس کے طلبہ اس کو دیکھ کر اپنی تربیت خود بخود کر لیں گے اور اس کے لئے استاد کو لمبے لمبے دروس دینے کی بھی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ ویسے بھی کہا جاتا ہے کہ اصلاح اپنے آپ سے شروع ہوتی ہے، لہٰذا ایک معلم یا معلمہ کو بحیثیت استاد سب سے پہلے اپنی کردار سازی پر زور دینا ہے۔ جب تک وہ اپنی شخصیت میں نکھار پیدا نہیں کرے گا، اس وقت تک اس کی زبان میں تاثیر ہوگی اور نہ ہی اس کے طلبہ اپنی زندگی میں اس کو بطورِ نمونہ سمجھیں گے۔ اس حوالے سے قرآن کریم کی یہ آیت بطورِ عبرت سامنے رہنی چاہیے کہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۔ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۔[1]

1۔ الصف، 61: 03-02

''اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں؟ اللہ کے نزدیک یہ بات بڑی قابل نفرت ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کرو نہیں''۔

3۔ اخلاقی اقدار کا فروغ:

کوئی بھی قوم، خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتی ہو، اخلاقیات اس قوم کی بقا کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہیں، اخلاق بلاشبہ دنیا کے تمام مذاہب کا مشترکہ باب ہے جس پر کسی کا کوئی بھی اختلاف نہیں۔ اخلاق ہی دراصل انسان کو جانوروں سے ممتاز کرنے کا معیار ہے، اگر اخلاق نہیں تو انسان اور جانور میں کوئی فرق نہیں۔ اخلاق کے بغیر انسانوں کی جماعت انسان نہیں بلکہ حیوانوں کا ریوڑ کہلاتی ہے۔ انسان کی عقلی قوت جب تک اس کے اخلاقی رویہ کے ماتحت کام کرتی ہے، تمام معاملات ٹھیک چلتے ہیں اور جب اس کے غیر اخلاقی رویے اس پر غلبہ پالیں تو یہ نہ صرف اخلاقی وجود سے ملنے والی روحانی توانائی سے اسے محروم کر دیتے ہیں، بلکہ اس کی عقلی استعداد کو بھی آخر کار کند کر دیتے ہیں جس کے نتیجے میں معاشرہ درندگی کا روپ دھار لیتا ہے اور معاشرہ انسانوں کا نہیں بلکہ انسان نما درندوں کا منظر پیش کرنے لگتا ہے۔ یہ سب اخلاقی بے حسی کا نتیجہ ہے۔

اخلاق دراصل وہ اچھے اور عمدہ اوصاف و کردار ہیں، جن کی بنیاد پر قوموں کے استحکام اور بقا کا انحصار ہوتا ہے۔ ایک قوم کے بگڑنے سے ایک معاشرہ بگڑتا ہے جبکہ اگر معاشرہ اصلاح پذیر ہو تو اس سے ایک مستحکم اور باصلاحیت قوم وجود میں آتی ہے۔ جس معاشرہ میں اخلاق ناپید ہو، وہ کبھی مہذب نہیں بن سکتا اور اس میں کبھی اجتماعی رواداری، مساوات، اخوت و باہمی بھائی چارہ پروان نہیں چڑھ سکتا اور بالآخر اس قوم اور معاشرہ کا صفحۂ ہستی سے مٹ جانا یقینی ہو جاتا ہے خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ دنیا میں عروج و ترقی حاصل کرنے والی قوم ہمیشہ اچھے اخلاق کی مالک ہوتی ہے، جبکہ برے اخلاق کی حامل قوم زوال پذیر ہو جاتی ہے۔

انسان کی اخلاقی حِس اسے اپنے حقوق اور فرائض سے آگاہ کرتی ہے، جب تک یہ اخلاقی حِس لوگوں میں باقی رہتی ہے وہ اپنے فرائض کو ذمہ داری اور خوش دلی سے ادا کرتے ہیں اور جب یہ حِس مردہ اور وحشی ہو جاتی ہے تو پورے معاشرے کو مردہ اور وحشی کر دیتی ہے جس کی وجہ سے معاشرے میں ظلم وفساد عام ہو جاتا ہے۔ لہٰذا بحیثیت ایک معلم یا معلمہ کے، ایک استاد کی یہ اولین ذمہ داری ہونی چاہیے کہ وہ علوم کے ساتھ ساتھ طلباء کی اخلاقیات پر بھی بھرپور توجہ دے، انہیں اچھے اخلاق اور اعلیٰ اوصاف سے مزین کرے تاکہ طلباء جب مکتب سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد معاشرہ میں قدم رکھیں تو وہ اپنے اچھے اوصاف وعمدہ اخلاق کے سبب ایک اعلیٰ اور مستحکم معاشرے کی بنیاد رکھ سکیں۔ ایک مسلمان معاشرے میں ایک مسلمان معلم یا معلمہ کو اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک بھی یاد رکھنا چاہیے کہ آپ ﷺ نے اپنی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد اعلیٰ اخلاق کی تعلیم کا بھی فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث مبارکہ ہے کہ:

إنما بعثت لاتمم مکارم (وفی روایة صالح) الاخلاق۔[1]

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے تو صرف اس (مقصد) کے لیے مبعوث کیا گیا کہ اخلاقی اقدار کی تکمیل کر سکوں''۔

لہٰذا ایک معلم کی ذمہ داری صرف سکھانا ہی نہیں، سکھانے کے ساتھ ساتھ تربیت دینا بھی ہے۔ ایک فلاحی معاشرے کے قیام کے لئے اخلاقی اقدار کا فروغ جہاں عمومی طور پر تمام انسانوں کے لئے ضروری ہے وہیں بالخصوص ایک مسلمان کے لئے اس کی اہمیت اس سے کہیں بڑھ کر ہے، جس پر بحیثیت استاد ایک معلم یا معلمہ کو توجہ دینی ہوگی۔

4۔ دورانِ تدریس شفقت کا پہلو اختیار کرے:

ایک معلم یا معلمہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ دورانِ تدریس شفقت ومحبت کا پہلو

1۔ البانی، محمد ناصر الدین، السلسلة الصحیحة، کتاب الاخلاق والبر والصلہ، رقم الحدیث: 2399

بھی اختیار کئے رکھے۔ کوئی بھی طالب علم اپنے ماضی کے اعتبار سے خواہ کیسے بھی رہا ہو، لیکن مکتب میں آنے کے بعد جب اس کو اچھا ماحول نصیب ہوتا ہے اور اچھی تربیت اس کے لئے فراہم کی جاتی ہے، تو اس کی زندگی ہمیشہ کے لئے قابل رشک بن جاتی ہے۔ استاد اگر صحیح نہج پر اور عمدہ اخلاق کے ساتھ طلبہ کی تعلیم وتربیت کرے گا تو بگڑے سے بگڑا طالبعلم بھی سونا بن کر ابھرے گا اور معاشرے کی تعمیر وترقی میں بھرپور کردار ادا کرے گا۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

جن کے کردار سے آتی ہو صداقت کی مہک
ان کی تدریس سے پتھر بھی پگھل سکتے ہیں

المیہ یہ ہے کہ بد قسمتی سے اب اساتذہ اور طلبہ کے درمیان محبت واحترام کا جذبہ مفقود ہے، طلبہ اپنے اساتذہ کو ایسی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ گویا وہ ان کے حریف اور فریق ہیں، نقل وحرکت اور نشست وبرخاست میں ادب واحترام تو کجا، اب تو طلبہ اپنے اساتذہ پر جملے کسنے میں بھی کوئی تردد نہیں کرتے۔ ممکن ہے اس بے احترامی اور بے اکرامی کی ایک بڑی وجہ اساتذہ کا بے جا غصہ اور شفقت سے عاری اسلوبِ درس وتدریس ہو۔ یہ بات خوب سمجھ لینی چاہیے کہ عصر حاضر میں، جب کہ ملکی قوانین بھی طلبہ کو زدوکوب کرنے اور مار پٹائی سے منع کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ طلبہ بھی جدید دور کے تقاضوں سے مکمل طور پر آشنا ہیں، ایسی صورت میں اگر استاد اور طالبعلم کا باہمی ربط اور قلبی تعلق نہیں ہوگا تو طالبعلم کبھی بھی استاد کی عزت نہیں کرے گا اور یہ باہمی تعلق استاد کی شفقت کے بغیر ناممکن ہے۔ ویسے بھی جو شخص جتنے بلند مقام ومرتبہ کا حامل ہو، اسی قدر اس کی ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں۔ استاد چونکہ باپ کا درجہ رکھتا ہے، لہٰذا اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو بھی وہی محبت اور پیار دے، جو وہ اپنی اولاد کو دیتا ہے۔ استاد کو اپنے شاگرد سے بے حد محبت ہونی چاہئے اور اسے ہر وقت اس کا خیر خواہ ہونا چاہئے، جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے کی ترقی پر خوش ہوتا ہے اور اس کی ناکامی پر رنجیدہ، یہی تعلق ایک استاد کو اپنے

شاگردوں کے ساتھ ہونا چاہئے۔ اگر اساتذہ اپنے شاگردوں کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کریں تو یقیناً طلبہ میں ان کے لئے احترام و محبت کے جذبات پیدا ہو جائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اپنے طلبہ کی نسبت سے فرماتے تھے کہ اگر ان پر ایک مکھی بھی بیٹھ جاتی ہے تو مجھے تکلیف ہوتی ہے۔[1]

اسی طرح صحابیاتؓ کے اسلوبِ دعوت میں بھی شفقت کا پہلو ہر قدم پر نظر آتا ہے، اسی لئے عصر حاضر کے داعی حضرات اور داعیات کو بھی اسی اسلوب کو اختیار کرنا چاہیے۔

5۔ خیر کے کاموں کو جاری کرے:

ایک معلمہ کو بطور داعیہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ انہیں طلباء و طالبات کو خیر کی دعوت دینی ہے کیونکہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں پابند کیا ہے اور اگر وہ اس کام میں خیانت کا ارتکاب کریں گے تو عنداللہ بھی مجرم ہوں گے۔

عَنِ ابْنِ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَنَّ سُنَّةَ خَيْرٍ فَاتُّبِعَ عَلَيْهَا فَلَهُ أَجْرُهُ وَمِثْلُ أُجُورِ مَنِ اتَّبَعَهُ غَيْرَ مَنْقُوصٍ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ سَنَّ سُنَّةَ شَرٍّ فَاتُّبِعَ عَلَيْهَا كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهُ وَمِثْلُ أَوْزَارِ مَنِ اتَّبَعَهُ غَيْرَ مَنْقُوصٍ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئًا۔[2]

"جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا (کوئی اچھی سنت قائم کی) اور اس اچھے طریقہ

1۔ ابن جماعہ، محمد بن ابراہیم، تذکرۃ السامع والمتکلم، ص:49

2۔ ترمذی، سنن، کتاب العلم عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فیمن دعا الی ھدیً فاتبع اؤالی ضلالۃ، رقم الحدیث:2675

کی پیروی کی گئی تو اسے (ایک تو) اپنے عمل کا اجر ملے گا اور (دوسرے) جو اس کی پیروی کریں گے ان کے اجر و ثواب میں کسی طرح کی کمی کے بغیر ان کے اجر و ثواب کے برابر بھی اسے ثواب ملے گا اور جس نے کوئی برا طریقہ جاری کیا اور اس برے طریقے کی پیروی کی گئی تو ایک تو اس پر اپنے عمل کا بوجھ (گناہ) ہوگا اور (دوسرے) جو لوگ اس کی پیروی کریں گے ان کے گناہوں کے برابر بھی اسی پر گناہ ہوگا، بغیر اس کے کہ اس کی پیروی کرنے والوں کے گناہوں میں کوئی کمی کی گئی ہو"۔

6۔ تعلیم کو ذریعہ تجارت نہ بنائے:

آج کل المیہ یہ ہے کہ کچھ سرکاری اور بالخصوص پرائیویٹ ادارہ جات میں (الا ماشاءاللہ) تدریس ایک ایسی تجارت بن گئی ہے کہ جس کے لئے کسی سرمایہ اور دوکان کی ضرورت نہیں، اساتذہ تاجر ہیں اور طلبہ گاہک، اساتذہ اسکولوں اور کالجوں میں قصداً غیر معیاری اسباق دیتے ہیں اور اسباق کو جان بوجھ کر تشنہ رکھتے ہیں تاکہ طلبہ ان سے ٹیوشن پڑھیں اور کم وقت کی زیادہ قیمت ادا کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ بعض ادارہ جات میں تو یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اساتذہ اپنی کلاس کے اوقات میں ہی ادارے کے اسباق بھی پڑھاتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ٹیوشن بھی اسی کلاس میں پڑھا دیتے ہیں اور اس کے الگ سے پیسے لیتے ہیں۔ اس سے بڑا ظلم طلبہ کے ساتھ کوئی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایسا شرمناک فعل ہے کہ شریف النفس لوگوں کے لئے اس کا تذکرہ کرنا بھی ناگوار ہے، ایک ایسا مقدس رشتہ جو مکمل طور پر بے غرضی پر مبنی ہے، جو ایک دوسرے سے بے لوث محبت اور بے پناہ شفقت کا متقاضی ہے اور جو تعلیم گاہیں انسانیت، محبت اور فرض شناسی کا احساس پیدا کرنے کے لئے ہیں، وہیں سے ایسی بداخلاقی اور حرص و طمع کا سبق ملے تو پھر کون سی جگہ ہوگی جہاں انسان کو انسانیت کا سبق مل سکے گا؟ اس کی ایک بڑی وجہ پرائیویٹ ادارہ

جات میں اساتذہ کی نامعقول تنخواہیں بھی ہیں، انتہائی کم تنخواہ پر ایک چھوٹا خاندان رکھنے والا شخص بھی اپنے خاندان کی کفالت اچھے انداز میں نہیں کرسکتا، جس کی وجہ سے وہ ٹیوشن اور دیگر پیسہ کمانے کے حربے استعمال کرتا ہے۔ البتہ ایک داعی یا داعیہ ہونے کی حیثیت سے ایک استاد کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے ادارہ میں اس قبیح فعل کی بیخ کنی کے لئے اقدامات کرے۔ اگرچہ اس کو مخالفت کا سامنا کرنا پڑے، لیکن وہ لوگوں کی ملامت کی پروا نہ کرے بلکہ حق اور سچ کے راستے پر چلتے ہوئے ایسے اساتذہ اور ملازمین کو یہ بات باور کروائے کہ حلال رزق میں جو برکت ہوتی ہے، وہ ناجائز طریقے سے زیادہ مال حاصل کرکے بھی حاصل نہیں ہوتی۔

حماد بن سلمہؒ ایک مشہور محدث گزرے ہیں، ان کے ایک شاگرد نے تجارتی سفر کیا اور کچھ قیمتی تحائف اپنے استاد کی خدمت میں پیش کئے، حمادؒ نے فرمایا کہ اگر یہ تحفے قبول کروں گا تو آئندہ پڑھاؤں گا نہیں اور پڑھاؤں گا تو یہ تحفے قبول نہیں کرسکتا۔[1]

ایسے ہی ماضی قریب میں برصغیر کے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (بانی دار العلوم دیوبند) کا حال یہ تھا کہ صرف تیس (30) روپے ماہانہ پر تدریس کرتے تھے، اس درمیان بعض لوگوں کی طرف سے تین سو اور پانچ سو (500) روپے ماہانہ پر کام کرنے کی درخواست کی گئی تو آپؒ نے معذرت کردی اور فرمایا کہ اللہ کے یہاں ان ہی (تیس روپے) پیسوں کا حساب دینا مشکل ہے، اگر اور زیادہ پیسے لئے جائیں تو ان کا حساب تو اور بھی دشوار ہوگا۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ شعبہ تعلیم سے منسلک داعی حضرات اور داعیات بحیثیت استاد اس سنگین جرم کو روکنے کے لئے اپنا کردار ادا کریں اور اس بات پر زور دیں کہ ضرورت کے تحت ادارہ سے اپنی معقول تنخواہ لینا ایک الگ معاملہ ہے جبکہ تعلیم وتدریس کو ذریعہ تجارت ہی بنا لینا دراصل ایک استاد کے شایانِ شان نہیں ہے۔

1۔ الخطیب البغدادی، ابوبکر احمد بن علی، الکفایہ فی علم الروایہ، ص:153

7۔ طلباء کو صحیح اور معیاری دینی تعلیم سے روشناس کروائے:

عام طور پر کچھ سرکاری اور زیادہ تر پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں دیکھا گیا ہے کہ اساتذہ کسی بھی سائنسی شعبے سے تعلق رکھتے ہوں، وہ اسلامی تعلیمات کے معاملے میں زیادہ معلومات نہیں رکھتے، البتہ المیہ یہ ہے کہ ہمارے نظامِ تعلیم میں بعض اوقات اسلامیات کا ٹیچر میسر نہ ہونے کی صورت میں سائنس اور دیگر مضامین کے اساتذہ کو اسلامیات کا مضمون بھی پڑھانے کے لئے دے دیا جاتا ہے۔ شعبہ سائنس کے یہ اساتذہ اپنے اپنے شعبہ جات میں تو کمال مہارت رکھتے ہیں لیکن اسلامیات کے موضوع پر زیادہ معلومات نہ ہونے کی وجہ سے طلباء کو بنیادی اسلامی تعلیمات سے صحیح انداز میں مستفید نہیں کرسکتے۔ جس کی وجہ سے طلباء بڑی کلاسوں میں پہنچ کر بھی بعض اوقات بنیادی اسلامی تعلیمات جیسے نماز روزے کے احکامات، وضو کے فرائض جیسی ضروری باتوں سے ناآشنا رہتے ہیں۔

لہٰذا ایک معلم یا معلمہ کی ذمہ داری ہے کہ ایسے ادارہ جات میں وہ سربراہِ ادارہ کو اس حوالہ سے آگاہ کریں کہ اسلامیات کی تعلیم بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ دیگر سائنسی مضامین کی تعلیم ہے، بلکہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے اسلامیات کی تعلیم زیادہ ضروری ہے لہٰذا اس کے لئے صحیح اور معیاری اساتذہ کا انتخاب کیا جائے جو اس میدان میں کمال مہارت رکھتے ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک معلم یا معلمہ کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ طلباء کی ذہن سازی اس اعتبار سے کریں کہ وہ اسلامیات کو بطورِ مضمون سمجھنے کی بجائے بطورِ دین پڑھیں اور اپنی عملی زندگی میں بھی اس کو نافذ کریں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ متعلقہ شعبہ کے اساتذہ سب سے پہلے خود اس میدان میں مہارت حاصل کریں، بنیادی اور جدید اسلامی اصول وضوابط پر دسترس حاصل کریں تاکہ وہ طلباء کو صحیح نہج پر دینی تعلیمات سے روشناس کرواسکیں۔

8۔عصر حاضر سے ہم آہنگ اسلامی تعلیم دے:

آج کی دنیا ایسی ہے جو سرتا پا جدیدیت سے لدی ہوئی ہے، تبدیلی اور تغیرات نے جہاں ٹیکنالوجی میں اضافہ کیا ہے وہیں ایک عام مسلمان کو بھی یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ بھلا آج کے اس مادہ پرست اور جدید دور میں مذہب اس کی رہنمائی کیسے کر سکتا ہے؟ ایک معلم یا معلمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے طلباء وطالبات کی تربیت اس اعتبار سے کرے کہ انہیں جدیدیت کے اس طوفان میں بھی اپنے مذہب سے متذبذب نہ کیا جا سکے۔ البتہ اس ضمن میں ضروری ہے کہ استاد اپنے طالبعلم کی ذہنی سطح کا لحاظ رکھے۔

یونیورسٹی کی سطح پر تو صورتحال یہ ہے کہ طلباء مذہب کو لے کر شدید ذہنی تناؤ کا شکار ہیں کہ آخر مذہب جدید ٹیکنالوجی کے دور میں کیسے مددگار ثابت ہوتا ہے، لہٰذا ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت ان میں یہ فکر انڈیلی جا رہی ہے کہ عصر حاضر میں آگے بڑھنے کے لئے مذہب اور مسجد کو اپنے معاشرے اور اجتماعی زندگی سے الگ کرنا ہوگا اور مسجد اور معاشرے کو ایک ساتھ لے کر چلنے سے عصر حاضر کے چیلنجز کا سامنا نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ایک معلم یا معلمہ کو چاہیے کہ وہ بحیثیت استاد اس سنگین معاملے پر بھرپور توجہ دے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود بھی جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو اور بھرپور گرفت رکھتا ہو، اس کے بعد ہی وہ اپنے تلامذہ کو اس عنوان پر اصلاح کے راستے پر لے کر چلنے کے قابل ہو سکے گا۔ کیونکہ عصر حاضر سائنس وٹیکنالوجی کا دور ہے، لہٰذا ایک معلمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ روایتی تدریس سے ہٹ کر جدید ذرائع سے اپنی تعلیم کو موثر کرے تاکہ طلباء وطالبات کو روز ہونے والی تبدیلیوں اور انقلابات سے واقف کراتے ہوئے ان میں موجود پوشیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کیا جا سکے۔ یہی ایک صورت ہے کہ جس سے مسلمان پوری دنیا پر غالب آ سکتے ہیں اور دنیا میں اپنا کھویا ہوا

عظیم مقام پھر سے حاصل کر سکتے ہیں۔

اساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ زیورِ تعلیم کو قرآن وسنت کے آئین کے مطابق آراستہ کریں وگرنہ ترقی یافتہ اقوام کی غلامی اور صہیونی وسامراجی قوتوں سے نجات پانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہوگا اور لادینیت سر چڑھ کر بولے گی۔ ویسے بھی ہم دیکھتے ہیں کہ پوری اسلامی دنیا اور بالخصوص پاکستان میں سیکولرازم کس حد تک پہنچ چکا ہے، صرف اسلام آباد کے اندر کی صورتحال یہ ہے کہ ہر سال ہزاروں ایسے معاملات منظر عام پر آتے ہیں کہ جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ پڑھا لکھا طبقہ اس وقت شدید قسم کے اسلاموفوبیا کا شکار ہے اور اسلام کو ایک قدیم مذہب کے طور پر جانتا ہے اور ان کے مطابق اگر ریاست کو ترقی کرنی ہے تو مذہب کو صرف اس کے عبادت خانے تک محدود کرنا چاہیے، ایسی صورتحال میں اگر جدید تقاضوں سے ہم آہنگ اسلامی تعلیم نہ دی گئی تو یقیناً دعوت کے راستے میں شدید مشکلات آئیں گی۔

9۔ذہنی استعداد کے لحاظ سے اسلوب اور اہداف کا تعین کرے:

ایک معلم کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے سامعین (طلبائ) کے تعلیمی درجات اور ان کی ذہنی سطح کے مطابق اسلوبِ دعوت اختیار کرتے ہوئے ان کے سامنے دعوتِ حق پیش کرے۔ اس ضمن میں مختلف درجات کی تقسیم اور اس درجے میں ہونے والی دعوتی تقسیم کو ہم یوں بیان کر سکتے ہیں:

9.1۔پرائمری سطح تک کی تعلیم اور دعوت کے اسلوب واہداف:

پرائمری سطح تک کی تعلیم میں عموماً پانچویں جماعت تک کے طلباء وطالبات شامل ہوتے ہیں، اس سطح تک کی تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کی اوسط عمر چار سال سے لے کر دس سال تک ہوتی ہے۔ اس عمر کے بچے نسبتاً سیکھنے کی صلاحیت بڑوں کے مقابلے میں زیادہ رکھتے ہیں، اس لئے ایک معلم یا معلمہ جو پرائمری سطح تک کی تعلیم کے شعبے سے

منسلک ہیں، ان کی ذمہ داری ہے کہ ان بچوں میں دین اسلام سے متعلق بنیادی معلومات سکھائیں۔ اگر اس عمر میں بچوں کے دل میں کلمہ اور نماز جیسی بنیادی چیزوں کی محبت پیدا ہو جائے تو یہی محبت آگے چل کر ان کی عادت بن جاتی ہے۔ پرائمری تعلیم کا شعبہ انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے، یہ بچے کا تعلیم کے ساتھ پہلا تعارف ہوتا ہے، اگر تعلیم کے حوالے سے بچے کا پہلا تاثر اچھا ہو تو اس کا تعلیمی سفر بڑا خوشگوار ہوتا ہے وہ بہت سی اہم باتیں ہنستے کھیلتے سیکھ جاتا ہے۔ پرائمری تعلیم کے حوالے سے دو نکات بڑے اہم ہیں، بچے کی نفسیات سے استاد کی باخبری اور استاد کا مکمل طور پر بہترین تربیت یافتہ ہونا۔ استاد چاہے خاتون ہو یا مرد اس کا باقاعدہ تربیت یافتہ ہونا بہت ضروری ہے تاکہ وہ بہترین نہج پر طلبہ کی ذہنی کیفیت کو سامنے رکھ کر ان کی تربیت کر سکے۔

سکول کے ماحول کو کس طرح خوشگوار رکھا جائے کہ ننھے طالب علم کے دماغ میں سکول سے ناغہ کرنے کا خیال ہی نہ آئے۔ اچھے اور خوشگوار ماحول کے ساتھ ساتھ ایک تربیت یافتہ استاد اس بات سے بھی اچھی طرح باخبر ہوتا ہے کہ اس نے بچوں کو ابتدائی کلاس میں کیا پڑھانا ہے اور کس انداز سے پڑھانا ہے؟ اسی طرح پانچویں جماعت تک بچے کی دینی استعداد میں اضافہ کرنے کے لیے کون سے ایسے اسباق ہیں جو ایک طالبعلم کو اس ابتدائی سطح پر سکھانے ہیں اور ان کو سکھانے کا اسلوب کیا ہوگا؟ یہ سب حکمتِ عملی ترتیب دینا ایک معلم یا معلمہ کی ذمہ داری ہے۔ بنیادی اخلاقی روایات جیسے سچ بولنا، جھوٹ نہ بولنا، کسی کی چیز بلا اجازت نہ لینا، چوری نہ کرنا، ایمانِ مفصل، چھ کلمے، نماز کی مشق، چھوٹی چھوٹی سورتیں، یہ وہ بنیادی تعلیمات ہیں جو ایک بچے کو ابتدائی سطح پر سکھا بھی دینی چاہئیں اور ان سے رغبت بھی پیدا کر دینی چاہیے۔ بچپن سے ہی اخلاقی رزائل سے نفرت اس کے دل میں ہو، مثال کے طور پر چوری کرنے یا جھوٹ بولنے سے نفرت اس کے دل و دماغ میں اس قدر بسا دی جائے کہ ان سے بچنا مستقبل میں بھی اس کی

عادت بن جائے۔

9.2۔ سیکنڈری سطح تک کی تعلیم اور دعوت کے اسلوب و اہداف:

سیکنڈری سطح تک کی تعلیم میں میٹرک یا دسویں جماعت تک کے طلباء و طالبات شامل ہوتے ہیں، اس سطح تک کی تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کی اوسط عمر تیرہ (13) سال سے لے کر پندرہ (15) سال تک ہوتی ہے۔ اس عمر میں بچے عموماً بلوغت کو پہنچ جاتے ہیں اور ان کے ذہنی و فکری رجحانات میں تنوع پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ عمر کے اس حصے میں بچہ کسی بھی کمپنی سے بہت جلد متاثر ہو جاتا ہے لہٰذا ایک معلم یا معلمہ کے لئے ضروری ہے کہ اس سطح پر بچے کی مکمل نگرانی کرے۔ اس سطح پر ایک معلم کے لئے ضروری ہے کہ ان کے لئے بنیادی دینی مواد مہیا کرے، جس میں کم از کم نماز روزے کے احکامات، وضو کے فرائض، غسل کے فرائض، پاکی و ناپاکی کے مسائل، نماز کا صحیح طریقہ اور اس کے علاوہ وہ تمام باتیں جن کا سامنا اس سطح پر طلبہ کو کرنا پڑتا ہے۔

اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک استاد کا اپنے تلامذہ سے اور ایک معلمہ کا اپنی طالبات سے اس قدر قلبی تعلق ہو کہ اس کے تلامذہ بلا جھجک اس سے دینی معاملات پر بات کر سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ طلبہ کی اخلاقی تربیت کرنا بھی اس سطح پر سب سے اہم کام ہے کیونکہ جوانی کے دور میں قدم رکھتے ہی شیطانی افکار و لغویات ہر طرف سے ایک نوجوان کو گھیر لیتے ہیں اور بالخصوص جب وہ انٹرنیٹ کی دنیا میں رہتا ہو، اس کے ایمان کی سلامتی کا قائم رہنا اس نوجوان کے ساتھ ساتھ اس کے استاد کے لئے بھی ایک چیلنج ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ معلم یا معلمہ اپنے طلبہ کو نماز کا عادی بنائیں۔ گاہے گاہے ان سے نماز کے بارے میں پوچھتے رہیں اور نماز پڑھنے والے بچوں کی حوصلہ افزائی کے لئے ان کو انعام بھی دیں جس سے دوسرے طلبہ کو بھی ایک تحریک ملے گی۔ اس کے علاوہ صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کے واقعات ان کو سنائے

جائیں، تاکہ وہ بھی اس ابتدائی دور میں ہی ان شخصیات سے متعارف ہوجائیں اور ان کی سیرت پر چلنے کی کوشش کریں۔

9.3۔کالج سطح تک کی تعلیم اور دعوت کے اسلوب واہداف:

گیارہویں (11) جماعت سے لے کر بارہویں (12) اور بعض اوقات چودھویں (14) جماعت تک کی تعلیم کو کالج کی تعلیم کہتے ہیں۔اس سطح تک کی تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کی اوسط عمر سولہ (16) سال سے لے کر بیس (20) سال تک ہوتی ہے۔عمر کا یہ حصہ انتہائی خطرناک مانا جاتا ہے کیونکہ اس سطح پر نوجوان یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے زورِ بازو سے ساری دنیا کو زیر کرلیں گے اور وہ جو چاہیں، بلا روک ٹوک کر سکتے ہیں۔ایسی سطح پر اگر مستقل بنیادوں پر اساتذہ اور بالخصوص اسلامی تعلیم دینے والے معلمین یا معلمات ان کو اکیلا چھوڑ دیں یا قدم قدم پر ان کی رہنمائی نہ کریں تو ان کو تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

عمومی طور پر اگر جرائم کی ایک فہرست مرتب کی جائے تو زیادہ تر مجرم اسی سطح کے بچے ہوتے ہیں، لہٰذا اس سطح پر شعبہ تدریس سے منسلک معلمین اور معلمات کو چاہیے کہ وہ اپنے تلامذہ پر پوری نظر رکھیں اور مستقل بنیاد پر ان کی رہنمائی کریں۔نماز روزے کی پابندی کروانے کے ساتھ ساتھ طلبہ میں یہ شعور بھی پیدا کیا جائے کہ وہ قرآن کریم کو ترجمے کے ساتھ پڑھیں تاکہ قرآن کی تعلیمات ان کے دل میں گھر کرسکیں۔ایک اور اہم چیلنج اس سطح کے اساتذہ کے لئے یہ ہے کہ لادین اور سیکولر طبقہ عموماً اس سطح کے بچوں کے اذہان میں اسلام مخالف پروپیگنڈہ پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اس سطح کی تعلیم سے منسلک معلمین عصر حاضر کے تمام بنیادی علوم پر دسترس رکھتے ہوں اور لادین عناصر کی جانب سے پھیلائے گئے اعتراضات کا تسلی بخش جواب دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں، اسی کے ساتھ ساتھ اسلامی

اصولوں کی جدید عصری تقاضوں کے ساتھ تطبیق کرنے جیسے فنون سے بھی اچھی طرح واقف ہوں تاکہ وہ طلبہ کے اذہان میں پائے جانے والے اشکالات کو دور کرسکیں۔

9.4۔یونیورسٹی سطح تک کی تعلیم اور دعوت کے اسلوب واہداف:

یونیورسٹی سطح پر طلباء وطالبات اپنی عملی زندگی میں داخل ہونے کے بالکل قریب ہوتے ہیں، ان کی ذہنی سطح اس قابل ہوجاتی ہے کہ وہ جدید افکار ونظریات اور سائنسی علوم وفنون کو سیکھنے کے ساتھ ساتھ عصر حاضر کی دیگر چیلنجز کو بھی قبول کرسکتے ہیں۔ایک معلم یا معلمہ کو چاہیے کہ اس سطح پر طلباء وطالبات کی علمی وفکری ذہن سازی کرے اور انہیں اس قابل بنائے کہ وہ اپنی عملی زندگی میں ایک اچھا مسلمان بھی ثابت ہوسکیں۔یونیورسٹی تعلیمی زندگی کا آخری پڑاؤ ہوتا ہے، لہٰذا یہاں سے جو کچھ سیکھ کر ایک طالبعلم نکلتا ہے، وہی کچھ اس کی عملی زندگی میں بھی اس کے سامنے آتا ہے۔طالبعلم کی فکری صلاحیتوں کو نکھارنے کا ایک منفرد اور پر اثر انداز یہ ہے کہ اسے مختلف دینی عنوانات پر مشق بنانے کی ذمہ داری دی جائے تاکہ وہ بذاتِ خود اس عنوان پر قرآن و حدیث سے استفادہ کرے اور رہنمائی حاصل کرے۔پھر اس کے ساتھ ساتھ کلاس میں ہفتہ وارانہ یا ماہانہ سطح پر ایسی ورکشاپس یا کانفرنسز کا انعقاد کیا جائے جس میں طلباء و طالبات کی حاضری یقینی ہو، ان کانفرنسز میں عصر حاضر کے جید اسکالرز کو مدعو کیا جائے جو مختلف دینی عنوانات پر علمی موتی بکھیر سکیں۔

9.5۔یونیورسٹیز کے مخلوط نظام تعلیم میں داعیات کا کردار:

ایک انتہائی اہم مسئلہ، جس کا سامنا تقریباً پاکستان کی تمام ہی یونیورسٹیز کو ہے، بے حیائی کا ایک طوفان ہے، جس کی بنیادی وجہ طلباء وطالبات کا مخلوط نظامِ تعلیم ہے۔لہٰذا ایک داعی معلم یا معلمہ کو اس حوالے سے بھی اپنے اہداف کا تعین کرنا چاہیے کہ کیسے مسلمان

معاشرے میں بسنے والے مسلمان گھرانوں کے بچوں میں غیرت اور حمیت کو پیدا کیا جائے اور اس طوفانِ بے حیائی کو روکا جائے۔ ایسا تب تک ممکن نہ ہوگا جب تک ایک استاد اپنے طلبہ میں شرم وحیا کی اہمیت کو اجاگر نہ کرے۔ مخلوط نظامِ تعلیم کے ہونے کے باوجود طلباء وطالبات کے اندر اگر تقویٰ کی صفات کو اجاگر کیا جائے تو یقیناً وہ ایک باحیا مسلمان کی حیثیت سے اپنا تعلیمی سفر بھی پورا کریں گے اور اس کے بعد عملی زندگی میں بھی ایک مثالی گھر تعمیر کریں گے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک معلم یا بالخصوص ایک معلمہ سب سے پہلے اپنی شخصیت کے اندر ان صفات کو پیدا کرے، جب ایک معلمہ بذاتِ خود شرم وحیا کا پیکر ہوگی تو طلبہ کے لئے ایک غیر محسوس دعوتِ فکر ہوگی۔ یہ ایک فطری عمل ہے کہ طلباء و طالبات اپنے اساتذہ سے بہت حد تک متاثر ہوتے ہیں، یہاں تک دیکھنے کو ملتا ہے کہ بعض اوقات طلبا و طالبات لباس، بول چال اور چال ڈھال میں بھی اپنے اساتذہ کی نقل کرتے ہیں، اگر ایک معلمہ اپنا کردار بطورِ نمونہ پیش کردے تو طالبات کے لئے بالخصوص ایک مثال قائم ہوجائے گی اور وہ بھی ان کے نقشِ قدم پر چلیں گی۔ بلاشبہ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مخلوط نظامِ تعلیم نے پاکستانی معاشرے سے غیرت وحمیت کا جنازہ نکال دیا ہے، طلباء وطالبات ایسے لباس پہن کر یونیورسٹیز میں آتے ہیں کہ ان کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل ہوجاتا ہے کہ آیا ہم کسی مسلمان معاشرے میں رہ رہے ہیں یا کسی مغربی معاشرے میں؟ اس فحاشی وبے حیائی کے طوفان کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ امت کے بیٹوں اور بیٹیوں (الا ماشاء اللہ) میں شرم وحیا ناپید ہوگئی ہے اور اس حوالے سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک کچھ اس طرح ہے کہ:

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ إِذَا لَمْ تَسْتَحِي فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ۔[1]

1۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب احادیث الانبیاء، رقم الحدیث: 3484

''ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگلے پیغمبروں کے کلام میں سے لوگوں نے جو پایا، یہ بھی ہے کہ جب تجھ میں حیاء نہ ہو پھر جو جی چاہے کر''۔

اس شرم وحیا کے ختم ہوجانے کی وجہ سے اب مسلمان لڑکے اور لڑکیاں، مسلمان معاشرے میں رہنے کے باوجود ڈھٹائی کے ساتھ جو چاہتے ہیں، کر گزرتے ہیں۔ جہاں اس بے حیائی اور فحاشی کے بہت سے اسباب ہیں، وہیں اس کا ایک سبب بدنظری اور نظر کی بے احتیاطی بھی ہے، یہ ایک ایسا ہتھیار ہے جس کو شیطان انسان کے ہاتھ میں دے کر پوری طرح مطمئن ہوچکا ہے، اب اسے کبھی کسی طاغوتی منصوبے کو بروئے کار لانے میں زیادہ جدوجہد نہیں کرنی پڑتی، یہ بدنظری خود بخود اس کی آرزوؤں کی خاطر خواہ تکمیل کردیتی ہے۔ نظر کی حفاظت میں کوتاہی بے شرمی کی بنیاد، فتنہ وفساد کا موثر ذریعہ اور منکرات و معاصی کا سب سے بڑا محرک ہے۔ لہٰذا ایک داعیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ بدنظری کے مہلک اثرات سے طلباء وطالبات کو متنبہ کرے۔ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ بحیثیت معلمہ اپنے طلبہ اور بالخصوص طالبات کو یہ بات باور کروائے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں محرم اور غیر محرم کی ایک تفصیل بیان فرمادی ہے، جس کے بعد اب خواتین کے لئے لازمی ہے کہ اپنی زیب وزینت ان محرم رشتوں کے علاوہ کسی کے سامنے عیاں نہ کریں۔

اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے کہ:

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي

الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔[1]

''اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی سجاوٹ کو کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو خود ہی ظاہر ہو جائے اور اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں اور اپنی سجاوٹ اور کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اپنے شوہروں کے، یا اپنے باپ، یا اپنے شوہروں کے باپ کے، یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے، یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں، یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے، یا اپنی عورتوں کے یا ان کے جو اپنے ہاتھوں کی ملکیت میں ہیں یا ان خدمت گزاروں کے جن کے دل میں کوئی (جنسی) تقاضا نہیں ہوتا یا ان بچوں کے جو ابھی عورتوں کے چھپے ہوئے حصوں سے آشنا نہیں ہوئے اور مسلمان عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنے پاؤں زمین پر اس طرح نہ ماریں کہ انھوں نے جو زینت چھپا رکھی ہے وہ معلوم ہو جائے اور اے مومنو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو''۔

اس ضمن میں یہ بات بھی یاد رکھی جائے اور طلبہ کو بتائی جائے کہ بدنظری سے بچنے کے لئے کیا تدابیر استعمال کی جا سکتی ہیں؟ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت نبی کریم ﷺ نے یہ نصیحت فرمائی تھی کہ علیؓ! ایک مرتبہ بلا ارادہ دیکھنے کے بعد دوسری مرتبہ (اجنبی عورت کو) دیکھنے کا ارادہ مت کرنا اسلیئے کہ پہلی (بلا ارادہ) نظر تو معاف ہے مگر دوسری مرتبہ دیکھنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔[2]

1۔النور، 24:31

1۔محمد بن عبد اللہ، مشکوۃ المصابیح، 02:269

چنانچہ اس کا علاج یہی ہے کہ جب پہلی ہی نظر میں نگاہ کو پابند کر کے اللہ کے احکام کی پابندی کر لیں گے تو بدنظری اور بے شمار آفات سے نجات حاصل ہو جائے گی اور اگر بار بار بدنگاہی میں مبتلا ہوں گے تو نظر نے جو کچھ دل میں فتنہ ڈالا ہو گا، اس پر قابو پانا بہت مشکل ہو جائے گا۔ جب بدنگاہی ہو جائے تو اس کی گہرائی میں نہ جائیں بلکہ اس کے نتائجِ بد کی فکر کریں اور اللہ کا خوف دل میں لائیں اور ہمت سے کام لے کر یہ طے کریں کہ یہ نگاہ غلط جگہ پر نہیں اٹھے گی۔ طلبہ کو یہ سمجھایا جائے کہ اگر کوئی عورت نظر آئے اور نفس یہ کہے کہ ایک دفعہ دیکھ لے، کیا حرج ہے؟ کیونکہ تو بدفعلی تو نہیں کرے گا، تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ نفس کا مکر (فریب) ہے اور نجات کا طریقہ یہ ہے کہ عمل نہ کیا جائے، اس لئے کہ یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔ لہٰذا طلبہ کو اپنی نظروں میں حیا پیدا کرنی چاہیے، کیونکہ حیاء ہی دراصل دینِ اسلام کی بنیاد اور بنیادی وصف ہے۔

چنانچہ اس ضمن میں داعی حضرات اور داعیات کی ذمہ داری ہے کہ وہ طلبہ کے پیشِ نظر یہ فرمان مبارک ہمہ وقت رکھیں کہ:

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ۔[1]

''سیدنا انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر دین کا ایک اخلاق ہوتا ہے اور اسلام کا اخلاق حیاء ہے''۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک اہم قدم جس کی طرف معلمات کو نشان دہی کرنی چاہیے، وہ یہ ہے کہ معلمات اپنے طلباء و طالبات کو سورۃ نور کو ترجمے کے ساتھ پڑھنے کی اور اس کے احکام و مسائل کی تخریج کر کے ایک مشق بنانے کی ذمہ داری سونپیں، اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ طلباء اور بالخصوص طالبات آیاتِ پردہ اور شرم و حیا کی اہمیت سے بخوبی واقف بھی ہو جائیں گے اور قوی امید ہے کہ اس بے حیائی کے طوفان میں کچھ کمی بھی آئے گی۔

1۔ابن ماجہ، سنن، کتاب الزھد، باب الحیاء، رقم الحدیث: 4181

10۔ باہمی ربط میں حائل رکاوٹوں کے سدِ باب کی کوشش کرنا:

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ سرکاری و پرائیویٹ ادارہ جات میں (سکول سے لے کر یونیورسٹی کی سطح تک) غیبت بہت کثرت سے کی جاتی ہے۔ بعض اوقات تو غیبت کسی استاد کی اس لئے کی جاتی ہے کیونکہ اس استاد کا رزلٹ باقی اساتذہ کی نسبت اچھا ہوتا ہے اور بعض اوقات ذاتی بغض وعناد کے پیشِ نظر غیبت کی جاتی ہے۔ المیہ یہ ہے کہ جدید ترقی یافتہ کہلائے جانے والے بڑے بڑے سینئر اساتذہ بھی غیر ارادی طور پر اس عمل میں شریک ہو جاتے ہیں۔

رجحان یہ بن گیا ہے کہ جس استاد سے حسد کیا جائے اس کے بارے میں یا تو الزام تراشیاں کر کے اس کے خلاف ایک محاذ کھڑا کر دیا جاتا ہے یا پھر اس کی کوئی کمی کوتاہی دیکھ کر اس کی غیر موجودگی میں اس کی غیبت کر دی جاتی ہے۔ غیبت یہ ہے کہ کسی شخص کی کسی بشری کمزوری کی بنا پر اس میں پائی جانے والی کسی کمی کوتاہی کو اس کی عدم موجودگی میں اس طرح بیان کیا جائے کہ اگر وہ سن لے تو برا مانے، خواہ زبان سے بیان کرے یا بذریعہ قلم یا کسی اور طریقے سے عیب جوئی کی جائے۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اگر وہ عیب اس میں موجود نہیں تو یہ تہمت اور بہتان ہے۔ اسلام میں غیبت کرنے کی سخت وعید آئی ہے۔ اسلامی معاشرے اور بالخصوص پاکستان میں رہتے ہوئے ایک داعی یا داعیہ کا فرض ہے کہ وہ شعبہ تعلیم سے منسلک ہونے کے بعد اس قبیح فعل کے سدِ باب کے لئے کمر کس لے۔ اس کی ذمہ داری ہے کہ دیگر اساتذہ اور ادارہ کی انتظامیہ کو یہ بات اچھے اسلوب کے ساتھ باور کروائے کہ غیبت کرنا اور بہتان باندھنا کس قدر برا فعل ہے کہ اس کو اللہ نے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے۔ چنانچہ سورہ حجرات کی یہ آیت مبارکہ اس ضمن میں داعی اور داعیہ کے پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ

وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ [1]

"اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور کسی کی ٹوہ میں نہ لگو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو خود تم نفرت کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، بہت مہربان ہے"۔

اسی طرح حضور کریم ﷺ کا یہ مبارک ارشاد بھی ایک داعی یا داعیہ کیلئے مشعلِ راہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو اس مبارک فرمان کے ذریعے یہ سمجھا سکے جو غیبت کرتے ہوئے یہ دلیل دیتے ہیں کہ بھائی! ہم نے کونسا گناہ کیا؟ آخر وہی بات تو بتائی، جو اس میں موجود ہے۔ ہم نے کون سا جھوٹ بولا ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَتَدْرُونَ مَا الْغِيبَةُ؟ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ. قِيلَ أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ. قَالَ إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ فَقَدْ بَهَتَّهُ. [2]

"سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا ذکر کرے اس طرح پر کہ (اگر وہ سامنے ہو تو) اس کو ناگوار ہو۔ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! اگر

1۔ الحجرات، 49:12

1۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب البر والصلہ والآداب، باب تحریم الغیبہ، رقم الحدیث: 6593

ہمارے بھائی میں وہ عیب موجود ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب ہی تو غیبت ہوئی، نہیں تو بہتان اور افترا ہے"۔

تعلیمی اداروں کی اگر بات کی جائے تو خواتین (الا ماشاء اللہ) اس گناہ میں زیادہ شریک ہوتی ہیں، لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے داعیات بالخصوص اس حساس مسئلے پر پوری توجہ دیں اور اس کی بیخ کنی کے لئے ہر ممکن کردار ادا کریں۔

خلاصہ کلام:

بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرامؓ اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن کے پاس احکامِ شریعت کو سیکھنے اور دینی مسائل کو پوچھنے کے لئے حاضر ہوتے تھے اور وہ (اُمہات المومنینؓ) ان کا تسلی بخش جواب دیتی تھیں۔ عصر حاضر میں صحابیاتؓ کے اس اسلوب کی تطبیق اس انداز میں ممکن ہے کہ داعیاتِ اسلام بالخصوص پاکستانی خواتین درس وتدریس کے شعبہ سے منسلک ہوں اور اس میدان میں دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دیں۔

پاکستان میں اس کی مروجہ صورت شعبہ تعلیم ہے، جہاں اس وقت مرد اور خواتین مل کر تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں البتہ ضرورت اس امر کی ہے کہ اساتذہ کو ان کے اہداف کی نشان دہی کروائی جائے اور ایک استاد یا استانی بچوں کی (خواہ وہ کسی بھی کلاس یا درجے کے ہوں) تعلیمی نشو نما کے ساتھ ساتھ ان کی اخلاقی اور روحانی تربیت پر بھی زور دیں تاکہ جب طلباء وطالبات سکول، کالج، مدارس یا یونیورسٹیز سے فارغ التحصیل ہوں تو اپنے اپنے شعبے کے ماہرین ہونے کے ساتھ ہی ساتھ وہ ایک اچھے مسلمان بھی بن جائیں اور پھر یہی لوگ آگے چل کر ایک مثالی معاشرہ بھی تشکیل دے سکیں۔

............☆............

خلاصۃ البحث

اس پوری بحث کا خلاصہ کلام یہ ہے کہ جمہور علماء کی رائے کے مطابق ہر اس مسلمان (مرد وعورت) کو صحابی یا صحابیہ کہا جائے گا جو ایک گھڑی کیلئے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض یاب ہوا ہو اور پھر اس کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوا ہو، اس متفقہ فیصلے کی روشنی میں صحابیت کا شرف صرف ان خوش نصیبوں کو ہی حاصل ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں آپ ﷺ کی زیارت اور آپ ﷺ سے ملاقات کی ہے یا جن کو آپ ﷺ نے (ان کی حالت ایمان میں) دیکھا ہو اور پھر ان کا خاتمہ بھی ایمان پر رہا ہو۔

صحابہ کرامؓ (مرد و خواتین) کے مقام اور ان کی حیثیت کو خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ صحابہ کرامؓ اللہ کی منتخب کردہ ایک جماعت ہیں، ان کی صفات کا تذکرہ گزشتہ نبیوں کی کتابوں میں بھی بیان کیا گیا ہے، اللہ ان سے راضی ہو چکا ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں، اللہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جنت کی خوشخبری بھی سنا دی۔ انہی صحابہ کرامؓ میں سے جن لوگوں نے ہجرت کی، ان میں مرد اور خواتین دونوں شامل ہیں، قرآن کریم نے ان کو اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ دے دیا ہے۔ بلاشبہ وہ پاکیزہ جماعت حضرات صحابہ کرام (صحابہؓ اور صحابیاتؓ) کی ہی تھی جس کو اللہ نے سب سے پہلے اس کتاب کے وارثین کے طور پر چنا۔ کیونکہ صحابیاتؓ نے بھی صحابہ کرامؓ کے شانہ بشانہ

دعوت دین میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا، اس لئے وہ بھی اس اجر میں صحابہؓ کے ساتھ برابر کی شریک ہیں۔

یہی دعوت وتبلیغ دراصل اسلام کا وہ فلسفہ ہے جس کے معنی دوسروں تک حق بات کا پہنچانا ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے جو لوگوں کو دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ اس سلسلے کی آخری کڑی خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ ہیں جو قرآن کریم کے ساتھ مبعوث کئے گئے اور جن کی بعثت کا مقصد جہالت میں گری ہوئی قوم کو اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لانا تھا۔ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ دعوت الی اللہ کی فضیلت اور اس کے مناہج کے اسالیب سے بھری پڑی ہیں۔ تمام انبیاء کرامؑ، صحابہ کرامؓ اور سلف صالحینؒ نے دعوت الی اللہ ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا اسی لئے تمام امت محمدی ﷺ کو اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ خیر کے کاموں کو خود بھی جاری کریں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں اور ساتھ ہی ساتھ ان کو یہ تنبیہ بھی کر دی گئی ہے کہ اگر وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام نہیں دیں گے یا یہ کہ صرف امر بالمعروف ہی کریں گے اور لوگوں کو برائی کرنے سے نہیں روکیں گے تو پھر ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا انتظار کرنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جب پکڑ آتی ہے تو وہ ایسے تمام لوگوں کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے سابقہ اقوام کے قصائص اس پر گواہ ہیں۔

اب دعوت کا منہج کیسا ہونا چاہیے؟ لوگوں کے نفوس اس کو کس انداز میں قبول کرتے ہیں؟ نفس بنیادی طور پر کیا ہے؟ اس ضمن میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہر انسان کے دو نفس ہوتے ہیں ان میں سے ایک عقلی نفس ہے جس کے ذریعے صحیح اور غلط کی تمیز کی جاتی ہے، جبکہ دوسرا نفس روح ہے جس کے ذریعے انسان کو زندگی ملتی ہے۔ اس لئے نفس سے مراد روح بھی ہے، کہا جاتا ہے کہ اس (انسان) کے نفس نے انتقال کر لیا، اس سے

مراد اس کی روح ہے اور نفس سے مراد انسان ہے۔

اصطلاح میں علم نفس ایسا علم ہے جو انسانی نفسیات، افکار واحساسات اور انسانی اعمال اور کیفیات پر بحث کرتا ہے۔ قرآن کریم میں نفس بمعنی انسان، انسانی ضمیر اور داخلی خصائص کے استعمال ہوا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کے اندر چند ایسے نفسیاتی اجزاء شامل کیے ہیں جن کے ذریعے دنیا میں اس کو ابتلاء واختیار میں مبتلا کر رکھا ہے، تمام علماء اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسان کے اندر ذات کے اعتبار سے نفس ایک ہی ہے لیکن صفاتی اعتبار سے اس کی کئی اقسام ہیں جیسے کہ نفس امارہ، نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ، جن کے انسانی زندگی پر اثرات بھی الگ الگ ہیں۔

جس طرح ایک بیج کے نشوونما پانے کے لیے تنہا بیج کی صلاحیتوں ہی پر نظر نہیں رکھتی پڑتی، بلکہ زمین کی آمادگی ومستعدی اور فصل وموسم کی سازگاری وموافقت کا بھی لحاظ رکھنا پڑتا ہے، اسی طرح کلمہ حق کی دعوت میں مجرد حق کی فطری صلاحیتوں پر ہی اعتماد نہیں کر لینا چاہیے بلکہ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ جن لوگوں کے سامنے وہ حق پیش کیا جا رہا ہے دعوت کے وقت نفسیاتی نقطہ نظر سے ان کی حالت کیا ہے؟

صحابیاتؓ کی مقبولیت کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ انھوں نے ہمیشہ دعوت وتبلیغ میں انسانی نفسیات کا بھرپور خیال رکھا۔ ان کے اسلوبِ دعوت میں مدعو کی تعریف وتحریک، حوصلہ افزائی، سوال وجواب، باہمی گفتگو، مناسب وقت کا انتظار، موقع کی مناسبت، مخاطب کی مناسب طلب اور آمادگی کا ہونا، ایجاز واختصار، مخاطب کی عزتِ نفس کا خیال رکھنا اور عمومی وضاحت پر اکتفاء کرنا نیز تشبیہ وتمثیل سے وضاحت کرنا جیسی تمام خوبیاں شامل تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابیاتؓ کا اسلامی تاریخ میں بالخصوص دعوت کے میدان میں نمایاں کردار نظر آتا ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ صحابیاتؓ کی علمی خدمات بھی اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ کتبِ احادیث کا ایک بڑا حصہ ایسا ہے جہاں روایات صحابیاتؓ سے لی گئی ہیں۔ ابتدائے اسلام کی مشکلات کی اگر بات کریں تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا صبر واستقلال اور آپ ﷺ کو تسلی ودلاسہ دینا دعوت دین کی راہ ہموار کرنے کی ایک عظیم الشان مثال ہے اور اسی سے ان کے فہم وفراست کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے گھر کے اندر کی تمام زندگی ہمیں اُمہات المومنین بالخصوص اماں عائشہ صدیقہؓ کی روایات سے ملتی ہے۔

اسی طرح صحابیاتؓ کی ایک اہم خدمت جہاد فی سبیل اللہ ہے اور اس میدان میں صحابیاتؓ نے جو گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں، تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ میدان جنگ میں لڑنے کے علاوہ زخمیوں کو پانی پلانا، ان کی مرہم پٹی کرنا، شہداء اور زخمیوں کو میدان جنگ سے اٹھا کر لے جانا، مجاہدین کو تیر پکڑانا، ان کے کھانا پینے کا بندوبست کرنا، فوج کی ہمت اور حوصلہ بندھائے رکھنا یہ سب وہ جہادی خدمات ہیں جن کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ اسی کے ساتھ ساتھ ایثار بھی ان کی زندگی کا نمایاں پہلو رہا ہے، ایثار کے لغوی معنی کسی کو اپنے اوپر ترجیح دینے کے ہیں، یعنی اپنی ذاتی ضروریات پر دوسروں کو مقدم رکھ کر ان کی ضروریات کو پورا کیا جائے۔ اپنے آرام پر دوسروں کے آرام کو مقدم رکھنا، تکلیف اٹھا کر دوسروں کو راحت وآرام پہنچانا وغیرہ۔

اس قسم کی باتیں جن میں ایک مسلمان اپنی ذات کی بجائے اپنے بھائی کو مقدم رکھے، ایثار کہلاتی ہیں۔ اچھے معاشرے کی تشکیل وتعمیر کے لیے مسلمانوں میں ایثار وقربانی کا جذبہ بھی بڑا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ و صحابیاتؓ میں یہ جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ غرض یہ کہ صحابیاتؓ کی ساری زندگی تقوی، پرہیزگاری، صبر واستقلال اور قناعت سے بھری پڑی ہے۔

اب صحابیاتؓ کی زندگی سے آج کا داعی یا داعیہ کس طرح رہنمائی لے سکتے ہیں؟ اُن کے اسالیب کو کیسے اختیار کیا جا سکتا ہے؟ تو اس ضمن میں اہم بات یہ ہے کہ درحقیقت دعوت کے دو بنیادی کردار ہوتے ہیں۔ ایک داعی یا داعیہ اور دوسرا مخاطب، تاہم دعوت کی کامیابی کا مکمل انحصار داعی کی ذات پر ہے کیوں کہ دعوت کے مضامین کتنے ہی پرکشش کیوں نہ ہوں، اگر داعی کا طریقۂ دعوت مناسب نہیں ہے اور وہ مدعو کو حالات کے مطابق اسالیب اختیار کر کے بات سمجھانے کی قدرت نہیں رکھتا تو اس کو دعوت کے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوتے۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ جو بات ایک پہلو سے سمجھ نہیں آتی، وہی بات جب دوسرے انداز سے سامنے آتی ہے تو سیدھی دل میں اتر جاتی ہے۔

قرآن مجید کے اولین مخاطب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ وصحابیاتؓ ہیں، اس لیے قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کو دعوت کے طریق کار اور اسالیب کی تعلیم دی تاکہ وہ اس کلام الٰہی کو لوگوں کے سامنے احسن انداز میں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اچھی طرح سے سمجھا بھی سکیں۔

آپ ﷺ نے دعوت کے فریضے کو ادا کرتے ہوئے ان اصولوں سے کبھی بھی پہلوتہی نہیں کی اور اسی طرح آپ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ وصحابیاتؓ کے دعوتی کردار میں بھی انہی اصولوں کا غلبہ نظر آتا ہے۔ چونکہ صحابیاتؓ بھی دعوت وتبلیغ میں ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت اور طرز عمل کو پیش نظر رکھتی تھیں، انہوں نے دعوت وتبلیغ کے اس منصب کو احسن انداز سے نبھایا اور جس طرح انسانی نفسیات کا لحاظ کرتے ہوئے دعوت دی، اس کی مثال تاریخ میں صحابیاتؓ کے علاوہ کہیں نہیں ملتی۔

عصر حاضر میں چونکہ دعوت دین کا کام اپنے زور وشور پر ہے، جس طرح مرد حضرات دعوت وتبلیغ کا کام کر رہے ہیں، اسی طرح خواتین بھی اس میدان میں پیش پیش ہیں۔ البتہ ضرورت اس امر کی ہے کہ عصر حاضر کی داعیات صحابیاتؓ کے اسوہ پر مکمل طور

پر عمل پیرا ہوں۔

بنیادی طور پر ہم اگر آج کے ماڈرن اور جدید ترقی یافتہ دور کی بات کریں تو وقت کے تقاضے بدلنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے معیارِ زندگی بھی بدل گئے ہیں، اب لوگ سوشل میڈیا کی زندگی میں رہتے ہیں لہٰذا داعیات کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس علمی میدان میں قدم رکھنے سے پہلے جدید دور کے تقاضوں سے اچھی طرح باخبر ہوں اور ان تمام وسائل اور ذرائع کو اچھی طرح جان لیں جو اس دعوت کے میدان میں ان کے لئے معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرامؓ اماں عائشہ صدیقہؓ کے پاس علمی مسائل پوچھنے کے لئے آتے تھے۔

اسی طرح دیگر صحابیاتؓ نے بھی دعوتی میدان میں شاندار خدمات انجام دیں۔عصرِ حاضر میں پاکستان کی خواتین اور بالخصوص داعیات کے لئے دعوت کے میدان میں صحابیاتؓ کی زندگی عملی نمونہ پیش کرتی ہے۔ دعوت کے مختلف وسائل اور ذرائع استعمال کر کے داعیات اپنی دعوت کو مؤثر بنا سکتی ہیں۔ البتہ اس کے ساتھ ساتھ چند مزید اہداف کا تعین کرنا بھی ضروری ہے تا کہ ایک داعیہ دعوت کے میدان میں کما حقہ نتائج حاصل کر سکے۔

بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرامؓ اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن کے پاس احکامِ شریعت کو سیکھنے اور دینی مسائل کو پوچھنے کے لئے حاضر ہوتے تھے اور وہ (اُمہات المومنینؓ) ان کا تسلی بخش جواب دیتی تھیں۔ عصر حاضر میں صحابیاتؓ کے اس اسلوب کی تطبیق اس انداز میں ممکن ہے کہ داعیاتِ اسلام بالخصوص پاکستانی خواتین درس و تدریس کے شعبہ سے منسلک ہوں اور اس میدان میں دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دیں۔

پاکستان میں اس کی مروجہ صورت شعبہ تعلیم ہے، جہاں اس وقت مرد اور

خواتین مل کر تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں البتہ ضرورت اس امر کی ہے کہ اساتذہ کو ان کے اہداف کی نشان دہی کروائی جائے اور ایک استاد یا استانی بچوں کی (خواہ وہ کسی بھی کلاس یا درجے کے ہوں) تعلیمی نشو و نما کے ساتھ ساتھ ان کی اخلاقی اور روحانی تربیت پر بھی زور دیں تا کہ جب طلباء و طالبات سکول، کالج، مدارس یا یونیورسٹیز سے فارغ التحصیل ہوں تو اپنے اپنے شعبے کے ماہرین ہونے کے ساتھ ہی ساتھ وہ ایک اچھے مسلمان بھی بن جائیں اور پھر یہی لوگ آگے چل کر ایک مثالی معاشرہ بھی تشکیل دے سکیں۔

بحمد اللہ تعالیٰ

مصادر و مراجع:

1...... القرآن الکریم

2...... آلوسی، ابوالثناء شہاب الدین محمود بن عبداللہ الحسینی، روح المعانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت

3...... ابراہیم مصطفی، احمد حسن الزیات، حامد عبدالقادر، محمد علی النجار، معجم الوسیط، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور

4...... ابن اثیر، عزالدین ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالکریم الجزری، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ

5...... ابن اثیر، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ترجمہ: مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی، المیزان ناشران وتاجران کتب، الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

6...... احمد عمر، ڈاکٹر، الدعوۃ الاسلامیہ منہجہا، مکتبہ غریب الفجالہ

7...... احمد عزت راجح، دکتور، اصول علم النفس، دار الکاتب العربی، القاہرۃ

8...... احمد محمد ابن خالق، دکتور، علم النفس اصول ومبادی، دار المعرفۃ الجامعیۃ

9...... الازہری، پیر محمد کرم شاہ، جسٹس، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

10...... اسرار احمد، ڈاکٹر، بیان القرآن، انجمن خدام القرآن، پشاور

11...... الاصفہانی، ابونعیم، احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء

12...... اصفہانی، حافظ ابونعیم، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیائ، ترجمہ: محمد اصغر مغل، دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی

13...... اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور

14...... اصلاحی، امین احسن، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی، لاہور

15...... اصلاحی، امین احسن، فلسفے کے بنیادی مسائل، فاران فاؤنڈیشن، لاہور

16...... محمد اقبالؒ، علامہ، بانگِ درا، الفیصل ناشران وتاجران کتب، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

17...... الاندلسی، شہاب الدین احمد بن محمد ابن عبدربہ، العقد الفرید، دار الکتب العلمیہ، بیروت

18...... الاندلسی، طبائع النساء وماجاء فیہامن عجائب واخبار واسرار، مکتبۃ القرآن، قاہرہ

19...... بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم، الجامع الصحیح (صحیح بخاری)

20...... البخاری، محمد بن اسماعیل، ادب المفرد

21...... البیانونی، محمد ابوالفتح، المدخل الی علم الدعوۃ، المؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1993ء

22...... البیہقی، ابوبکر احمد بن حسین بن علی بن عبداللہ بن موسیٰ، دلائل النبوۃ ومعرفۃ احوال صاحب الشریعہ، د عبدالمعطی قلعجی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

23...... ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ، سنن ترمذی

24...... ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن عبداللہ بن ابی القاسم، النبوات، اضواء السلف، الریاض، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ

25...... ابن تیمیہ، الحسبہ فی الاسلام، ترجمہ: ڈاکٹر اکرام الحق یسین، شریعۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان

26...... تھانوی، مولانا اشرف علی، تفسیر بیان القرآن، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

27...... تھانوی، الدعوات الی اللہ، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

28...... تہانوی، مولانا اشرف علی، فقہ حنفی کے اصول وضوابط، ادارہ افادات اشرفیہ، لکھنؤ

29...... تھانوی، الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان

30...... تھانوی، دعوت وتبلیغ کے اصول واحکام، ادارہ افادات اشرفیہ، لکھنؤ

31...... الجوزی، ابوالفرج عبدالرحمٰن بن ابوالحسن علی بن محمد بن علی بن عبید، تفسیر القرآن الکریم، دار مکتبہ الہلال، بیروت

32...... الجوزی، صفہ الصفوہ، دارالحدیث القاہرۃ، مصر

33...... الجوزی، اعلام المعوقین، دار ابن حزم، بیروت

34...... الجوزی، اغاثۃ اللہفان من مصاید الشیطان، مکتبہ المعارف، الریاض

35...... ابن جماعہ، قاضی بدرالدین محمد بن ابراہیم بن سعد اللہ، تذکرۃ السامع والمتکلم فی ادب العالم والمتعلم، دارالبشائر الاسلامیہ

36...... حاکم، محمد بن عبداللہ الحاکم النیشابوری، مستدرک علی الصحیحین

37...... ابن حنبل، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی، مسند احمد بن حنبل

38...... ابن حجر، ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی، عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

39...... ابن حجر، عسقلانی، نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر، مکتبۃ البشریٰ للطباعۃ والنشر والتوزیع، کراتشی

40...... ابن حجر، عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، مترجم: مولانا عامر شہزاد علوی، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور

41...... حلبی، نورالدین علی بن برہان الدین، سیرت حلبیہ

42...... الخطیب البغدادی، حافظ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت، الکفایہ فی علم الروایہ، المکتبۃ العلمیۃ

43...... الخطیب التبریزی، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ، مشکوٰۃ المصابیح

44...... الدارمی، ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہرام بن عبدالصمد الدارمی الترمذی السمرقندی، سنن دارمی

45...... الدوری، ابوالفضل، تاریخ یحییٰ بن معین بروایۃ العباس الدوری

46...... الدیار البکری، قاضی حسین، تاریخ الخمیس

47...... الذہبی، شمس الدین أبوعبداللہ محمد بن أحمد بن عثمان بن قایماز، سیر أعلام النبلاء

48...... راغب اصفہانی، ابوالقاسم حسن بن محمد، مفردات القرآن، مکتبہ القاسمیہ، لاہور، 1963ء

49...... الرازی، أبوعبداللہ فخرالدین محمد بن عمر التیمی الرازی، مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر)

50...... محمد رشید رضا المصری، تفسیر القرآن المنار، دارالمنار، مصر

51...... الزرقانی، محمد بن عبدالباقی بن یوسف، شرح الزرقانی، دارالکتب العلمیہ، بیروت

52...... ابن سعد، ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع البصری الزہری، طبقات ابنِ سعد (الطبقات الکبریٰ)

53...... ابن سعد، طبقات ابن سعد، ترجمہ: مولانا عبداللہ عمادی، حیدرآباد دکن

54...... سید قطبؒ، دعوت کا منہج کیا ہو؟، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

55...... سیوہاروی، مولانا حفظ الرحمن، قصص القرآن، اسلامی کتب خانہ، لاہور

56...... ابن ابی شیبہ، ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان ابی شیبہ، مصنف ابن ابی شیبہ

57...... محمد صادق ابراہیم، محمد رسول اللہ ﷺ - منہج و رسالہ، دار القلم، دمشق

58...... الصفدی، صلاح الدین عبداللہ، الوافی بالوفیات، دار احیاء التراث، بیروت

59...... الطارق علی سعید احمد، الحاجات الانسان من المنظور الاسلامی والنفسی، کلیۃ الآداب والعلوم ال انسانیۃ، جامعۃ صنعاء، یمن

60...... الطبرانی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی، المعجم الکبیر

61...... الطبری، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید، تاریخ الرسل والملوک، دار الکتب العربیہ، بیروت

62...... الطحاوی، ابوجعفر، محمد بن سلیمان التیمی، عقیدہ طحاویہ

63...... محمد طیبؒ، قاری، انسانیت کا امتیاز، ادارہ اسلامیات، لاہور

64...... عامر نجیب، دعوتی تحریک - ضرورت اور طریقہ کار، الصراط پبلیکیشنز، ناظم آباد، کراچی

65...... عبدالبدیع صقر، کیف ندعوا الناس، الدار العالمیہ، ریاض

66...... عبدالکریم زیدان، اُصول الدعوۃ، مؤسسۃ الرسالۃ، 2007ء

67...... عبداللہ ابن عباس، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، دار الکتب العلمیہ

68...... عبدالسلام بن صلاح الدین مدنی، صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب، دفتر تعاون برائے دعوت وارشاد محافظہ میسان، سعودی عرب

69...... عبدالشکور ترمذیؒ، مفتی، دعوت و تبلیغ کی شرعی حیثیت، ادارہ اسلامیات

لاہور، 1985ء

70...... محمد عثمان نجاتی، مدخل الی علم النفس الاسلامی، دار الشروق

71...... عثمانی، محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ادارہ المعارف القرآن، کراچی

72...... عثمانی، محمد شفیع، مفتی، احکام القرآن، ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی

73...... عثمانی، محمد شفیع، مفتی، مقام صحابہؓ، ادارہ معارف القرآن، کراچی

74...... عثمانی، محمد شفیع، مفتی، آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ادارہ المعارف القرآن، کراچی

75...... عثمانی، محمد تقی، مفتی، آسان ترجمہ قرآن، ادارہ معارف القرآن، کراچی

76...... عثمانی، محمود اشرف، مفتی، ملفوظات امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، دار القلم، لاہور، پاکستان

77...... العثیمین، شیخ محمد بن صالح، شرح عقیدہ واسطیہ، ترجمہ: پروفیسر جار اللہ ضیاء، الفرقان ٹرسٹ، خان گڑھ، ضلع مظفر گڑھ، پاکستان

78...... ابن عساکر، علی بن ابی محمد الحسن بن ہبۃ اللہ، تاریخ دمشق

79...... علاء الدین متقی الہندی، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، مؤسسۃ الرسالۃ

80...... الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد، احیاء علوم الدین، دار المعرفہ بیروت، لبنان

81...... القرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر بن فرح، الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی)، مطبعہ دار الکتب المصریہ القاہرۃ

82...... ابن کثیر، عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضو بن کثیر، البدایہ والنہایہ

83...... ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مترجم: پروفیسر کوکب شادانی، نفیس اکیڈمی، کراچی

84...... ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، دار المعرفہ للطباعہ والنشر والتوزیع بیروت، لبنان

85...... لیاقت علی نیازی، ڈاکٹر، اسلام کا قانونِ صحافت

86...... مالک، مالک بن انس بن مالک بن عمر، موطا امام مالک

87...... محی الدین، ڈاکٹر، الدعوۃ الاسلامیہ والاعلام الدولی، دار الفکر العربی، قاہرہ

88...... محمد مرتضیٰ زبیدی، تاج العروس، دار التراث العربی، بیروت

89...... المزی، یوسف بن عبدالرحمن، تہذیب الکمال، مؤسسہ الرسالہ، بیروت

90...... مسلم، ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیشاپوری، الجامع الصحیح (صحیح مسلم)

91...... مصطفی السباعی، السیرۃ النبویہ، مکتب الاسلامی، بیروت

92...... المظہری، محمد ثناء اللہ، التفسیر المظہری، مکتبہ رشیدیہ، پاکستان

93...... مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور

94...... المیدانی، عبدالرحمان حسن، فقہ الدعوۃ الی اللہ، دار القلم للطباعۃ والنشر والتوزیع، دمشق

95...... ندوی، سید سلیمان، سیرت النبی ﷺ، دار الندوہ، لکھنؤ

96...... ندوی، سید سلیمان، سیر الصحابیاتؓ مع اسوہ صحابیاتؓ، دار الاشاعت، اردو بازار، لاہور

97...... ندوی، سید سلیمان، اسلام کا نظام دعوت و تبلیغ، دار الندوہ، دہلی

98...... ندوی، سید سلیمان، خطبات مدارس، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی

99...... ندوی، ابوالحسن، مولانا، تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب، مجلس نشریات اسلامی، کراچی

100...... ندوی، سید ابوالحسن علی، انسانیت کی مسیحائی، دار الاشاعت، کراچی

101...... النووی، ابوزکریا محی الدین یحییٰ بن شرف الشافعی، التقریب والتیسیر لمعرفۃ سنن البشیر النذیر، دار الکتاب العربی

102...... البانی، محمد ناصر الدین البانی، السلسلۃ الصحیحۃ

103...... الواحدی، ابوالحسن علی بن احمد بن محمد بن علی، تفسیر البسیط، دار المصور العربی، مصر

104...... الواقدی، محمد بن عمر، المغازی، دار الاعلمی، بیروت

105...... ابن ہشام، سیرت النبی ﷺ کامل، ترجمہ: مولانا عبدالجلیل صدیقی، مولانا غلام رسول مہر، غلام علی اینڈ سنز، لاہور

106...... الہیثمی، ابوبکر بن سلیمان، مجمع الزوائد، مکتبہ القدسی، القاہرۃ

107...... یوسف لدھیانویؒ، مولانا، آپ کے مسائل اور ان کا حل، دار المعارف، کراچی

کتبِ لغت

1...... ابراہیم مصطفیٰ، احمد حسن زیات، المعجم الوسیط، عربی اردو، مترجم: محمد اویس، عبدالنصیر علوی، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور
2...... رحمانی، خالد سیف اللہ، مولانا، قاموس الفقہ، زم زم پبلشرز، اردو بازار، کراچی
3...... الرازی، ابوالحسین احمد، معجم مقاییس اللغۃ، دارالفکر 1979ء
4...... الزبیدی، محمد بن عبدالرزاق الحسینی، تاج العروس من جواہر القاموس، دارالہدایہ 1976ء
5...... سعدی ابوحبیب، ڈاکٹر، القاموس الفقہی
6...... عبدالحفیظ، مصباح اللغات، مجلس نشریات اسلام، کراچی، 1992ء
7...... فواد عبدالباقی، معجم المفہرس، دارالکتب المصریہ، 1999
8...... ابن منظور الافریقی، ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم المصری، لسان العرب، دار صادر، بیروت
9...... کیرانوی، وحید الزماں قاسمی، مولانا، القاموس الجدید، عربی اردو لغت، ادارہ اسلامیات، لاہور
10...... لوئیس معلوف، المنجد، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور
11...... وحید الزماں، مولانا، القاموس الاصطلاحی، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، 2001ء

مصادر و مراجع:

1...... القرآن الکریم
2...... آلوسی، ابوالثناء شہاب الدین محمود بن عبداللہ الحسینی، روح المعانی، دارالکتب العلمیہ، بیروت
3...... ابراہیم مصطفی، احمد حسن الزیات، حامد عبدالقادر، محمد علی النجار، معجم الوسیط، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور
4...... ابن اثیر، عزالدین ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالکریم الجزری، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ
5...... ابن اثیر، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ترجمہ: مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی، المیزان ناشران و تاجران کتب، الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
6...... احمد عمر، ڈاکٹر، الدعوۃ الاسلامیہ منہجا، مکتبہ غریب الفجالہ
7...... احمد عزت راجح، دکتور، اصول علم النفس، دارالکاتب العربی، القاہرۃ
8...... احمد محمد ابن خالق، دکتور، علم النفس اصول و مبادی، دارالمعرفۃ الجامعیۃ
9...... الازہری، پیر محمد کرم شاہ، جسٹس، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
10...... اسرار احمد، ڈاکٹر، بیان القرآن، انجمن خدام القرآن، پشاور

11...... الاصفہانی، ابونعیم، احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران، حلیۃ الاولیاوَ طبقات الاصفیاء

12...... اصفہانی، حافظ ابونعیم، حلیۃ الاولیاوَ طبقات الاصفیائ، ترجمہ: محمد اصغر مغل، دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی

13...... اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور

14...... اصلاحی، امین احسن، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی، لاہور

15... اصلاحی، امین احسن، فلسفے کے بنیادی مسائل، فاران فاؤنڈیشن، لاہور

16...... محمد اقبالؒ، علامہ، بانگِ درا، الفیصل ناشران و تاجران کتب، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

17...... الاندلسی، شہاب الدین احمد بن محمد ابن عبدربہ، العقد الفرید، دار الکتب العلمیہ، بیروت

81... الاندلسی، طبائع النساء وماجاء فیہامن عجائب واخبار وأسرار، مکتبۃ القرآن، قاہرہ

91... بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم، الجامع الصحیح (صحیح بخاری(

20...... البخاری، محمد بن اسماعیل، ادب المفرد

12... البیانونی، محمد ابوالفتح، المدخل الی علم الدعوۃ، المؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1993ء

22...... لبیہقی، ابوبکر احمد بن حسین بن علی بن عبداللہ بن موسیٰ، دلائل النبوۃ ومعرفۃ احوال صاحب الشریعہ، د عبدالمعطی قلعجی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

23...... ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ، سنن ترمذی

24...... ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن عبداللہ بن ابی القاسم، النبوات، اضواء السلف، الریاض، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ

25...... ابن تیمیہ، الحسبہ فی الاسلام، ترجمہ: ڈاکٹر اکرام الحق یسین، شریعۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان

26...... تھانوی، مولانا اشرف علی، تفسیر بیان القرآن، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

27...... تھانوی، الدعوات الی اللہ، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

28...... تہانوی، مولانا اشرف علی، فقہ حنفی کے اصول وضوابط، ادارہ افادات اشرفیہ، لکھنؤ

29...... تھانوی، الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان

30...... تھانوی، دعوت وتبلیغ کے اصول واحکام، ادارہ افادات اشرفیہ، لکھنؤ

13...... الجوزی، ابوالفرج عبدالرحمٰن بن ابوالحسن علی بن محمد بن علی بن عبید، تفسیر القرآن الکریم، دار مکتبہ الہلال، بیروت

23...... الجوزی، صفہ الصفوہ، دار الحدیث القاہرۃ، مصر

33...... الجوزی، اعلام المعوقین، دار ابن حزم، بیروت

43...... الجوزی، اغاثۃ اللہفان من مصاید الشیطان، مکتبہ المعارف، الریاض

53...... ابن جماعہ، قاضی بدرالدین محمد بن ابراہیم بن سعداللہ، تذکرۃ السامع والمتکلم فی ادب العالم والمتعلم، دار البشائر الاسلامیہ

63...... حاکم، محمد بن عبداللہ الحاکم النیشاپوری، مستدرک علی الصحیحین

73...... ابن حنبل، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی، مسند احمد بن حنبل

83...... ابن حجر، ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی، عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

93...... ابن حجر، عسقلانی، نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر، مکتبۃ البشریٰ للطباعۃ والنشر والتوزیع، کراتشی

04...... ابن حجر، عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، مترجم: مولانا عامر شہزاد علوی، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور

14...... حلبی، نورالدین علی بن برہان الدین، سیرت حلبیہ

24...... الخطیب البغدادی، حافظ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت، الکفایہ فی علم الروایہ، المکتبۃ العلمیۃ

34...... الخطیب التبریزی، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ، مشکوٰۃ المصابیح

44...... الدارمی، ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہرام بن عبدالصمد الدارمی الترمذی السمرقندی، سنن دارمی

54...... الدوری، ابوالفضل، تاریخ یحییٰ بن معین بروایۃ العباس الدوری

64...... الدیار البکری، قاضی حسین، تاریخ الخمیس

74...... الذہبی، شمس الدین أبوعبداللہ محمد بن أحمد بن عثمان بن قایماز، سیر أعلام النبلاء

84...... راغب اصفہانی، ابوالقاسم حسن بن محمد، مفردات القرآن، مکتبہ القاسمیہ، لاہور، 1963ء

94...... الرازی، أبوعبداللہ فخرالدین محمد بن عمر التمیمی الرازی، مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر)

05...... محمد رشید رضا المصری، تفسیر القرآن المنار، دارالمنار، مصر

15...... الزرقانی، محمد بن عبدالباقی بن یوسف، شرح الزرقانی، دارالکتب العلمیہ، بیروت

25...... ابن سعد، ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع البصری الزہری، طبقات ابنِ سعد (الطبقات الکبریٰ)

35...... ابن سعد، طبقات ابن سعد، ترجمہ: مولانا عبداللہ عمادی، حیدرآباد دکن

45...... سید قطبؒ، دعوت کا منہج کیا ہو؟، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

55...... سیوہاروی، مولانا حفظ الرحمن، قصص القرآن، اسلامی کتب خانہ، لاہور

65...... ابن ابی شیبہ، ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان ابی شیبہ، مصنف ابن ابی شیبہ

75...... محمد صادق ابراہیم، محمد رسول اللہ ﷺ - منہج ورسالہ، دارالقلم، دمشق

85...... الصفدی، صلاح الدین عبداللہ، الوافی بالوفیات، داراحیاء التراث، بیروت

95...... الطارق، علی سعید احمد، الحاجات الانسان من المنظور الاسلامی والنفسی، کلیۃ الآداب والعلوم الانسانیۃ، جامعۃ صنعاء، یمن

06...... الطبرانی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی، المعجم الکبیر

16...... الطبری، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید، تاریخ الرسل والملوک، دارالکتب العربیہ، بیروت

26...... الطحاوی، ابوجعفر، محمد بن سلیمان التمیمی، عقیدہ طحاویہ

36...... محمد طیبؒ، قاری، انسانیت کا امتیاز، ادارہ اسلامیات، لاہور

46...... عامر نجیب، دعوتی تحریک - ضرورت اور طریقہ کار، الصراط پبلیکیشنز، ناظم آباد، کراچی

56...... عبدالبدیع صقر، کیف ندعواالناس، الدارالعالمیہ، ریاض

66...... عبدالکریم زیدان، أصول الدعوۃ، مؤسسۃ الرسالۃ، 2007ء

76...... عبداللہ ابن عباس، تنویرالمقباس من تفسیر ابن عباس، دارالکتب العلمیہ

86...... عبدالسلام بن صلاح الدین مدنی، صحابہ کرامؓ کے فضائل ومناقب، دفتر تعاون برائے دعوت وارشاد محافظہ میسان، سعودی عرب